ماہنامہ القاسم دیوبند جلد 1

1328ھ، 1329ھ

شمارہ نمبر 6-12

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۶ | بابت ماہ محرم الحرام ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڑہ میں مولوی رشید احمد انصاری مالک مطبع نے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ محرم ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب امروہی و مولانا اشرفعلی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(نمبر ۵)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اور لشکرِ اسلام کے داخل ہونیسے پہلے مکے میں اعلانِ معافی کی منادی کرادی تھی اور امن حاصل کرنیکی ایسی مختلف اور سہل صورتیں تجویز فرمادی تھیں جنسے کوئی بھی محروم نہ رہے۔ اعلانِ معافی کے الفاظ یہ تھے۔ مَنْ کَفَّ یَدَاہُ وَاَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ اَبِیْ سُفْیَانَ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ المسجد فھو اٰمِنٌ۔ مَنْ اَلْقٰی سَلَاحَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ اَغْلَقَ بَابَہٗ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ دَارَ حَکِیْمِ بْنِ حَزَامٍ فَھُوَ اٰمِنٌ۔ مَنْ دَخَلَ تَحْتَ لِوَاءِ اَبِیْ رُوَیْحَۃ فَھُوَ اٰمِنٌ (ترجمہ) جو شخص مقابلے سے ہاتھ کو روکے اور اپنا گھر بند کرے امن میں ہے۔ جو شخص ابو سفیان کے گھر میں داخل ہوجائے امن میں ہے۔ جو شخص مسجد حرام میں داخل ہوجائے امن میں ہے۔ جو شخص ہتیار ڈال دے امن میں ہے۔ جو شخص گھر میں گھسکر دروازہ بند کرے امن میں ہے۔ جو شخص حکیم بن حزام کے گھر میں داخل ہوجائے امن میں ہے۔ جو شخص ابو رویحہ کے جھنڈے کے نیچے آجائے امن میں ہے)

امن حاصل کرنے کی یہ اتنی صورتیں تھیں کہ کوئی ہی بدقسمت ہوگا جو اِن سے نفع نہ اٹھا سکے آپنے اہلِ مکہ کی اصلی حالت اور قلبی ولولوں اور مسلمانوں سے نفرت اور علیحدگی یا بے خبری و نادانی کو خیال فرماکر امن دینے کی انتہائی صورتیں ظاہر فرمادیں یعنی اگر کوئی نادانی یا بے خبری کی وجہ سے سامنے ہی آجائے تو ہتیار ڈال دینے سے

امن میں داخل ہو جائیگا۔ مسلمان کئی سمت سے داخلِ مکۂ معظمہ ہو چکے تو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے داخلے کا وقت آیا۔ ممکن تھا کہ اِس عظیم الشان فتح کے وقت شکریۂ حق تعالیٰ کے ساتھ مسرّت اور نشاط کے آثار چہرۂ مبارک پر ظاہر ہوتے اور یہ امر بقاعدۂ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ محمود اور پسندیدہ ہوتا۔ مگر نہیں حق تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا سماں آپ کے پیشِ نظر تھا۔ ہیبت وجلالِ خداوندی سے قلب مبارک معمور تھا۔ حق تعالےٰ کے شکر کے ساتھ اعلےٰ درجے کی تواضع وانکسار کے آثار نمایاں تھے۔ آپ اُسوقت مجسّم تواضع بنے ہوئے تھے۔ داخلِ مکّہ ہونیکے وقت ناقہ پر سوار تھے اور تواضع کیوجہ سے گردنِ مبارک اِسقدر جُھکی ہوئی تھی کہ ریشِ مبارک کجاوہ کی لکڑی سے مَس کرتی تھی

ایک وہ وقت تھا کہ عمرۃ القضا میں جبکہ قریشِ مکہ کا یہ خیال تھا کہ مسلمان مدینۂ منورہ کی آب وہوا۔ تنگی ومفلسی کی وجہ سے بہت ضعیف وناتوان ہو گئے ہیں۔ آپ نے حکم دیا تھا کہ قریش کو اپنی بہادری اور قوت وچُستی دکھلاؤ۔ چنانچہ طواف کی حالت میں مسلمانوں کا رمل (اکڑ کر چلنا) دیکھکر قریش کو اپنے خیال کی غلطی معلوم ہو گئی۔ اور ایک آج کا دن ہے کہ مسلمانوں کو غایت نرمی وتواضع کا حکم ہے۔ اِس سے صاف ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلّے اللہ علیہٖ وآلہٖ وسلّم کو ہر حال میں خدا تعالےٰ کی رضا اور اسلام کے برکات ومحاسن کا اظہار پیشِ نظر رہتا تھا۔

آپ مسلمانوں کی کثرت وشوکت اور عزت کو دیکھکر خوش ہوتے تھے مگر ساتھ ہی یہ بھی فرماتے جاتے تھے۔ اَللّٰهُمَّ لَا عَيْشَ اِلَّا عَيْشُ الْاٰخِرَةِ۔ (اے اللہ عیش وآرام تو آخرۃ ہی کا کارآمد ہے)

عام اہلِ مکّہ کو معافی دیدی گئی۔ البتہ آٹھ مرد اور چار عورتیں اِس معافی سے مُستثنٰے

رکھے گئے۔ اُن کے بارے میں حکم تھا کہ جس جگہ ملجائیں قتل کردیے جائیں۔ مگر اُن میں سے سوائے چند کے بالآخر سب کو معافی ملگئی اور وہ بھی پختہ مسلمان ہوگئے۔ منجملہ آٹھ مردوں کے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ بھی تھے۔ عکرمہ ذاتِ مقدس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ آلہ وسلم) کے ساتھ عداوت رکھنے۔ تکلیف پہنچانے میں اپنے باپ ابوجہل کے مشابہ تھے۔ اُسوقت بھی وہ مقابلے پر آئے تھے۔ اِسیوجہ سے رُوپوش ہوکر بھاگ گئے۔ مگر اُن کی بیوی ام حکیم مسلمان ہوگئیں۔ اور اپنے خاوند کے لئے امن حاصل کرکے اُن کی تلاش میں نکلیں۔ اور ایسے وقت جاکر ملیں کہ وہ جہاز میں سوار ہونے کو تھے۔ اُم حکیم نے اُن سے کہا۔ جِئْتُكَ مِنْ عِنْدِ اَحْلَمِ النَّاسِ وَ اَوْصَلِهِمْ وَاَكْرَمِهِمْ (میں ایسے شخص کے پاس سے آئی ہوں جو دُنیا بھر سے زیادہ حلیم اور کریم اور صلہ رحمی کرنیوالے ہیں۔ اور اُنھوں نے تمکو امن دیا ہے) عکرمہ حاضرِ خدمت ہوئے اور اسلام لے آئے۔ آپ بھی اُن کے اِسلام سے نہایت مسرور ہوئے۔

اِنھیں میں صفوان ابنِ اُمیہ تھے۔ یہ بھی سخت دُشمن ذاتِ مقدس رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم) کے تھے۔ فتح مکّہ کے وقت خوف کی وجہ سے جدّہ بھاگ گئے عمیر بن وہب نے اِن کے بارے میں عرض کیا۔ آپ نے انکو امن عطا فرمایا اور علامتِ امن کے لئے وہ عمامہ مبارک جو فتح مکہ کے روز آپ باندھے ہوئے تھے۔ عمیر رضی اللہ عنہ کو عطا فرمایا۔ عمیرؓ نے جدّہ جاکر صفوان سے امن دیے جانے کی اطلاع دی اور کہا۔ اِنَّهُ اَحْلَمُ النَّاسِ وَ اَوْصَلُهُمْ (رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم دنیا بھر سے زیادہ حلیم اور صلہ رحمی کرنیوالے ہیں) صفوان خدمتِ مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ آپ مجھے دو مہینے کا اختیار عطا فرمایئے۔ میں اپنے بارے میں غور کرلوں۔ ارشاد فرمایا تم کو چار ماہ تک اختیار ہے

وہ اپنی اسی حالتِ کفر میں آپکے ساتھ حُنین و طائف کے غزوات میں موجود رہے۔ بالآخر مسلمان ہوئے اور بہت پختہ مسلمان ہوئے۔

جس کے دل میں انصاف اور سر میں عقل ہو ایک ہی واقعہ کو دیکھکر سمجھ سکتا ہو کہ اشاعت اسلام میں کسقدر نرمی اور درگذر اختیار کیا گیا ہے۔ ایک ایسا شخص جسکی ساری عمر اسلام کی مخالفت میں گذری جسکا شعار یہ تھا کہ رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر حملے کرے۔ اشعار کے ذریعے سے آپکی مذمت پھیلائے۔ اور انھیں عادات و افعال شنیعہ کی وجہ سے اعلانِ معافی کی رحمتِ عامہ سے محروم رہکر واجب القتل ہو چکا ہو۔ ایسے شخص کے لئے رسولِ خدا اسکی علامت کیواسطے اپنا خاص عمامہ بھیجتے ہیں اور وہ حاضرِ خدمت ہوکر غور و فکر کے لئے دو ماہ کی مہلت مانگتا ہے اور آپ بجائے دو ماہ کے چار ماہ کی مہلت عطا فرماتے ہیں۔ اور اس مہلت عطا فرمانیکا یہ مطلب نہ تھا کہ چار ماہ بعد ایمان نہ لایا تو قتل کردیا جائیگا بلکہ اُسکو امن کے ساتھ جس جگہ سے آیا تھا وہاں جانے کی اجازت دیجائیگی۔ ایسے کھلے اور روشن واقعات کے بعد بھی یہ الزام لگانا کہ اشاعت اسلام کے بارے میں کسی قسم کے جبر کو دخل دیا گیا ہے کسی ذی عقل و سمجھدار کا کام نہیں ہے ہاں تعصب اور ہٹ دھرمی نے جسکو مسلوب الحواس بنا دیا ہو۔ نیک و بد کی تمیز اُسکو باقی نہ رہی ہو اب جو چاہے کہے۔ اس ہی واقعے سے یہ بھی بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کی سچّی تعلیم میں عہد و میثاق کا پورا کرنا ایسا لازمی اور ضروری ہو کہ کسی وقت اُسکو نہیں چھوڑ سکتے۔

جو لوگ معافی سے مستثنےٰ تھے اُنھیں میں عبداللہ بن ابی سرح بھی تھے جنکا جرم کسی طرح قابلِ معافی نہ تھا۔ اسلام لائے آپکی خدمت میں حاضر رہے۔ کتابتِ وحی کی خدمت

سپرد تھی مگر خباثتِ نفس سے الفاظ میں تغیّر و تبدّل کر دیتے تھے۔ پھر مُرتد ہو گئے اور کُفّار مکّہ سے کہا کہ تمھارا دین بہتر ہے۔ مگر باوجود اِن جرائم کے اور باوجود اِسکے کہ فتح مکّہ کے دن اُن کے قتل کا حکم دیا گیا تھا حضرت عثمان اُن کو لیکر حاضر ہوئے اور امن طلب کیا۔ آپنے امن عطا فرمایا اور وہ دوبارہ مسلمان ہو گئے۔

اِنھیں میں عبد اللہ بن زبعری بھی تھے۔ یہ شخص بہت زیادہ ہجو اور مذمّت کرنیوالا تھا۔ یہ بھاگ کر نجران چلے گئے لیکن وہاں سے لوٹ کر حاضرِ خدمت ہوئے اِسلام لے آئے اور معذرت میں بہت سے اشعار پڑھے جنمیں سے دو شعر یہ ہیں ؎

یَا رَسُوْلَ الْمَلِيْكِ اِنَّ لِسَانِيْ ۔۔۔ رَاتِقٌ مَا فَتَقْتُ اِذْ اَنَا بُوْرٌ

اے رسولِ خدا میری زبان ۔۔۔ اُس نقصان کی جبر کرنیوالی ہے جو میںنے اپنی تباہی کے [illegible]

اٰمَنَ اللَّحْمُ وَالْعِظَامُ بِرَبِّيْ ۔۔۔ ثُمَّ نَفْسِي الشَّهِيْدُ اَنْتَ النَّذِيْرُ

میرا گوشت اور ہڈیاں اللہ تعالےٰ پر ایمان لائے ہیں ۔۔۔ اور میرا نفس گواہی دیتا ہے کہ آپ نذیر ہیں

اِنھیں آٹھ میں وحشی بن حرب ہیں۔ یہ شخص وہ ہیں کہ اُحد کے دِن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے چچا حضرت حمزہ رضؓ کو شہید کیا تھا۔ فتح مکّہ کے دن یہ بھی خوف کی وجہ سے طائف بھاگ گئے تھے۔ مگر بعد میں کلمہ شہادت پڑھتے ہوئے حاضرِ خدمت ہوئے آپنے اُنکا اسلام قبول فرمایا اور اُن سے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کی کیفیت دریافت فرمائی جسکو سُنکر آپ پر گریہ غالب ہو گیا اور وحشی سے فرمایا کہ تم میرے سامنے نہ آیا کرو۔ وحشی نے حضرت حمزہ رضؓ کے قتل کی مکافات اِسطرح کی کہ مسیلمہ کذّاب کو اُسی آلہ سے اُسیطرح قتل کیا جس طرح حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا تھا۔

ابُو سفیان کی زوجہ ہند بنت عتبہ کی عداوت او بُغض کا یہ حال تھا کہ جنگِ اُحد

میں جب حضرت حمزہ رضؓ شہید ہوگئے ہیں تو اُنکا جگر نکال کر چبایا۔ فتح مکّہ تک اُن کی یہی کیفیت تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوسفیان کو حکم دیا کہ ہمارے داخلے سے پہلے قریش کو لشکرِ اسلام کی اطلاع کردو۔ اور معافی کا اعلان سُنا دو تو ابوسفیان نے بیت اللہ میں کھڑے ہوکر للکارا اور کہا کہ لشکرِ اسلام آگیا جسکا تم مقابلہ نہیں کرسکتے قریش نے کہا پھر کیا کریں۔ اُنھوں نے معافی کا اعلان سُنایا تو ہندہ نے آکر ابوسفیان کی داڑھی پکڑلی اور کہا۔ لوگو! اِس احمق بوڑھے کو قتل کردو یہ کیا کہتا ہے۔ ابوسفیان نے کہا گھر میں جاکر بیٹھ رہ ورنہ گردن اُڑادی جائیگی۔ ہندہ بھی اُن چار عورتوں میں تھیں جنکے قتل کا حکم تھا۔ مگر ہندہ نے اوّل اپنے گھر کے سب بُتوں کو توڑا۔ اور کہا کہ ہم تمھاری وجہ سے بڑے دھوکے میں تھے اور چند عورتوں میں بلکر پوشیدہ طور سے حاضرِ خدمت ہوئیں۔ اور اسلام لائیں۔ اور دو بکری کے بچے نذر کئے۔ اور عُذر کیا کہ میری بکریاں بچے کم دیتی ہیں۔ آپنے برکت کی دُعا فرمائی۔ اسکے بعد بکریاں بُہت ہوگئیں۔ وہ کہا کرتی تھیں کہ یہ آپ کی دعا کی برکت ہے۔ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جسنے ہمکو اسلام کی ہدایت کی۔

یہ حالات آپکی رحم دلی۔ درگذر۔ عفو۔ اور چشم پوشی اور حُسنِ اخلاق اور غایت نرمی کے ہیں جنکا ظہور فتح مکّہ معظمہ کے موقع پر ہوا ہے۔ اب ہم یہ دِکھلانا چاہتے ہیں کہ فتحِ مکّہ کے بعد قبائلِ عرب میں اسلام کی اشاعت کیونکر ہوئی۔

سنۃ الوفود قریش کا ادب واحترام عرب میں مُسلّم تھا۔ تمام عرب قریش کو اپنا امام جانتے اور اُن کے افعال کو قابلِ اقتدار مانتے تھے۔ قبائلِ عرب اسوقت بھی قریش کے انجام کو دیکھ رہے تھے۔ جب مکّہ فتح ہوگیا اور قریش سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ تو اب قبائلِ عرب کے لئے اسلام لانیکا راستہ صاف ہوگیا۔ بڑی بڑی

قوموں نے وفد کی صورت میں اپنے قائم مقام خدمت مبارک میں بھیجے اور مسلمان ہوگئے۔ فتح مکہ کے بعد ایکسال کے اندر اندر قریب قریب کُل عرب کے وفد حاضر خدمت ہوکر مع اپنی قوم کے اصالتاً و وکالتاً مسلمان ہوگئے۔ اسی وجہ سے یہ سال سنۃ الوفود کہلاتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا کہ عرب پر اسلام کا سکّہ بیٹھ چکا تھا۔ اور گویا مقابلہ۔ سرکشی۔ اور لڑائی کا سلسلہ اہل عرب کی طرف سے منقطع ہوچکا تھا کسی شخص میں یہ طاقت نہ تھی کہ برسر مقابلہ آئے۔ اکثر قبائل برضا و رغبت مسلمان ہوچکے تھے۔ مگر باایںہمہ بہت سے اکھڑ اور سخت مزاج قبائل جنکے اندر بدویت کے ساتھ ریاست اور حکومت کا نشہ بھی موجود تھا خدمت مبارک میں حاضر ہوکر بھی اصل فطرت سے باز نہ آئے۔ اور اپنے اکھڑپنے سے رسول اللہ صلے اللہ علیہ و آلہ وسلّم کو تکلیف پہنچائی۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلّم نے باوجود اس شوکت و قوت کے انکی سختیاں برداشت کیں۔ انپر کسی قسم کا تشدّد و یا جبر جائز نہ رکھا۔ بلکہ جس پہلو پر اسلام کی حقّانیت کو سمجھنا چاہتے تھے سمجھایا۔

قبیلۂ تمیم کا وفد بڑی جمعیت کیساتھ حاضر خدمت ہوا۔ اُنمیں منتخب سردار شاعر اور خطیب موجود تھے۔ ان لوگوں نے مسجد نبوی میں آکر باواز بلند للکارا۔ "اے محمد (صلے اللہ علیہ آلہ وسلّم) باہر آؤ"۔ آپ کو اُن کے للکارنے اور غیر مہذّب طریق سے سخت تکلیف پہنچی مگر کچھ نہیں فرمایا۔ بلکہ باہر تشریف لے آئے۔ ان لوگوں نے کہا ہم آپسے مفاخرہ یعنی فخر میں مقابلہ کرنے آئے ہیں۔ آپ ہمارے خطیب یعنی لکچرار کو اجازت دیجے۔ اللہ اکبر کس قدر نرمی اور حُسنِ اخلاق و درگذر تھا۔ بجائے اسکے کہ آپ اُنکو فرماتے کہ اسلام کی حقّانیت واضح ہوچکی ہے اسلام لے آؤ۔ اُنکو

اِس امر کا موقع عطا فرمایا کہ جس اصطلاح میں حقّانیتِ اسلام سمجھنا چاہتے ہیں سمجھ لیں۔ آپنے اُن کے خطیب کو اجازت دی اُسنے نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ اپنی قوم کی خوبیاں اور فضائل بیان کئے۔ وہ بیان کرچکا تو آپنے ثابت بن قیس کو اشارہ فرمایا کہ تم جواب دو۔ ثابت رضی اللہ عنہ نے ایک زور کی تقریر میں خدا تعالیٰ کی احسانات اسلام کی خوبیاں اور احکام۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف بیان کئے۔ اِس کے بعد اُن کا شاعر کھڑا ہوا اور اُسنے اپنی قوم کی افضلیت میں بہت سے اشعار پڑھے جنمیں کا ایک شعر بطورِ نمونہ ذکر کیا جاتا ہے۔ ؎

نحن الکرام فلا حیٌّ یُعادِلُنا منّا الملوك وفینا تنصبُ البِیَعُ

اُنکا شاعر بیٹھ گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت حسّان رضی اللہ عنہ کو اشارہ فرمایا حضرت حسّان پہلے سے تیار نہ تھے مگر فی البدیہہ ایسے زوردار اشعار پڑھے کہ سب حیران رہگئے۔ سردارانِ تمیم نے سُنکر کہا کہ بیشک آپ نبی اور مؤیّد مِنَ اللہ ہیں۔ آپ کا خطیب ہمارے خطیب سے بڑھا ہوا ہے اور شاعر ہمارے شاعر سے اور پھر سب کے سب مسلمان ہوگئے۔ انھیں لوگوں کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہی اِنَّ الَّذِیْنَ یُنَادُوْنَكَ مِنْ وَّرَآءِ الْحُجُرٰتِ اَكْثَرُهُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ ٥ (جو لوگ حجروں سے باہر کھڑے ہوکر آپ کو پکارتے ہیں اُنمیں سے اکثر ناواقف ہیں)

بنی اسد کا وفد اسلام لانیکی غرض سے حاضرِ خدمتِ مبارک ہوا اور اپنی اُس سادگی اور بدویت کی وجہ سے بے تکلف اپنے آنے کا احسان جتلانے لگے۔ اور کہا۔ جِئْنَاكَ قَبْلَ اَنْ تُرْسِلَ اِلَیْنَا (ہم قبل اسکے کہ آپ کوئی قاصد بھیجے خود ہی آگئے)۔ اِسپر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے غایت حلم وکرم کی وجہ سے کچھ بھی نہیں فرمایا۔ البتہ

اُن کی فہمایش کیو اسطے کلام اللہ میں یہ آیت نازل ہوئی۔ یَمُنُّوْنَ عَلَیْكَ اَنْ اَسْلَمُوْا قُلْ لَّا تَمُنُّوْا عَلَیَّ اِسْلَامَكُمْ بَلِ اللّٰهُ یَمُنُّ عَلَیْكُمْ اَنْ هَدٰىكُمْ لِلْاِیْمَانِ ط (اے محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ لوگ اپنے اسلام کا تمپر احسان جتلاتے ہیں۔ کہدیجے ایسا نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تمپر احسان کیا کہ تمکو ایمان کی ہدایت کی) یہاں سے یہ بات بخوبی معلوم ہوگئی کہ ایمان ایسی دولت نہیں جو زبردستی کسیکو دی جائے۔

اسی سال حمیر کے بادشاہوں کے خطوط اور قاصد خدمت مبارک میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ یہ سب لوگ بہ طیب خاطر اسلام لا چکے ہیں۔ نجران کے عرب جو بُت پرست تھے حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر مسلمان ہوگئے۔ اور حضرت خالد رضؓ نے اُن کو احکام اسلام کی پوری تلقین کردی۔ نجران میں اسلام نے مضبوطی کے ساتھ قدم جمائے۔ مگر نجران کے نصاریٰ باوجود اسلام کی قوت و شوکت کے اپنے مذہب پر قائم رہے کوئی خوف و اندیشہ اُنکو نہ ترک مذہب کے لئے محرک ہوا نہ ترک وطن کے لئے۔ بلکہ برعکس اسکے کیا تو یہ کیا کہ اپنے وفد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں اس غرض سے بھیجا کہ آپ سے مُباہلہ کرے

مُباہلہ اُسکو کہتے ہیں کہ دو فریق جو کسی ایک معاملے میں جھگڑتے اور باہم مخالفت کرتے ہوں اپنی اولاد اور اہل وعیال سمیت ایک جگہ اکٹھے ہوجائیں اور خدا تعالےٰ کی درگاہ میں نہایت عجز والحاح کے ساتھ دعا کریں کہ جو ناحق پر ہے وہ ہلاک اور تباہ ہوجائے نصاریٰ نجران نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے مباہلہ کرنا چاہا اور آپنے اُنپر کسی سختی و سرزنش کو روا نہ رکھا۔ بلکہ حق واضح کرنے اور دنیا پر حقیقۃ الامر منکشف کرنے کیو اسطے مباہلہ پر آمادہ ہوگئے۔ اور حضرت فاطمہؓ اور حضرت علیؑ اور حضرت حسنؑ

اور حضرت حسین رضی اللہ عنہم کو ہمراہ لیکر مباہلے کی غرض سے تشریف لائے۔
نصاریٰ نجران آخر اہل کتاب تھے وہ علم کے درجے میں سب کچھ جانتے تھے۔ آپ
کو اور اس مقدس اور پاک جماعت کو دیکھکر سمجھ گئے کہ اگر ہمنے مباہلہ کیا تو نہ صرف
ہمارا بلکہ دنیا کے نصرانیوں کا استیصال ہوجائیگا۔ آپ کی بد دعا ایسی نہیں ہے کہ
پھر دنیا میں کوئی نصرانی باقی رہجائے۔ آپس میں ایک دوسرے سے کہنے لگے
کہ یہ چہرے ایسے ہیں اگر اللہ تعالیٰ پر پہاڑوں کو اُنکی جگہہ سے ہلا دینے کی قسم کھابیٹھیں
تو وہ ضرور پورا کرے۔ اسطرح وضوح حق اور سب کچھ سمجھ لینے اور جاننے کے بعد بھی
ایمان نہ لائے۔ بلکہ مصالحت کی درخواست کی اور آپنے بطیب خاطر اُن سے
مصالحت کرلی اور مصالحت بھی اُس شرط کیساتھ جسکو ہم اِس مضمون کی تمہید میں بیان
کرچکے ہیں۔ یعنی نہ اُن کو مذہب بدلنے پر مجبور کیا جائیگا نہ اسکی کوئی تدبیر کیجائیگی۔
ایک تھوڑی سی عقل والا بھی انصاف کرلے کہ کیا اِس سے زیادہ نرمی ممکن ہے۔
اور کیا کوئی عقل کا دشمن اب بھی یہ کہیگا کہ اسلام کی اشاعت میں کسی قسم کے جبر وہ
زبردستی کو دخل دیا گیا ہے۔

فتح مکہ کے بعد بعض قبائل کی طرف آپنے اپنے صحابہ کو دعوت اسلام کے لئے
بھیجا اور اُنکو ہدایت فرمادی کہ کسی سے مقاتلہ و مقابلہ نکریں۔ حضرت خالد کو بنی جذیمہ
کی طرف بھیجا اور اُنھوں نے غلط فہمی سے کچھ لوگوں کو قتل کردیا جسکی خبر پہونچتے ہی آپنے
ارشاد فرمایا۔ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَبْرَءُ اِلَیْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ۔ (اے اللہ میں خالد کے اس
فعل سے بری ہوں)

حضرت خالد کو یمن وغیرہ کی طرف بھیجا تھا لیکن وہ لوگ اسلام نہ لائے اور حضرت

خالد نے بعض لوگوں کے ساتھ کچھ سختی کی اُس کے بعد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو بھیجا اور ارشاد فرمایا کہ خالد رضی اللہ عنہ کی وجہ سے جو نقصان پہونچا اُسکا تاوان دیں۔ اور نرمی کی ہدایت کریں۔ حضرت علیؓ تشریف لیگئے اور اہل یمن کو نامۂ مبارک سُنایا۔ قبیلۂ ہمدان جو بہت بڑا قبیلہ تھا ایک ہی روز میں سب کا سب مسلمان ہو گیا۔ حضرت علیؓ نے اِسکی اطلاع خدمتِ مبارک میں بھیجی تو آپ نے تین مرتبہ فرمایا۔ اَلسَّلَامُ عَلٰی ھَمدَان (ہمدانیوں پر سلام ہو) اِسکے بعد یمن کے قبائل یکے بعد دیگرے مسلمان ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یمن کے مسلمان ہونیکی اطلاع پہونچی تو سجدۂ شکر ادا کیا۔

قبیلۂ ہمدان کو اُسیوقت سے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے ساتھ خاص تعلق پیدا ہو گیا تھا۔ بعد کے اختلافات و محاربات میں قبیلۂ ہمدان برابر حضرت علیؓ کا جاں نثار رہا۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اُن کے بارے میں فرمایا کرتے تھے ؎

فَلَوْ کُنْتُ بَوَّابًا عَلٰی بَابِ جَنَّةٍ   لَقُلْتُ لِھَمْدَانَ اُدْخُلُوا بِسَلَامٍ

اگر میں جنت کے دروازے کا دربان ہوں   تو قبیلۂ ہمدان سے کہوں کہ سلامتی کیساتھ داخل ہو جاؤ

سخاوت میں ضرب المثل حاتم طائی کے بیٹے عدی قبیلۂ طی کے سردار اور بادشاہ تھے نصرانی ہو گئے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اس غرض سے بھیجا کہ قبیلۂ طی کے بُت کو جسکا نام فلس تھا گرا دیں۔ اُسوقت عدی تو شام کی طرف بھاگ گئے۔ البتہ اُن کی بہن کو حضرت علیؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر کیا۔ اُن کی بہن نے خدمت میں حاضر ہو کر اپنے بھائی کیواسطے امن حاصل کر کے بھائی کو لینے کیلئے ملکِ شام میں پہونچیں۔ حضرت عدی فرماتے ہیں۔ میں نے خدمتِ مبارک میں حاضر ہو کر سلام عرض کیا۔ آپ مجھکو اپنے ہمراہ مکان میں لے چلے

راستے میں ایک بوڑھی عورت ملگئیں اور دیر تک راستے ہیں کھڑا کر کے اپنے متعلق کچھ کہتی رہیں مینے اپنی دل میں کہا کہ بیشک یہ نبی ہیں بادشاہ نہیں ہیں مکان میں تشریف لیگئے تو فرش پر مجھے بٹھایا اور خود زمین پر تشریف فرما ہوئے۔ مینے دل میں کہا بیشک آپ نبی ہیں بادشاہ نہیں ہیں اسکے بعد مجھے خطاب کر کے ارشاد فرمایا۔ اے عدی شاید تم مسلمانوں کی تنگدستی اور مفلسی اور انکے دشمنوں کی کثرت دیکھکر اسلام لانیسے رکتے ہو قسم ہے اللہ پاک کی مسلمانوں کے پاس اس کثرت سے مال آئیگا کہ اسکو کوئی قبول بھی نکریگا۔ اور ایسا امن وامان قایم ہو جائیگا کہ ایک تنہا عورت قادسیہ سے بیت اللہ کی زیارت کو آئیگی اور اسکو سوائے اللہ کے کسی سے بھی خوف نہو گا۔ اور تم سن لوگے کہ بابل کے سفید محل فتح ہو گئے ہیں۔ حضرت عدی فرماتے ہیں میں مسلمان ہو گیا اور مینے دیکھ لیا کہ بابل کے قصور ابیض فتح ہو گئے۔ میں نے یہ بھی دیکھ لیا کہ تنہا عورت حج کو چلی آتی ہے اور قسم ہے اللہ پاک کی تیسری بات بھی ہو کر رہیگی یعنی مال کی اتنی کثرت ہوگی کہ اسکا کوئی قبول کرنے والا نہو گا۔

یہ واقعہ بھی سنتہ الوفود کا ہے۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد دین حق کو پھیلانیکے ساتھ امن وامان کا قایم کرنا تھا جسکو آپنے پورا فرمایا اور یہ کہ آپکو اسلام کی اشاعت اور خداوند تعالیٰ کے وعدوں کے پورا ہونیکا ایسا وثوق تھا کہ ظاہری بے سروسامانی اور دنیا بھر کی مخالفت بھی اسمیں تردد پیدا نہ کرسکتی تھی۔ اور یہ کہ وثوق ظاہری سازوسامان پر نہ تھا ورنہ اس موقع پر حضرت عدی کے سامنے اسلام کی شوکت وقوت کو ظاہر فرماتے نہ کہ ضعف وحاجت کو۔ اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مال ودولت ترقی کے اسباب نہیں ہیں مسلمانوں نے اس وقت ترقی کی جبکہ وہ روزمرہ کی ضروریات کو بھی بہ آسانی پورا نہ کرسکتے تھے۔ اور جبکہ مال کی کثرت ہوئی اور دولت کے آثار نمایاں ہو گئے مسلمانوں کے اخلاص اور جوش ایمانی میں کمی آتی گئی اپنی حالت سے گرتے گئے۔

(باقی آیندہ)

فلسفہ اور علم کلام

نمبر ۴

حضرت مجدد صاحب رحمۃ اللہ علیہ ایک اور موقع پر ارشاد فرماتے ہیں۔

وچنانچہ طور عقل ورائے طور حس ست کہ انچہ بحس مدرک نہ شود عقل ادراک آں می نماید ہمچنیں طور نبوت ورای طور عقل است انچہ بعقل مدرک نہ شود بنبوت درک می آید وہرکہ ورای طور طریق عقل طریقے ازبرای معرفت اثبات نمی نماید فی الحقیقت منکر نبوۃ است و مصادم بداہت است[۱]۔

اور جیسا کہ عقل کا راستہ حواس کے راستہ سے علیحدہ کہ جو چیز حواس سے نہ جانی جائے عقل سے معلوم ہوسکتی ہے اسی طرح نبوت کا راستہ عقل کے راستہ سے علیحدہ ہے یعنی جس بات کو عقل سے دریافت نہیں کرسکتے اسکو نور نبوۃ سے جان سکتے ہیں اور جو شخص عقل کے اوپر کوئی اور طریقہ علم کا تسلیم نہیں کرتا وہ درحقیقت نبوۃ کا منکر اور بداہت کا مخالف ہے۔

ذرا اور آگے چلکر لکھتے ہیں۔

وبالجملہ طریق ریاضت و مجاہدت در رنگ طریق نظر و استدلال وقتے اعتبار پیدا کند کہ مقرون بتصدیق انبیاء بود علیہم الصلوات والتسلیمات[۲]۔

اور حاصل یہ ہے کہ ریاضات اور مجاہدات کا طریقہ بھی نظر اور استدلال کے طریقہ کے مقابلہ میں اُسوقت قابل اعتبار اور اعتماد کے ہے جبکہ اس کی تصدیق انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے ذریعہ سے ہوچکی ہو۔

علامہ ابن خلدون بھی مجدد صاحب کے پورے پورے ہمزباں ہیں۔ وہ مجدد صاحب سے ذرا زیادہ تشریح کے ساتھ اپنے مقدمہ تاریخ میں تحریر کرتے ہیں۔

---

[۱] دیکھو مکتوبات مجدد صاحب صفحہ ۴ جلد ۳۔ [۲] دیکھو مکتوبات مجدد صاحب صفحہ ۱۲ جلد ۳۔

فاتهم ادراكك ومداركك في الحصر واتبع ما امرك الشارع من اعتقادك وعملك فهو احرص على سعادتك واعلم بما ينفعك لانه من طور فوق ادراكك ومن نطاق اوسع من نطاق عقلك وليس ذلك بقادح في العقل ومداركه بل العقل ميزان صحيح فاحكامه يقينية لا كذب فيها غير انك لا تطمع ان تزن به امور التوحيد والآخرة وحقيقة النبوة وحقائق الصفات الالهية وكل ما وراء طوره فان ذلك طمع في محال. ومثال ذلك مثال رجل رأى الميزان الذي يوزن به الذهب فيطمع ان يزن به الجبال. وهذا لا يدرك على ان الميزان في احكامه غير صادق لكن العقل قد يقف عنده ولا

پس تم اپنے علم اور معلومات کو اس حصر کر دینے میں خطا وار سمجھو۔ (کہ جو ہم جانتے ہیں تمام موجودات اسی میں منحصر ہیں) اور شارع علیہ السلام کے بتلائے ہوئے اعتقادات اور اعمال کا اتباع کرو کیونکہ وہ تم سے زیادہ تمہارے ہی خواہ اور سود و بہبود کو سمجھنے والے ہیں۔ انکا علم تمہارے علم سے اوپر اور ایسے ذریعہ سے حاصل ہونے والا ہے جو تمہاری عقل کے دائرہ سے وسیع تر ہے باقی ہمارے اس کہنے سے عقل اور اس کی معلومات میں کوئی نقص پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ہم عقل کو ایک میزان صحیح سمجھتے ہیں جسکے احکام یقینی اور جھوٹ سے پاک ہیں۔ ہاں یہ میزان اتنی بڑی نہیں ہے کہ تم اس سے توحید و آخرۃ کے امور اور نبوت و صفات الٰہیہ وغیرہ کے حقائق کو وزن کرنے لگو۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی شخص ایک سونے چاندی کے تولنے کا کانٹا دیکھے اور اسمیں پہاڑوں کے تولنے کا ارادہ کرنے لگے۔ تو یہ نہ کہا جائیگا کہ ترازو وزن بتلانے کے اعتبار سے درست نہیں ہے بلکہ یہ کہینگے کہ ہر میزان کے واسطے ایک حد ہے جسکے آگے وہ کام نہیں دیسکتی۔ اسی طرح میزان عقل بھی ایک خاص موقعہ پر ٹھہر جاتی ہے اور یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس سے آگے بڑھکر خدا کی ذات و صفات کا احاطہ کرلے۔ کیونکہ خود عقل بھی وجود

۱؎ دیکھو مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۴ ۔

بتعدی طورہ حتی یکون له ان یحیط بالله وبصفاته فانه ذرة من ذرات الوجود الحاصل منه وتفطن فی هذا لغلط من یقدم العقل علی السمع فی امثال هذه القضایا وقصور فهمه واضمحلال رایه فقد تبین لک الحق من ذلک۔[1]

کے اُن ذرات میں کا ایک ذرہ ہے جو خدا کی طرف سے فایض ہوتے ہیں۔ اسی جگہ سے تم اُن لوگوں کی غلطی کم فہمی اور رائے کی کمزوری کو معلوم کرلو جو عقل کو اس قسم کے معاملات میں سمعیات پر ترجیح دیتے ہیں۔

دوسرے مقام میں لکھتے ہیں۔

وقد تنبه لذلک زعیمهم ابو علی بن سینا فقال فی کتاب المبدأ والمعاد ان المعاد الروحانی واحواله مما یتوصل الیه بالبراهین العقلیة والمقائیس لانه علی نسبة طبیعیة محفوظة وتیرة واحدة۔ فلنا فی البراهین علیه سعة۔ واما المعاد الجسمانی واحواله فلا یمکن ادراکه بالبرهان لانه لیس علی نسبة واحدة وقد بسطته لنا الشریعة الحقة المحمدیة فلینظر فیها ولنرجع فی احواله الیها۔[2]

اور رئیس الفلاسفہ بوعلی سینا نے بھی اس بات پر متنبہ ہو کر کتاب المبدء والمعاد میں یہ کہدیا ہے کہ روح کو عذاب وثواب ہونے پر تو ہم دلائل اور قیاسات قائم کرسکتے ہیں۔ کیونکہ ایسا ہونا مضبوط قانون طبیعی اور ایک خاص طریقہ کے تحت میں داخل ہے تو اسکے اندر برہان سے ثابت کرنے کی گنجایش نکلسکتی ہے مگر جسمانی اعادہ اور جزا سزا کا محض استدلال سے جاننا ہرگز ممکن نہیں۔ کیونکہ وہ کسی خاص نسبتہ اور قاعدہ کے نیچے واقع نہیں ہے۔ لیکن شریعت محمدیہ حقہ نے اسکے حالات تفصیل کے ساتھ بیان کردیے ہیں جسکا جی چاہے اسکی طرف رجوع کرکے دیکھ لے۔

جو علوم نہ بذریعہ عقل کے بلکہ بذریعہ کشف کے معلوم ہوں اُن کی بابت کہتے ہیں۔

[1] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مطبوعہ مصر صفحہ ۳۸۴
[2] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مصری صفحہ ۴۵۷

ثم هذا الكشف لا يكون صحيحاً كاملاً عندهم الا اذا كان ناشئاً عن الاستقامة لان الكشف قد يحصل لصاحب الجوع و الخلوة وان لم يكن هناك استقامة كالسحرة والنصارى وغيرهم من المرتاضين وليس مرادنا الا الكشف الناشی عن الا ستقامة ومثاله ان المرآة الصقيلة اذا كانت محدبة او مقعرة وحوذی بها جهة المرئی فانه يتشكل فيها معوجاً على غير صورته وان كانت مسطحة تشكل فيها المرئی صحيحاً۔[1]

پھر یہ کشف بھی صحیح اور کامل اس وقت تک نہیں ہوتا جب تک کہ استقامۃ (یعنی شریعت کے احکام پر پورا پورا عمل) نہ ہو ورنہ یونتو بہت سے ریاضت اور خلوت سے صفائی قلب حاصل کرنے والوں کو بھی کشف ہونے لگتا ہی جیسا کہ ساحرین ۔ نصاری اور اور ریاضت کرنے والے اور ان دونوں کی مثال ایسے سمجھو کہ ایک صاف آئینہ تو محدب اور مقعر (اونچا نیچا) ہو اس میں کسی چیز کا عکس بھی ٹیڑھا ترچھا پڑتا ہے اور ایک آئینہ مسطح (ہموار) ہو اس میں شکل بھی سیدھی اور صحیح صحیح دکھائی دے گی۔

حضرت شیخ شہاب الدین صاحب سہروردی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ عقل اور استدلال کے طریقہ سے جو علم حاصل ہوتا ہی وہ ایسا یقینی نہیں ہوتا جسکا ازالہ ہو سکے تو گویا اس میں ایک قسم کا تردد اور اضطراب رہتا ہی اور صوفیہ کرام کے علوم بالکل قطعی اور یقینی ہوتے ہیں یعنی ناپائدار نہیں ہوتے ۔ اُن میں اگر کوئی شک و شبہ پیدا کرنا چاہے تو ہرگز پیدا نہیں ہوسکتا ۔ کیونکہ وہ تو ایسا ہی کہ گویا اپنی آنکھوں سے چیز دیکھ لی ۔ اور اپنے کانوں سے کوئی بات سُن لی ۔ چنانچہ عوارف میں لکھتے ہیں ۔

فما اضطراب الطبائع الاضرب

تو یہ اضطراب اور تردد جو طبیعتوں میں دیکھتے ہو یہ بھی

[1] دیکھو مقدمہ ابن خلدون مصری صفحہ ۳۹۲

من الجهل. فقلوب الصوفية واعيةٌ	جہل کی ایک قسم ہی. اس اعتبار سے صوفیوں کے قلوب
لانهم زهدوا فی الدنیا بعد ان	بہت محفوظ ہوتے ہیں کیونکہ انھوں نے تقوی اور طہارت
احکموا اساس التقوی فبالتقوی زکت	کی بنیاد کو مضبوط کر کے زہد اور ترک دنیا اختیار کیا. تو
نفوسهم وبالزهد صفت قلوبهم	تقوی کی وجہ سے انکے نفس پاک اور زہد کی وجہ سے دل
فلما عدموا اشواغل الدنیا بتحقیق	صاف ہو گئے. اور جب دنیوی مشاغل کو انھوں نے فنا
الزهد انفتحت مسامُّ بواطنهم	کر دیا تو انکے باطن کے مسامات کھل گئے اور اُنکے دل کے
وسمعت آذان قلوبهم[1]	کان سُننے لگے.

متکلمین کی جماعت میں علامۂ علاء الدین علی الطوسی (المتوفی ۸۸۷ھ) نے سلطان محمد فاتح کے حکم سے جو کتاب حکما کے رد میں لکھی ہی اسکے مقدمہ میں بتلایا ہے کہ ہماری عقل بہت سی اشیاء کی حقیقت دریافت کرنے سے قاصر رہتی ہی. بلکہ بڑے بڑے حکما محسوسات کی ماہیت معلوم کرنے سے عاجز ہو جاتے ہیں. تو ہم کو چند ایسے امور کے تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہ ہونا چاہیے جن کی باریکیوں کو اگرچہ ہم نے خود نہیں سمجھا مگر خدا کے ایسے سچے رسولوں نے ہم کو اُن کی خبر دی ہی جن کی صداقت پر سیکڑوں آیات بینات گواہی دے رہی ہیں. کیا ہماری آنکھوں نے اُن تمام چیزوں کو دیکھ لیا ہی جنکو وہ دیکھ سکتی ہیں. یا ہمارے کانوں نے اُن تمام آوازوں کو سُن لیا ہی جنکو وہ سُن سکتے ہیں (یا ہمارے ہاتھوں نے تمام اُن چیزوں کو چھو لیا ہی جنکو وہ چھو سکتے ہیں یا ہماری زبان نے تمام اُن الفاظ کو ادا کر دیا ہی جنکو ہم ادا کر سکتے ہیں) پھر جب ہمارے ان حواس اور ان قوتوں نے اپنے مقدورات پر پورا احاطہ نہیں کیا تو کیا وجہ ہی کہ ہماری

---

[1] دیکھو عوارف المعارف مطبوعہ مصر صفحہ ۶

عقلی قوت کو اپنی ساری معلومات پر کامل تصرف اور قبضہ حاصل ہو جائے۔ یہانتک کہ خدا کی ذات و صفات کے مسائل بھی اسکے قابو میں آجائیں اور حقایق اشیار میں سے کوئی حقیقت ایسی نہ رہے جو اس کی دسترس سے اچھوتی ہو۔ ہم دیکھتے ہیں کہ پانی۔ آگ مٹی وغیرہ وہ اجسام جو ہر وقت ہم کو نظر آتے ہیں ان کی حقیقت کے دریافت کرنے میں بڑے بڑے فلاسفر متحیر ہیں افلاطون کہتا ہی کہ یہ بسیط اجسام ہیں اور ارسطو کی جماعت کہتی ہی کہ نہیں ہیولی اور صورت سے مرکب ہی۔ دیمقراطیس کہتا ہی کہ یہ اجسام ایسے ذرات سے مرکب ہیں جو نہایت چھوٹے اور نہایت سخت ہونے کی وجہ سے قابل تقسیم نہیں ہیں۔ پھر اجزا جسم کے متناہی اور غیر متناہی ہونے کی حیثیت سے نظام کچھ کہتا ہی اور متکلمین کچھ۔ اسی طرح عقل اور نفس ناطقہ کے بارے میں ہر ایک کا مذہب جداگانہ ہی اور ایک جو دلیل قائم کرتا ہی دوسرا اسکو رد کر دیتا ہے۔ بھلا وہ نفس جو ہر وقت ہمارے پاس رہتا ہی اور وہ اجسام جو شب و روز ہمارے استعمال میں آتے ہیں۔ جب ان کی حقیقت کے معلوم کرنے میں ان اذکیار کا یہ حال ہی تو غیب کے اسرار اور ملکوت کے دقایق تک ان کی رسائی کی کیونکر امید ہو سکتی ہی۔ سوا، اسکے کہ اللہ تعالے کے صفات و افعال کی صحیح کیفیت کو وہ ہی شخص سمجھے جس کی تائید خدا کی جانب سے کی گئی ہو یا ایسا شخص اس کی اطلاع کرے جسکے مبعوث من اللہ ہونے پر ہزاروں علامات ظاہر ہو چکی ہوں۔ ورنہ جو احمق نبوت کے انوار سے مستفید ہوئے بغیر محض اپنی عقل پر بھروسہ کرکے الٰہیات کے کُنہہ تک پہنچنا چاہیگا اسکے اوہام یقیناً اس کی عقل سے سخت مزاحمت کرینگے اور اسکو وہمی اور عقلی چیزوں کے تمیز دینے میں ایسی دشواری پیش آئے گی جسکے انسداد کی کوئی تدبیر اسکے پاس نہ ہوگی۔ ارسطو کا یہ قول نہایت انصاف پر مبنی ہی کہ الٰہیات کے مسائل میں دلائل سے یقین کا مرتبہ حاصل نہیں ہو سکتا۔

باقی جن حکما نے انبیاء کی تقلید کو چھوڑ کر ان مسائل میں انہماک پیدا کیا اس کی وجہ یہ ہوئی کہ خدا تعالیٰ نے ان کو فطرۃً ذہین بنایا تھا اور ان کی عقلوں میں ایک قسم کی تیزی پیدا کی تھی جسکے ذریعہ سے انھوں نے ہندسہ اور حساب وغیرہ علوم میں ایسی کامل دستگاہ پیدا کر لی کہ اس اعتبار سے ان کی جسقدر تعظیم کیجاتی تھوڑی تھی۔ لیکن افسوس کہ اُنھوں نے خدا کے اس انعام کا شکریہ ادا نہیں کیا۔ اور اسکے پوری پوری مصداق بن گئے کہ (ع)

اے روشنی طبع تو بر من بلا شدی۔ اُنھوں نے ایسے لق و دق میدان میں قدم رکھنے کی جُرأت کی کہ جو ان کی فہم و فراست کی سرحد سے بالکل خارج تھا۔ یہانتک کہ وہ خود بے راہ ہوئے اور اوروں کو گمراہ کیا۔ اب اُنکے اس حال سے ہر ایک انسان کو چاہیے کہ عبرت حاصل کرے اور کسی ایسے رسول کے اقوال پر جس کی راستبازی دلیلوں سے ثابت ہو چکی ہو بے چون وچرا اعتماد کر کے اپنے دل کو ان اضطرابات اور شکوک و اوہام سے رستگاری دے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم ۰[1]

اب یہاں پہنچکر ہم کو چاہیے تھا کہ ہم قلم کی باگ امام غزالی کی تقریر کی طرف پھیر دیتے جسکا حوالہ ہم بہت دور سے دیتے چلے آرہے ہیں کیونکہ اسوقت ہم حکماء اور متکلمین۔ صوفیہ اور مورخین سب کے کلاموں کے انتخاب سے فارغ ہو چکے ہیں اور ہماری تحریر کے پڑھنے والوں میں جو تحریک اس مسئلہ کی بابت ہم پیدا کرنا چاہتے تھے وہ بھی غالباً پیدا ہو چکی ہی۔ لیکن بڑی کوتاہی ہوگی اگر ہم اس موقع پر شاہ ولی اللہ صاحب جیسے یگانۂ عصر کو فراموش کر جائیں جن کی نسبت مشہور ہی کہ متاخرین میں انسے بڑھکر کوئی اس مسئلہ (عقل و نقل) کا سمجھنے والا پیدا نہیں ہوا اور نہ اس اخیر دور میں انسے زیادہ کسی نے شریعت کے اسرار اسقدر تفصیل کے ساتھ بیان کیے۔ وہ اپنی مشہور کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ کہ

[1] یہ سب تفصیل کتاب الذخیرہ مطبوعہ دائرۃ المعارف صفحہ ۱۰۹ میں مذکور ہی۔

قد يُظن ان الاحكام الشرعية غير متضمنة لشئ من المصالح وانه ليس بين الاعمال وبين ما جعل الله جزاءً لها مناسبةً وان مثل التكليف بالشرائع كمثل سيد اراد ان يختبر طاعة عبده فامره برفع حجر او لمس شجر مما لا فائدة فيه غير الاختبار فلما اطاع او عصى جُوزي بعمله وهذا ظن فاسد تكذبه السنة و اجماع القرون المشهود لها بالخير[1]

کبھی یہ خیال کرلیا جاتا ہے کہ شریعت کے احکام عقلی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں اور نہ اعمال میں اور انکے پاداش میں کوئی خاص مناسبت ملحوظ ہے اور یہ کہ انسان کو خدا کی جانب سے احکام شرعیہ کا مکلف بنانا ایسا ہی جیسا کوئی آقا اپنے غلام کی فرمانبرداری کا امتحان کرنا چاہے اور اسکو کسی پتھر کے اٹھا لانے یا کسی درخت کے چھونے یا کسی اور ایسے کام کا حکم کرے جس میں اس کی آزمائش کے سوا کوئی فائدہ نہ ہو۔ اب اگر اُس غلام نے اطاعت کی یا نہ کی تو اسکو ویسا ہی بدلہ دیدیا گیا۔ شریعت کی بابت یہ خیال بالکل فاسد ہے جس کی تکذیب سنت رسول اللہ اور قرون اولیٰ کے اجماع نے کی ہے۔

پھر ایک ورق کے بعد یہ بھی لکھتے ہیں۔

نعم كما اوجبت السنة هذا وانعقد عليه الاجماع فقد اوجبت ايضاً ان نزول القضاء بالايجاب والتحريم سببٌ عظيم في نفسه مع قطع النظر عن تلك المصالح لاثابة المطيع وعقاب العاصي وانه ليس الامر على ما ظن من ان حسن الاعمال و

ہاں جیسا کہ سنت اور اجماع سے یہ ثابت ہوا اسی طرح یہ بھی ثابت ہوا ہے کہ خدا کی طرف سے محض کسی چیز کے وجوب یا حرمت وغیرہ کے متعلق حکم کا نازل ہونا بھی مصالح عقلیہ سے قطع نظر کرکے۔ نیکوں کو ثواب اور گنہگاروں کو عذاب دینے کا بڑا سبب ہے۔ اور ایسا نہیں جیسا کہ بعضوں کا گمان ہے کہ اعمال کا حسن و قبح یعنی انکے کرنے نہ کرنے پر عذاب و ثواب کا استحقاق محض عقل سے ثابت ہو سکتا ہے۔ باقی شریعت کا کام

[1] دیکھو حجۃ اللہ البالغہ مطبوعہ مصر صفحہ ۵

وقبحها بمعنی استحقاق العامل للثواب والعذاب عقلیان من کل وجه وان الشرع وظیفته الاخبار عن خواص الاعمال علی ما هی علیه دون انشاء الایجاب والتحریم بمنزلة طبیب یصف خواص الادویة وانواع المرض فانه ظن فاسد تمجه السنة بادی الرأی۔[1]

اُس طبیب کی طرح جو دواؤں کے خواص اور مرض کے اقسام کو بیان کرتا ہو صرف یہ ہے کہ وہ اعمال کی واقعی خاصیتوں کو ظاہر کردے۔ نہ یہ کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو واجب یا حرام بنائے۔ اِس قسم کے خیالات بالکل فاسد ہیں جن سے کھُلے طور پر سُنتہ رسول اللہ نفرت کرتی ہے۔

یہ تمام اقوال جو یہاں تک نقل کیے گئے اُن مُستند علماء کے اقوال ہیں جو بلحاظ اپنے فضل وکمال کے اُمّتِ محمدیہ کے آفتاب اور ماہتاب شمار کیے گئے ہیں۔ اور جنکی فضیلت خواہ کسی حیثیت سے ہو چار دانگ عالم میں تسلیم کی جاچکی ہے۔ لیکن ان متفرق اقوال اور پراگندہ مضامین سے ایک کم علم آدمی بجائے اسکے کہ کچھ فائدہ اُٹھائے۔ سخت پریشانی میں پڑجاتا ہے اور وہ متعین نہیں کرسکتا۔ کہ میں ان میں سے کس بات کو لوں اور کس کو چھوڑوں۔ اِسی تذبذب کے وقت میں امام غزالی آتے ہیں اور احیاء العلوم وغیرہ کے ذریعے سے اُسکی دستگیری کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ گھبراؤ نہیں یہ سب باتیں درست ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ کسی مذہب حق کے تمام احکام عقل کے مطابق ہیں اور یہ بھی ایک اعتبار سے صحیح ہے کہ نبوّۃ اور ولایت کا مرتبہ عقل سے بالاتر ہے۔ یہ بھی غلط نہیں کہ ہر ایک علم عقل ہی کے ذریعے سے حاصل

[1] کتاب مذکور صفحہ (٦)

ہوسکتا ہے۔ اور اس کہنے میں بھی کچھ حرج نہیں کہ بعض علوم عقل کے سوا اور کسی طریقے سے بھی حاصل ہو جاتے ہیں۔ اِسکو بھی ہم تسلیم کرتے ہیں کہ شریعت کے تمام احکام عقلی مصالح پر مبنی ہیں۔ اور اسکا بھی اعتراف ہے کہ صرف عقلی مصالح کسی چیز کے فرض کرنے یا حرام کرنے کے لئے کافی نہیں ہیں۔

ممکن ہے کہ تمھاری کمزور طبیعت اِن متضاد بیانات کو دیکھکر گھبرا اُٹھے اور تم اِن پیچیدار مقدمات کو کوئی منطقی طلسم سمجھنے لگو۔ مگر جو جامع مانع تقریر ہم عنقریب درج کرینگے اُسکو پڑھکر تمھاری بالکل تسلی ہو جائیگی۔ اور تم یقین کرلوگے کہ ان اقوال میں لفظی نزاع کے سوا کوئی حقیقی اختلاف سمجھنا ہمارے فہم کی تقصیر ہے۔ (باقی آئندہ)

مسائل طاعون

چونکہ ہندوستان میں کئی سال سے طاعون موجود ہے اور بعض ازمنہ میں بعض امکنہ میں یہ ظاہر ہوتا ہے۔ چنانچہ آجکل بھی کہیں کہیں پایا جاتا ہے اور طالبانِ دین مثل دوسرے حالات کے اِس حالت کے متعلق بھی احکام کی تحقیق کیا کرتے ہیں اور بعض اوقات منقح حکم نہ ملنے سے زیادہ پریشان ہوتے ہیں اِسلئے مناسب معلوم ہوا کہ احقر نے وقتاً فوقتاً جو اِس باب میں سوالات مختلفہ کے جواب لکھے ہیں جو انشاء اللہ تعالیٰ کسی[1] موقع پر بعینہٖ شائع ہو جائینگے سردست اُن جوابوں کا اخیر محصّل بحذفِ توجیہات اور دلائل کے ایک جگہ جمع کر دیا جائے تاکہ نفسِ احکام (یعنی عملی ۱۲) پر[2] اطلاع ہو نیز عمل (یعنی الا اعتقاد ۱۲) کا طریق تو معلوم ہو جائے اور جمہور کو ضرورت

[1] مجموعہ امداد الفتاویٰ میں یہ سب مرتب ہو چکے ہیں چھپنے کی دیر ہے ۱۲ [2] ممکن ہے کہ کسی محقق کا کوئی فتویٰ کسی مسئلے کے خلاف ہو تو ایسی صورت میں اُسکا فتویٰ قابلِ عمل ہے جو زیادہ محقق ہو ۱۲ منہ مدظلہٗ

بھی اتنی ہی کی ہی۔ اِس سے زائد وظیفہ طلبہ کا ہی جو خود کتب کے تتبع و مطالعہ سے اُس کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ وہو ہذا۔

(۱) طاعون میں تعدیہ طبعیہ لازمہ کا اعتقاد جائز نہیں جیسا اکثر عوام و معتقدینِ سائنس کا ہی۔

(۲) مقامِ طاعون سے خارج ہونا اور مقامِ طاعون میں داخل ہونا بلا ضرورت جائز نہیں۔

(۳) تجارت و طلبِ علم و مطالبۂ دیون و معالجۂ امراض و تحصیلِ معاش و مثل ذلک سب ضرورت میں داخل ہیں

(۴) ایک شہر کے ایک محلہ سے دوسرے محلہ میں مکان بدل ڈالنا جائز ہی اور اسی محلہ میں رہنا اولیٰ جائز ہے

(۵) بستی کے متعلق جو میدان اور صحرا ہی بستی چھوڑ کر وہاں جاکر رہنا بھی جائز ہی مگر شرط یہ ہی کہ مریضوں اور اموات کے حقوق ضائع نکرے یعنی عیادت و خدمت مریضونکی اور کفن و دفن و نماز جنازہ کی ترک نہوے

(۶) اگر بستی کے خالی ہو جانے سے وحشت شدید ہو یا چوروں کا خوف ہو تو خروج جائز ہی مگر وحشت خفیف یا خوف خفیف معتبر نہیں۔

(۷) فرار من الطاعون گناہ کبیرہ ہی۔

(۸) فرار کو جائز سمجھنے والا اگر احادیث کو رد کرتا ہی تو کفر ہے اور اگر خلافِ قواعدِ شرعیہ تاویل کرتا ہی تو مبتدع اور اگر باوجود رعایت قواعد کے کسی شبہہ سے غلطی کرتا ہی تو مُخطی معذور ہے۔

(۹) دعا کرنا رفع طاعون کے لئے اور اسی طرح دَوا و تدبیر مباحہ کرنا جائز ہی۔

(۱۰) اگر کسی بستی کے تمام آدمی دوسری جگہ چلے جائیں تو بعض محققین کا فتویٰ ہی کہ کچھ حرج نہیں کیونکہ بعض کے جانے میں دوسرے بعض کا تضرر ہے گویا کہ علت نہی کی یہ ہے اور بعض اسکو بھی منع کرتے ہیں۔ فالاطلاق اوسع والنھی احوط۔

(۱۱) احادیث سے اسباب طاعون کے یہ معلوم ہوتے ہیں۔ وخز الجن[۱]۔ یعنی جنات کا اثرِ زخم۔ بعضے[۲] معاصی۔ رحمت مومنین کے لیے۔ اور اِن میں تعارض نہیں کہ اول سبب

قریب ہوا اور ثانی سبب السبب اور ثالث سبب مرتبۂ غایت میں اور ثانی و ثالث میں اسلئے تزاحم نہیں کہ مومن کی سزا تطہیر کے لئے ہوتی ہے پس ناشی عن المعصیت بھی ہوا اور منشا للرحمۃ بھی ہوا اور یہ اسباب اسباب طبیہ کے بھی معارض نہیں۔ خواہ وہ بردات ہوا کی ہو خواہ وہ کیڑے ہوں خواہ کوئی مادہ خبیثہ ہو۔ یا تو اسلئے کہ کبھی ایک امر سبب ہوتا ہے کبھی دوسرا امر۔ یا اسلئے کہ ان اسباب طبیہ کیلیے وہ اسباب ثابت بالشرع سبب ہو جاتے ہیں یعنی معاصی سے جنات کا تسلط ہوتا ہے اور اور جنات کے اجزائ کدرہ کی سرایت و تاثیر یا ان کے تصرفات سے بدن اور ہوا میں عفونت پیدا ہوتی ہے اور وہ عفونت کیڑوں اور بردارت اور مادہ کے لئے سبب ہو جاتی ہے۔

(۱۲) اگر کسی کی موت کے رنج یا اور کسی سانحہ سے تنگ ہو کر ایسے اسباب کا ارتکاب کرے کہ مبتلائے طاعون ہو جائے تو عاصی ہو گا۔

(۱۳) طاعون کا معالجہ کرنا کسی ناجائز دوا سے جائز نہیں۔ طاعون کا ٹیکہ جو ایجاد ہوا ہے تحقیق سے اسکا غیر طاہر ہونا ثابت ہوا ہے وہ بھی اسی کلیہ میں داخل ہے۔ البتہ بعض متاخرین نے شدت ضرورت میں جب کسی ثقہ حاذق کے قول سے اُسی میں انحصار نفع وشفا کا معلوم ہوا اجازت دی ہے یا یہ کہ سلطنت کی جانب سے لازمی حکم ہو مثلاً سفر حج کے لئے شرط ہو تو اِس صورت میں جواز یقینی ہے۔

(۱۴) عوام میں بعض معمولات اسکے متعلق مشہور ہیں مثلاً گائے کو بستی کے چاروں طرف پھرا کر اُسکو ذبح کرنا اُس کی بوٹیاں تقسیم کرکے کھانا اور مثلاً چیلوں کو گوشت کھلانا اور مثلاً چندہ کرکے خواہ دینے والے خوش ہوں یا ناخوش کھانا پکانا اور تقسیم کرنا جس میں اکثر اوقات مستحق و غیر مستحق کا بھی امتیاز نہیں ہوتا اور مثلاً اذانیں علاوہ اذان نماز

پنجگانہ کے کہنا یا جماعت سے نفلیں پڑھنا یہ سب شرعاً بے اصل ہیں۔

(۱۵) البتہ بطورِ خود صدقہ کی کثرت کو اور گناہوں سے توبہ کو دفعِ بلا خاص دخل ہے توبہ میں اصلاحِ اعمال و اداے حقوق بھی داخل ہے اور باہر نکلکر دعا و تضرع کرنا اور فرادیٰ فرادیٰ باہر یا گھر میں نفلیں پڑھنا بھی مستحسن ہے۔

(۱۶) سورہٴ تغابن پڑھکر اپنے اور گھر والوں پر روزانہ دم کرنا اور ہر خوردنی و نوشیدنی چیز پر سورہٴ انا انزلنا پڑھکر دم کرکے کھانا پینا اور یہ تعویذ پاس رکھنا اور کنوؤں میں چھوڑنا اعمالِ مجربہ سے ہے۔

الٰہی بحرمت حضرت شیخ المشائخ مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ حضرت خواجہ محمد صادق از شر آفتِ وبا و طاعون نگہدار وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمدٍ وآلہ واصحابہ اجمعین۔

اور رسالہ علاج القحط والوبا بھی قابلِ ملاحظہ ہے۔

(۱۷) جو شخص کسی ضرورت سے دوسری جگہ گیا تھا اور وہاں طاعون پھیل گیا تو اُس کو وہاں سے اپنے وطن جانا درست ہے۔ البتہ اگر وہاں مستقل قیام رکھتا ہے تو اُسکا حکم مثل اہل بلد کی ہے۔

(۱۸) میتِ طاعون کے کپڑے جلانا گناہ ہے کہ اضاعتِ مال ہے البتہ دو حالت میں درست ہے۔ یا تو سلطنت کا حکم لازمی ہو یا تجربہ سے اُسکا ضرر یقینی ثابت ہو جائے۔

(۱۹)[لہ] مقامِ طاعون میں استقلال سے رہنا موجبِ ثوابِ شہادت ہے اگرچہ زندہ رہے اور مرنا بھی شہداء کا سا مرنا ہے اور قیامت میں شہداء میں داخل کیا جاویگا۔

(۲۰) خود تمنا یا دعا کرنا طاعون میں مرنے کی ممنوع ہے۔ البتہ اگر شوقِ لقاءِ حق میں ہو یا اس

لہ یہ اخیر کے دو نمبر اُن سابق تحریروں پر اضافہ ہیں ۱۲ منہ مدظلہ۔

طرح ہو کہ جب موت آئے تو طاعون میں آئے جیسے حدیث میں تمنا و دعا شہادت کی آئی ہی تو درست ہے اور بعض سلف کی دعا اِسی پر محمول ہی۔ ھٰذا ما حضرنی الآن واللّٰہ اعلم بکل شانٖ

مشورہ۔ اگر زمانۂ طاعون میں گھبراہٹ ہو تو احقر کا رسالہ شوق وطن[1] مطالعہ کرنا اِکسیر اعظم ہے۔ کتبہ اشرف علی۔ ۲۶۔ ذی الحجہ ۱۳۲۹ھ۔

(یہ اُمور بعد میں یاد آئے جو بوجہ ضروری ہونیکے بطور تتمہ لکھے جاتے ہیں)

(۲۱) طاعونی مریض یا میت کے کپڑے یا استعمالی اسباب جلا دینا فی نفسہٖ اِتلاف مال اور گُناہ ہی لیکن اگر کسی صحیح دلیل تجربہ وغیرہ سے ثابت ہو جائے کہ بجز اسکے کوئی صورت دفعِ مضرت کی نہیں۔ یعنی کھولتے ہوئے پانی سے دھونا بھی کافی نہیں تو چونکہ دفعِ مضرت بھی شرعاً ایک مُعتد بہ اور ضروری مصلحت ہی اسلئے اِس صورت میں جلا دینا اِتلافِ مال نہوگا اور جائز ہوگا۔

(۲۲) جس محلے میں یا جس گھر میں طاعون ہو چونکہ اُس جگہ طبعًا لوگ ہلاک سے خائف ہوتے ہیں اسلئے خاص اُس جگہ تندرست لوگ بھی حکم میں مریض بمرضِ الموت کے ہونگے یعنی اُن کے تصرفات مالیہ مثل تصرفات حالت مرض موت کے ہونگے جس کی تفصیل فقہ میں ہی۔ مگر جن محلوں اور گھروں میں ابھی نہیں آیا وہاں یہ حکم نہوگا۔ کذا فی الدر المختار ورد المحتار باب المریض۔ **ف**۔ یہاں سے تنبّہ حاصل کرنا چاہئے یوں تو ہر وقت انسان کو موت کا تہیہ اور ضروری حقوق کی یادداشت بطور وصیت کے لکھکر رکھنا یا معتمد ثقات[2] سے زبانی اطلاع کر دینا ضروری ہے مگر ایسے زمانے میں جب صحیح بھی بعض احکامِ شرعیہ میں مثل مریض کے ہوں اِن اُمور کا زیادہ اہتمام کرنا چاہئے

[2] معتبر مسلمان ۱۲

[1] یہ رسالہ اور رسالۂ علاج القحط والوباء مذکورہ نمبر ۱۶ دفتر القاسم سے مل سکیگا ۱۲ منہ مدظلہ۔

اور نیز ایسے وقت میں حتیٰ الامکان قرض سے سبکدوش رہنا بہتر ہے۔ اسی طرح دوسرے حقوق سے بھی خصوص حقوق العباد سے۔

(۲۳) اکثر جگہ چوہوں کے پکڑنے اور مارنے پر انعام مقرر ہے۔ سو بظاہر اس میں شبہہ ہوتا ہے کہ موش ہوام میں سے ہی اور ہوام کی بیع کو فقہا نے ناجائز لکھا ہی لیکن اسکی یہ توجیہہ ہوسکتی ہی کہ یہ اس عمل کی اُجرت ہے بیع کا ثمن نہیں اسلئے جائز معلوم ہوتا ہے۔

(۲۴) بعض موقعوں پر دو موتیں ایک وم سے ہو جاتی ہیں یا کسیقدر تعاقب کے ساتھ ہوتی ہیں مگر تحقیق نہیں ہوتا کہ کون پہلے مرا کون پیچھے۔ تو اسمیں میراث کے متعلق یہ حکم ہی کہ ہر مُردے کی میراث اُسکے دُوسرے وُرثا کو تو ملیگی لیکن دُوسرا مُردہ اگر اُسکا وارث شرعی ہو تو اُسکو نہ ملیگی۔ مثلاً اگر زید باپ ہے اور عمرو بیٹا اور دونوں کے اولاد ذکور بھی موجود ہی اور ان دونوں کی موت اسیطرح ہوئی تو زید کا ترکہ اُسکی اولاد کو ملجائیگا۔ یہ نہوگا کہ عمرو کو بھی ملکر پھر اُسکے واسطے سے عمرو کی اولاد کو ملتا اور عمرو کا ترکہ اُسکی اولاد کو ملجائیگا یہ نہوگا کہ زید کا حصہ بھی نکلکر اُس کے واسطے سے زید کی اولاد کو ملتا[1]۔

(۲۵) حدیثوں میں جو طاعون کا عُصاۃ بنی اسرائیل پر یا کُفّار پر عذاب ہونا وارد ہے۔ اُس سے اسکے رحمت و موجب شہادت ہونے پر شُبہہ نکیا جائے کیونکہ ایک چیز ایک پر عذاب دوسرے پر رحمت ہوسکتی ہی۔ چنانچہ حدیث میں یہی تفصیل مصرّح ہی۔ لیکن اس سے مسلمان کو یہ گمان بھی نکرنا چاہیئے کہ یہ سزائے گُناہ نہیں ہی کیونکہ اول تو تنبیہ کیلئے سزا ہونا یہ بھی ایک قسم کی رحمت ہے۔ دوسرے یہ کہ عاصی کی حالت بہ اعتبار ایمان کے مومن کامل کے ساتھ ملحق ہی اور باعتبار عصیان کے کافر کے ساتھ (کیونکہ وہ بھی

[1] زیادہ وضاحت کیلئے مفید الوارثین میں میراث سے محروم کرنیوالی چیزوں کا بیان دیکھو ۱۲ محمد عفی عنہ۔

عاصی ہی گو معصیت بطور کلی شکک کے دونوں میں متفاوت ہی) اسلئے اسکے حق میں من وجہ یعنی باعتبار ایمان کے رحمت اور من وجہ یعنی بوجہ عصیان کے عذاب ہو سکتا ہی اور اسی وجہ سے کہ ایسے شخص کی حالت بین بین ہی عذاب قبر میں ایسے شخص کا ذکر منصوص نہیں مقائسہ کے اعتماد پر چھوڑ دیا گیا۔

(۲۶) بعضوں کو خبط ہوتا ہے کہ طاعون کے زمانہ میں کہا کرتے ہیں کہ اس سے تو ہیضہ ہی اچھا اور ہیضے میں کہتے ہیں کہ اس سے تو طاعون اچھا ہی۔ یہ نہایت بے ادبی اور گستاخی اور سوال بلا ہی جسکی حدیث میں ممانعت آئی ہی۔ اللہ تعالیٰ سے عافیت کا سوال کرنا چاہیئے۔ اور جب بلا آوے صبر بھی کرنا چاہیئے۔ حدیث میں یہی ارشاد ہی۔

(۲۷) بعض لوگوں کا شغل ہوتا ہی کہ دنیا بھر کی حکایات اخبار سے افواہ[1] رجال سے نقل کیا کرتے ہیں کہ فلاں جگہ ایسا طاعون ہے ہفتے میں اموات کا اوسط اسقدر ہے اول تو یہ فعل عبث ہونے کے سبب مذموم ہی۔ دوسرے ان حکایات کا اثر یہ ہے کہ سامعین گھبراتے ہیں۔ سو مسلمان کو متوحش کرنا خود معصیت ہے دوسرے شریعت میں صبر کا حکم ہے اور اس سے بے صبری پیدا ہوتی ہے تو گناہ کا سبب بننا خود گناہ ہی۔ یہ حرکت واجب الترک ہی۔ اپنے کام میں لگنا چاہیئے

(۲۸) بعضے زبان دراز طاعون کو سب وشتم کے الفاظ سے ذکر کرتے ہیں۔ میں نے ایک اخبار میں ملعون کا لفظ دیکھا۔ حدیث میں حضور صلعم کی ایک صحابیہ کو بخار کے برا کہنے سے ممانعت آئی ہی۔ علت اسکی اسکا مطہر ذنوب ہونا فرمایا ہی اور ایک حدیث میں ہوا کو برا کہنے سے منع فرمایا ہی اور علت اسکی انہا مامورۃ[2] ارشاد ہوئی ہے سو طاعون میں دونوں

[1] لوگوں کے منہ سے سنی سنائی ۱۲۔ [2] وہ خدا کے حکم کی پابند ہے ۱۲

علّتیں موجود ہیں۔ اس لئے اس کی نسبت ایسے الفاظ کہنا ممنوع ہے جیسے بعضے لوگ بیماری کو کمبخت کہدیتے ہیں۔

(۲۹) ایک بار طاعون میں یہ حکمت خیال میں آئی تھی کہ اسمیں اعانت ہے عبد کی اس صفت کی تحصیل میں کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ الخ چنانچہ طاعون کے زمانے میں موت پیشِ نظر رہتی ہے۔ کام سب کرتے ہیں مگر دل کسی کام میں نہیں لگتا۔ شریعت کا یہی مقصود ہے کہ دنیا سے دلچسپی نہ ہو گو کسب ہو۔ بعضے لوگ اس تعلیم کو سنکر اس کے حصول کو مستبعد اور خلافِ عادت ہونے کی بناء پر غیر ممکن اور اُس کے حکم کو تشدد سمجھتے ہیں مگر اللہ تعالےٰ مشاہدہ کرا دیتا ہے کہ دیکھو یہ کس طرح واقع ہو گیا بس اسطرح غیر حالتِ طاعون میں بھی رہو جبکہ بسہولت ممکن ہے۔ پس کسر استحضار و اہتمام کی ہی تو یہ فعل اختیاری ہی کرو۔

(۳۰) ایک بار یہ حکمت سمجھ میں آئی کہ پہلے جب زمانہ امن کا نہ تھا اکثرت سے مقاتلات ہوتے تھے اُن میں مظلوم لوگ ظالموں کے ہاتھ سے مشرّف بہ شہادت ہوتے تھے اب امن کا وقت ہے لوگ اس دولت سے محروم ہیں۔ حق تعالیٰ اسطرح گھر بیٹھے شہادت نصیب فرماتے ہیں تو ان دونوں حکمتوں پر نظر کرکے تو طاعون کے آنے کے وقت صبر کے ساتھ اُسکو نعمت سمجھکر شکر بھی کرنا چاہیئے اور اس سے رحمت ہونے کے معنی اور بھی واضح ہو جائینگے اور فرار کی مذمت اور بھی سمجھ میں آجائیگی کہ تربیت و شہادت سے بھاگنا دریغ ہے۔

(۳۱) فرار کی ممانعت کی ایک حکمت زاد المعاد میں یہ لکھی ہے کہ وبا کے زمانے میں اطبّاء نے حتّی الامکان ریاضت و حمام کو منع کیا ہے۔ اور سکون و استراحت

وتسکینِ ہیجانِ اخلاط کو واجب کہا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ فرار اور سفر میں حرکتِ شدیدہ مزعجہ ہوتی ہے۔ اِس لیے طبی قاعدے سے بھی فرار مُضر ہے۔ وھذا یعم خروج البعض وخروج الکل بخلافِ بعض الحکم حیث یختص بخروج البعض ولا تزاحم فی الحکم والغایات۔

(۳۲) حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا عدوی کی نفی فرمانا علاوہ تحقیق مسئلہ طبعیات کے مشتمل تعلیم مسئلۂ تمدن کو بھی ہے کہ مدار اِسکا اجتماع و تعاون وہمدردی ہے اور فرار میں اِس کا خون کرنا ہے کیونکہ عادۃً سب کا خروج مستحیل ہے بعد فارین[ف] بالفاء کے قارین[ق] بالقاف کا کیا حال ہوگا جسمی اور نفسی مصالح کا۔

(۳۳) حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جو اِسکو رحمت فرمایا ہے۔ اسکا مشاہدہ طاعونی مُردے کی حالت قریب موت کے دیکھنے سے ہو سکتا ہے۔ بشرطیکہ کسی قدر صلاحیت و دینداری بھی ہو کہ اُس کے اقوال و افعال و احوال سے سراسر اشتیاق موت کا اور استقلال اور اہتمامِ استغفار و ذکر نظر آتا ہے۔

(۳۴) ایسے زمانے میں عوام پر اکثر اوہام کا جو غلبہ ہوتا ہے تو اکثر خواب وخیالات پریشان نظر آیا کرتے ہیں اِسلئے ایسے لوگوں کے خواب قابلِ اعتبار نہونگے اور افواہ بھی بہت مشہور ہوتی ہیں۔ مثلاً کالے کالے آدمی ملے تھے۔ اُن کے ہاتھ میں چھریاں تھیں ونحو ذٰلک۔ البتہ اگر کسی صالح کو یقظہ[بیداری ۱۲] میں یا مناموں[خواب ۱۲] میں کوئی امر منکشف ہوجائے تعجب نہیں۔ خود حدیث میں ہے حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ژولیدہ حال عورت مدینے سے نکلتی ہوئی دیکھی آپنے فرمایا کہ مدینہ

[ف] بھاگنے والے۔ [ق] ٹھہرنے والے ۱۲۔

کی وبا تھی۔ اور ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے فِتن کو برستے ہوئے دیکھا۔ اصل یہ ہے کہ اِن سب اعراض کی عالمِ مثال میں خاص خاص صورتیں ہوتی ہیں جنکو اہلِ حقیقت سمجھتے ہیں اِسلیئے نہ عوام کی تصدیق کرے نہ خواص کی تکذیب۔

(۳۵) مجکو ایک بزرگ عالم اہلِ دل کی اپنے ایک مخصوص مُنتسب کو وصیت پسند آئی جبکہ اُنھوں نے ایک طاعونی مُردے کی بیوہ سے نکاح کرنا چاہا۔ اُنھوں نے یہ فرمایا کہ جب تک یہ بیماری پھیل رہی ہے اِسکو ملتوی رکھو کہ اسمیں نفس کا ایک گونہ سرور ہے کہ فلاں مرگیا تو ہمکو یہ حظ مِلا۔ اور وقت ہے عبرت کا۔ کیا خبر اِس بیماری سے تم بچ ہی جاؤگے۔ تو ایسی حالت میں عبرت میں مشغول ہونا بہتر ہے حظوظ میں پڑنے سے۔ یہ حکم بطور فتوے کے نہیں مسلمان کے ساتھ جو محبت ہونا چاہیئے۔ اُسکا ایک اثر اور تقویت ہے عبرت کی۔ سو اگر کوئی اہل دل اِسکی رعایت رکھے تو اخلاق کی تکمیل ہے۔ اور میرے نزدیک اَطِبّاء کا ایسے وقت میں غُربا سے فیس لینا بھی قسوت سے خالی نہیں
سنگدلی ۱۲

(۳۶) بعض مدارس میں تعطیل کردی جاتی ہے کہ جسکا جی چاہے چلا جاوے۔ میرے نزدیک یہ اعانت ہے فرار پر اور تسبُّب ہے اُسکا۔ اِسلئے مناسب نہیں ویسے جو جاویگا اُسکی طرف منسوب ہوگا۔ البتہ اگر توحُّش کے غلبہ سے پڑھنے میں جی نہ لگے تو یہ عذر تعطیل کا ہوسکتا ہے۔

(۳۷) ردّ المحتار باب صلوٰۃ الجنازہ وباب الشہید میں نقل کیا ہے کہ جو شخص طاعون میں مرجاوے یا زمانۂ طاعون میں اور کسی بیماری میں مرجاوے اُس سے قبر میں سوال نہیں ہوتا۔

(۳۸) نیز ردالمحتار باب الشہید میں نقل کیا ہے کہ جو شخص معصیت کی حالت میں اسباب شہادت میں سے کسی سبب سے مرجاوے وہ شہید ہے اور جو ایسے سبب سے مرجاوے کہ وہ خود معصیت ہو تو شہید نہو گا۔ مثلاً طاعون سے کوئی عاصی مرگیا تو وہ شہید ہے لیکن اگر وہ طاعون خود اُسکے اسباب کو قصداً جمع کرنے سے لگا۔ یا مثلاً اسی قصد سے ایسے مقام پر گیا۔ طاعونی کے کپڑے اسی قصد سے پہنے اور مرگیا تو شہید نہو گا۔

(۳۹) بعض لوگ مُردے کو رکھکر قبر میں چونہ بھر کر اُسپر پانی چھڑک دیتے ہیں تاکہ مُردہ جل جاوے یہ فعل حرام ہے۔

(۴۰) شیخ عبدالحق رح نے لمعات میں فرمایا ہے کہ جیسے طاعون سے فرار نا جائز ہے اسی طرح ہر وبائے عام میں یہی حکم ہے۔

کتبہ اشرف علی۔ ۸ محرم الحرام ۱۳۲۹ہجری

مفید الوارثین

شرح میراث المسلمین

میراث المسلمین کو جس شخص نے دیکھا نہایت پسند کیا اور بڑے بڑے علمائے اُسکے مضامین کی تصدیق اور تعریف فرمائی لیکن اکثر حضرات نے فرمایا کہ مضمون کسی قدر بڑہا دیئے جائیں تو نہایت مناسب ہو اس لیے مؤلف صاحب نے نہایت محنت وسعی سے ایک نہایت مفصل اور طویل عام فہم مستقل رسالہ علم فرائض میں تصنیف فرمایا۔ میراث المسلمین کے تمام مضامین کو کامل تشریح اور وضاحت سے لکھدینے کے علاوہ علم فرائض کے فضائل اُس کی حقیقت اسلام سے میراث تقسیم ہونیکا دستور۔ میراث کی ابتدا اُس کے احکام نازل ہونے کے قصے۔ تجہیز وتکفین کا بیان۔ مریض کے اقرار اور وصیت وقرض وطلاق ومہر وغیرہ کا ایسا مفصل بیان جو کسی اُردو کتاب میں موجود نہیں۔ تمام وارثوں کے مفصل اور میراث جدات (یعنی نانی دادی) کی پوری تفصیل وتشریح مع عام فہم نقشوں اور فہرستوں کے بعض علمی فائدے مثلاً والدہ کا حصہ والد سے کم کیوں ہی۔ جابجا عام فہم مثالیں عصبات کی تفصیل اور نقشے ہر قسم کے وارثوں کا نقشہ مع دلیل شرعی ذوالارحام کے مختصر صاف اور عام فہم نقشے اور شجرے۔ شریک اور مستقل وارثوں کا بیان۔ حاجب محجوب مفقود۔ موجود۔ محروم وغیرہ کا مستقل بیان۔ ہر ایک وارث کے حالات کو تین تین دفعہ مختلف طریقوں سے سمجھا دیا ہی تاکہ بہت کم استعداد کے مسلمانوں کو بھی نفع پہنچے۔ چھ۶ نقشے نہایت محنت سے مرتب کرکے لگائے ہیں۔ معمولی استعداد کا شخص اس کے مطالعہ سے ہزارہا مسائل تبلانے پر قادر ہوجاتا ہی۔ طالب علمان عربی کے لیے بھی یہ کتاب بہت مفید ہی تمام قواعد اور مسائلے نکالنے کا طریقہ اس سے بسہولت معلوم ہوسکتا ہی

اس کتاب کے چھ حصّے ہیں اور کُل حصے ایک جگہ ۲۳۲ صفحے پر عمدہ کاغذ پر طبع کیے گئے ہیں قیمت فی جلد ایک روپیہ۔ مجلد ایک روپیہ چار آنہ نہایت عمدہ جلد ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

حضرت مولانا اشرفعلی صاحب مدظلہم کی جملہ تصانیف یہاں سے مل سکتی ہیں اور مندرجہ ذیل تین ۳ رسلے اطمینان قلبی اور دیدار الٰہی کا شوق دلانے اور اعمال وافعال کی اصلاح کے لیے بے حد مفید ہیں۔

یاد یاراں۔ قیمت ڈیڑہ آنہ۔ **شوق وطن**۔ قیمت ڈہائی آنہ۔ **علاج القحط والوبا** قیمت ۲

جملہ خط کتابت وترسیل زرخاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوگا اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲۔ کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان کا پرچہ اس مقدار سے بدرجہا زیادہ ہے

۳۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپئے آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اُسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے

۴۔ جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالے کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۵۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کیخدمت میں پہلا پرچہ وی پی بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے ۲ دو روپیہ نو آنے کا وی پی روانہ ہوگا۔

۶۔ جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نفرمائیں گے یا وی پی کی اجازت ندینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

۷۔ جو صاحب دو چار ماہ کے بعد خریدار ہوں گے اُن کی خدمت میں بھی شعبان ۱۳۲۸ھ سے کل پرچے بھیجکر اُن کو ابتدا ہی سے خریدار سمجھا جائیگا البتہ جو حضرات خاص طور سے تصریح و تاکید فرما دینگے اُن کو گذشتہ پرچے لینے پر مجبور نہ کیا جائیگا۔

۸۔ نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کیے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کیے جائینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۹۔ جملہ خط کتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر "رسالہ القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۲

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۲ | بابت ماہ صفر المظفر سنہ ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڑھ میں مولوی رشید احمد انصاری مالک مطبع نے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ صفر ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب امروہی و مولانا اشرفعلی صاحب

اور

دیگر مقدسین و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ

(سلسلہ کے لیے القاسم ماہ ذیقعدہ ملاحظہ ہو)

الحاصل خلیفہ مذکور کے لیے علم اور علم کا بھی کامل ہونا ضروری ہی بدون اس کمال کے کہ جسکو اصل الکمالات کہنا چاہیے کار خلافت پورا تو کیا ادھورا بھی نہیں ہو سکتا۔ مگر ظاہر ہی کہ صرف کمال علمی سے خدمت خلافت کیونکر انجام پذیر ہو سکتی ہی۔ علم کے ساتھ ایسی قدرت و قوت کی بھی ضرورت ہی جسکے ذریعہ سے امور ضروریہ متعلقہ خلافت کے خود بھی تعمیل کر سکے اور دوسروں سے بھی تعمیل کرا سکے۔ بدون ان دونوں کمالوں کے کار خلافت انجام دینا ممکن نہیں۔

دیکھیے اگر علم بھی نہو تو پھر تو کرنا تو درکنار کرنے کا ارادہ بھی نہیں کر سکتا اور اگر صرف علم ہو اور قدرت نہ ہو تو ہرچند عمل کا ارادہ تو کر سکتا ہی مگر عمل کیونکر کر سکتا ہی۔

خلاصہ یہ نکلا کہ قوت علمیہ اور قوت عملیہ کے بدون کار خلافت کی انجام دہی ممکن نہیں۔

اس لیے بمقتضای رحمت و حکمت اور حسب ارشاد اعطی کل شئ خلقہ ثم ھدی اور نیز باعث اشرفیت و افضلیت انسان ضرور ہوا کہ انسان ضعیف البنیان کو کمال علمی میں

سب سے فائق و برتر بنا کر اسقدر قدرت عطا فرمائی جاے کہ کار خلافت کو بسہولت انجام دیسکے اور سلسلۂ ہدایت کو عالم میں پھیلاسکے اور انتظام عالم کو پورا کرسکے جو کہ اسکی آفرینش سے مقصود ہی۔

اب ان ہر دو کمال کے بعد بظاہر کار خلافت کی انجام دہی میں کوئی حالت منتظرہ معلوم نہیں ہوتی کیونکہ علم سمجھنے کے لیے اور قدرت عمل کے لیے کافی ہیں اور واقع میں بھی یہی بات ہے۔ مگر غور سے کام لیجیے تو علم و قدرت کے بیچ میں ایک چیز کہ جسکو اقتضای نفس و فطرت یا رغبت و نفرت طبعی سے تعبیر کیجیے ایسی حائل و حاجب ہی کہ باوجود علم یقینی قدرت کو بسا اوقات علم کے موافق کام کرنے سے روک دیتی ہی بلکہ یہی اقتضای نفسانی علم یقینی کے بالکل خلاف قدرت سے کام لے لیتا ہی۔

چور۔ رہزن۔ باغی۔ قاتل وغیرہ جملہ بدمعاشوں کو دیکھ لیجیے کہ بسا اوقات اُن کو اس بات کا علم اور ظن غالب ہوتا ہی کہ اس کام کا انجام جیلخانہ۔ عبور دریای شور۔ جلا وطنی۔ پھانسی اور طرح طرح کی مصیبت اور روسیاہی و ذلت ہی مگر وہی مقتضای نفسانی و طبعی انکے علم کو بالکل معطل و بیکار بنا کر اُن کی قوت و قدرت سے بڑے بڑے سنگین کام لے لیتا ہی اور علم و قدرت طبیعت کے سامنے مغلوب و مجبور ہو کر اسکے ساتھ ہو لیتی ہیں۔

ہم کو احکام خداوندی پر ایمان و یقین ضرور ہی حساب کتاب ثواب عقاب سب چیزوں کو دل سے مانے ہوئے ہیں مگر طبیعت کی وہی بیہودہ رغبت و نفرت اکثر اوقات ہم کو احکم الحاکمین کے اوامر کی تعمیل سے مانع اور اُسکے نواہی پر مستعد اور دلیر بنا دیتی ہی اور ہم ہیں کہ اپنے علم و قدرت سب کو بالای طاق رکھکر اقتضای طبیعت کے سامنے سر تسلیم خم کر لیتے ہیں نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا۔

اور اصل وجہ اس کی یہ ہی کہ خالق کائنات اور حکیم علی الاطلاق نے اپنی قدرت قاہرہ

اور حکمت باہرہ سے انسان کے اندر قوۃ ملکیہ اور قوۃ بہیمیہ دونوں رکھدی ہیں اور ان دونوں متضاد قوتوں میں برابر باہمی تخالف اور تزاحم رہتا ہی انسان کو اول قوۃ خیر کی طرف کھینچتی ہی تو دوسری قوۃ طرح طرح کی خرابیوں اور فسادات میں مبتلا ہونے پر اسکو مجبور کرتی ہی اسی وجہ سے کوئی اعلی علیین تک پہنچ جاتا ہی تو کوئی اسفل السافلین میں جا پڑتا ہی۔ اہل عقل و انصاف کو اس سے زاید بیان کی حاجت نہیں معلوم ہوتی۔

سو جب انسان پابند ہوا و ہوس کا یہ حال ہی کہ رغبت و نفرت طبعی کے مقابلہ میں علم و قدرت جیسے کمالات کو خاک میں ملا دیتا ہی اور جس علم و قدرت کی اعانت و مدد سے اُس رغبت مذمومہ اور نفرت قبیحہ سے اپنا بچاؤ کر سکتا تھا اسی علم و قدرت کو اُس رغبت و نفرت کی تحصیل میں صرف کرنے سے اصلا باک نہیں کرتا تو اسلیے احکم الحاکمین ارحم الراحمین نے جہاں اپنے خزانہ خاص سے اور کمالات انسان کو عطا فرمائے تھے ان کمالات کی اعانت اور تکمیل اور تقویۃ کے لیے محض اپنے فضل سے انسان کی اصلی خلقت اور فطرت اور طبیعت میں ایک ملکہ اور ایک خاص صفت ایسی بھی رکھدی جو انسان کو اپنے مالک کی محبت و اطاعت اور عدل و ہدایت اور راستبازی و حق پسندی اور جملہ امور خیر کی طرف رغبت دلائے اور بُری خصلتوں اور بُرے کاموں سے اسکو نفرت دلانے میں سعی کرے۔

سو اسی ملکہ اور اسی قوت کا نام حقیقت میں امانت ہی اور یہی فطرت اسلامی ہی جو کل مولود یولد علی الفطرۃ فابواہ یھوّدانہ او ینصّرانہ او یمجّسانہ الخ اور متعدد آیات و احادیث میں مذکور ہی۔

سو اب یہ دونوں کمال یعنی علم اور امانت ہر انسان کے لیے خاص اور تمام افراد انسانی کے لیے ایسی طرح عام ہیں کہ جس سے کوئی فرد انسان خالی نہیں ہو سکتی۔

صانع رحیم و حکیم نے حسب بیان سابق ہر چیز کو جیسا اسکے مناسب حالات و صفات مختلفہ عطا فرمائیں اسی طرح پر انسان اشرف المخلوقات کو جہاں اور کمالات لائقہ اور فائقہ دیے گئے تھے وہیں لیاقت علم و امانت خصوصیت کے ساتھ ذات انسانی کو لازم کر دیے گئے تاکہ اپنا فرض منصبی یعنی کار خلافت بخوبی انجام دیسکے اور حسب متابعت ہدایات خداوندی اور مطابقت احکامات ایزدی تمام مفاسد اور نقصانات و مظالم کا دفعیہ کرکے جملہ عالم کی اصلاح اور درستی میں کوشش کر سکے۔

لیکن یہ بات بھی سب جانتے ہیں کہ زراعت میں گو اصل الاصول تو یہی ہے کہ دانہ کو زمین کے اندر رکھدیا جائے مگر اسی کے ساتھ یہ بات بھی ضروری ہے کہ جن چیزوں کو نشو و نما میں دخل ہے جیسے پانی ہوا وغیرہ وہ چیزیں دانہ کو پہنچائی جائیں اور جو چیزیں نشو و نما کو مضر ہوں اُن سب کے اثر سے دانہ مذکور کو بچایا جائے۔ مثلاً پانی کی کثرت یا برف باری کی شدت۔

دیکھیے اگر زمین شور میں دانہ بُو دیں یا کھیت کو بو کر حوض کی طرح اسکو پانی سے بھر دیں یا ہزاروں من مٹی دانہ پر ڈالدیں یا تیز آگ پھیلا دیں تو پھر تو زراعت کیسی خود تخم ہی گل سڑ کر پیوند زمین ہو جائیگا یا جل بھن کر رہجائیگا۔

اب اسی طرح پر خیال فرمایئے کہ حسب بیان سابق یہ تو ضروری ہے کہ حق تعالی شانہ نے ہر ایک آدمی کے اندر جوہر علم اور جوہر امانت دونوں جوہر پیدا فرما دیے ہیں مگر صرف اتنی ہی بات سے ہم عالم بنجائیں اور صاحب امانت کہلائیں ایسا خیال کرنا خود اس بات پر دال ہے کہ ابھی عالم ہونے میں بہت دیر ہے۔

بلکہ جیسا دانہ کی نشو و نما اور پھولنے پھلنے کے لیے اسکی مؤیدات کا پہنچانا اور مضرات سے اسکو بچانا ضروری ہے ایسے ہی بلکہ علم و امانت کے مثمر و منتج و مفید و کارآمد ہونے میں اسکی ضروریات

کہ علم و امانت کے مویدات اور متممات و مکملات کے حصول میں کوشش کیجائے اور جملہ مضرات و مفسدات سے احتراز و اجتناب رکھا جائے۔

ورنہ مثل دانۂ مذکورہ قوت علم اور قوت امانت سے فائدہ تو درکنار خود علم و امانت ہی خراب و فاسد ہوکر نقصان دہ اور مضرت بخش ہو جائینگے۔

جب یہ بات ضروری ٹھہری کہ کوئی فرد انسانی صفت علم و صفت امانت سے خالی نہیں ہوسکتی اگر خالی ہوسکی تو ضرور ہی کہ مثل دیگر مخلوقات غیر مکلف ہوگی حالانکہ تمام افراد انسانی کا مکلف و مخاطب احکام الٰہی ہونا ضروری امر ہی۔

اور اسی کے ساتھ یہ امر بھی قرار پاچکا کہ جو صفت علم اور استعداد امانت کہ خالق کائنات نے آدمی میں ایسی طرح رکھدی ہی جیسے قوت بصارت و سماعت و رفتار و گفتار وغیرہ اسی صفت علم و امانت کا بذریعۂ مویدات و اسباب ظاہری بڑہانا اور انکے مضرات و مفسدات سے پرہیز کرنا ہر انسان کے ذمہ لازم اور ضروری ہی ورنہ بدون اس تائید و تقویت کے ان کمالات کے وسیلہ سے ہم نفع نہیں اٹھا سکتے

اور جو ایسا نہ کریگا وہ اپنے مقصود اصلی یعنی اطاعت خداوندی اور اپنے کار منصبی یعنی انجام دہی خدمت خلافت سے محروم رہکر اولئک کالانعام بل ہم اضل اولئک ہم الغافلون کا پورا مظہر اور ارشاد لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ثم رددناہ اسفل سافلین کا ایک کامل مظہر بنجائے گا (ربنا لاتزغ قلوبنا بعد اذ ھدیتنا)

الحاصل اس مضمون کو خوب دلنشیں کرلینا چاہیے کہ حق جل و علی شانہ نے اپنی قدرت و حکمت اور رحمت سے بیشک انسان کو عجیب عجیب ملکات اور کمالات کا مخزن و مظہر بنایا مگر ان کمالات کے لیے استعداد اصلی اور استعداد کسبی دو درجے مقرر فرما دیئے۔

استعداد اصلی انسان کی حد قدرت و اختیار سے بالکل وبرا اور باہر ہی اور اسمیں کمی بیشی کی بھی گنجایش نہیں

لیکن استعداد کسبی میں انسان کے کسب و اختیار کو پورا دخل ہی اور ہمارے کسب و اختیار ہی پر اس کی ترقی و تنزل موقوف ہی۔ دور جانے کی ضرورت نہیں۔ حواس ظاہرہ ہی کو دیکھ لیجیے کہ بصارت وسماعت وغیرہ کی استعداد اصلی اور قوت جو ہم میں اول سے موجود ہی کسی میں قوی اور کسی میں ضعیف اس میں تو ہمارے اختیار کو کچھ بھی دخل نہیں بلکہ اندھا مادرزاد جیسا اپنے اختیار سے اندھا نہیں ہو گیا بعینہ ایسے ہی آنکھوں والا اپنے اختیار سے بصیر نہیں ہوا۔

البتہ ان قویٰ سے جو الوان و اشکال مختلفہ اور اصوات متبائنہ اور ملموسات متفاوتہ اور مشمومات متمیزہ کو ادراک کرتی ہیں اُس میں ہمارے قصد و اختیار کو بیشک دخل ہی۔

اور مدرکات مذکورہ کی مشق و مہارت کے بعد ہم اتنی ترقی کر لیتے ہیں کہ اُن مدرکات کے ایسے باریک و دقیق فرقوں کو محسوس کرنے لگتے ہیں۔ کہ دوسرا آدمی جسنے یہ مشق و ترقی نہ کی ہو اُس فرق کے دریافت کرنیسے ایسا عاجز ہوتا ہی کہ بسا اوقات تبلانے کے بعد بھی دریافت نہیں کر سکتا۔ گو اصلی استعداد میں وہ ہم سے بڑھا ہوا ہی کیوں نہ ہو۔

دیکھیے اگر کسی شخص کی قوت شامہ اصل سے بہت قوی ہو مگر اسکو عطریات کے تجربے اور استعمال کی نوبت نہ آئی ہو تو وہ شخص عطریات کے باریک فرق تو درکنار موٹے موٹے فرق کے احساس سے بھی بے خبر ہوتا ہی اور دوسرا شخص کہ جس کی قوت شامہ پہلے کی برابر یا اس سے کچھ کم ہی کیوں نہ ہو مگر عطریات کا تجربہ اور مہارت تامہ رکھتا ہو تو وہ بے تکلف ایسے ایسے باریک فرق تبلا دیتا ہے کہ ناواقفوں کو سُنکر بھی تعجب ہوتا ہی۔

تو اب یہ بات ظاہر ہو گئی کہ علم و امانت کی استعداد اصلی جو حکیم علی الاطلاق نے ہر ایک انسان میں رکھدی ہی کسی میں قوی اور کسی میں ضعیف اس سے تو کوئی شخص خالی اور بے بہرہ نہیں ہو سکتا اور وہ استعداد ہر ایک میں بالفعل موجود ہی آدمی کے کسب و قصد کو اس میں اصلا دخل نہیں۔

آیۂ کریمہ انا عرضنا الامانۃ الخ اور حدیث شریف کل مولود یولد علی الفطرۃ الخ جنکا ذکر آچکا ہی ان میں امانۃ و فطرۃ سے سب جانتے ہیں کہ ان کی استعداد اصلی ہی تو مراد ہی بلکہ اس بارے میں ہمارے مدعای سابق کے لیے دلیل قطعی ہیں۔

ایسے ہی بعض آیات و احادیث میں استعداد کسبی مراد ہی جسکو جاننے والے بالبداہتہ جانتے ہیں۔

بالجملہ علم و امانت کی استعداد کسبی کو سمجھ لینے کے بعد اب انشاء اللہ ہر ایک صاحب فہم بے تکلف سمجھ سکتا ہی کہ جیسا آیۂ وعلّم ادم الاسماء کلھا الخ میں علم کی استعداد اصلی کی طرف اور آیۂ قل ھل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون میں علم کی استعداد کسبی کی طرف اشارہ ہی۔ بعینہ اسی طرح پر آیۂ انا عرضنا الامانۃ علی السموات والارض والجبال الخ مرقومۂ بالا میں تو امانت کی استعداد اصلی کی جانب اور حدیث شریف مندرجۂ عنوان لا ایمان لمن لا امانۃ لہ میں امانت کی استعداد کسبی کی جانب ایما ہی۔

کیونکہ ابھی گزر چکا ہی کہ علم و امانت کی استعداد اصلی سے تو کوئی فرد بشر خالی ہی نہیں اور نہ اسکے ہم مکلف ہیں سب کو معلوم ہی کہ تکلیف اُن امور کے ساتھ مخصوص ہی کہ جو بندہ کے اختیار میں ہوں اور استعداد اصلی میں بندہ مجبور محض ہی۔

تو اب یہ مضمون خوب ہی واضح ہو گیا کہ علم کی استعداد اصلی کے لحاظ سے تو ارشادِ لا یعلمون مندرجہ آیت مذکورۂ بالا کا مصداق قیامت تک نہیں مل سکتا۔

اور علی ہٰذا القیاس امانت کی استعداد اصلی کے لحاظ سے فرمان لا امانۃ لہ مندرجہ حدیث کا مصداق بھی نوع انسانی میں ہاتھ نہیں آسکتا۔

ہاں علم اور امانت کی استعداد کسبی کے اعتبار سے اور وہ بھی زمانۂ موجودہ میں ارشاد لا یعلمون اور لا امانۃ لہ کی افراد اول نظر میں اتنی نظر آئینگی کہ ارشاد یعلمون کے مصداق اور

متصفین بالامانۃ کی افراد سعی اور تلاش کے بعد ہزاروں میں ایک کے ملنے کی بھی وہی توقع کرسکتا ہی کہ جسکو علم وامانت کی اتنی بھی خبر نہو کہ کس چیز کا نام ہی۔ شعر

گوی توفیق وکرامت درمیاں افگندہ اند — کس بمیدان درنمی آید سواران را چہ شد

حافظ اسرار الٰہی کس نمی داند خموش — از کہ می پرسی کہ دور روزگاران را چہ شد

ان جملہ مضامین کے ضبط کرلینے کے بعد انشاء اللہ بخوبی یہ بات سمجھ میں آسکتی ہی کہ نعمت ایمان حاصل ہونیکے لیے بیشک ہم کو اس بات کی ضرورت ہی کہ ہر دو کمال خداداد یعنی علم اور امانت کی استعداد اصلی جو رحیم وحکیم نے زبردستی محض اپنے لطف وکرم سے مثل قوۃ باصرہ اور قوۃ سامعہ وغیرہ ہماری ذات میں پیدا فرمادی ہیں اُنکے وسیلہ سے اب ہم علم اور امانت کی استعداد کسبی حاصل کرنے میں جد وجہد سے کام لیں۔

اور تاوقتیکہ ہم ایسا نہ کرینگے ہرگز ہرگز اس ذمہ داری سے سبکدوش نہو سکینگے جسکو تمام مخلوقات سے آگے بڑھکر ہم نے اپنے ذمہ لیا تھا۔

اور آیۃ مذکورہ سابقہ میں جو لیعذب اللہ الخ اور یتوب اللہ دو صورتیں مذکور ہیں اُن میں سے اول صورت میں رستگاری اور دوسری صورت میں شراکت کا کوئی طریقہ بجز اسکے نہیں کہ علم وامانت کی استعداد کسبی مذکورہ بالا کی تحصیل وتکمیل اور اسکی تعمیل میں پوری چستی اور مستعدی کیجائے۔

کوئی شخص فرض کرلیجیے کہ تمام فنون کا ماہر بلکہ موجد اور عاقل و ہفت اقلیم کا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو مگر علم وامانت مذکورہ بالا کی استعداد کسبی سے اگر بالکل بے خبر اور بے بہرہ ہی تو وہ اپنے مقصود اصلی اور کار منصبی سے اتنا دور پڑا ہوا ہی کہ جسکا تدارک وہ کسی طرح نہیں کرسکتا اور ارشاد مذکورہ عنوان لا ایمان لمن لا امانۃ لہ کا پورا مصداق ہی واللہ یؤید بنصرہ من یشاء۔

ہماری معروضات سے خوب واضح ہوگیا کہ ایمان جو کہ ہر فرد انسان کے حق میں تمام ضروریات سے ضرور تر اور تمام کمالات انسانیہ کی جڑ ہی اور اسکے بدون انسان بالکل ایسا ہی جیسا کوئی گھوڑا قوی ہیکل

خوب صورت تیز رفتار ہو کر ایسا سرکش ہو جائے کہ کسی طرح سواری ندے بلکہ دیوانہ کُتے اور بھیڑے کی طرح مردم دری کرنے لگے۔

اس جوہر ایمان کا حصول دو چیزوں پر موقوف ہی اول احکام الٰہی یعنی وحی جسکو حسب معروضۂ سابق ایمان کے لیے بمنزلہ علت فاعلہ کہنا چاہیے۔

دوسری صفت امانت جسکو ایمان کے حق میں بمنزلۂ علت قابلہ سمجھنا چاہیے۔ تاوقتیکہ یہ دونوں کمال نصیب نہونگے حصول ایمان ایسا ہی محال ہوگا جیسے بغیر تخم ریزی یا بدون زمین قابل زراعت کوئی نادان حصول زراعت کی توقع کرے۔

جس سے ارشاد لا ایمان لمن لا امانۃ لہ مرقومۂ عنوان کی حقیقت اور حقیت میں کسی قسم کا خلجان نرہا اور جو مضمون ضروری ہم کو عرض کرنا تھا بحمد اللہ اس سے فراغت ہو چکی۔

مگر اسکے بعد بغرض توضیح وتنبیہ یہ بتلا دینا بھی مناسب ہے کہ صفت امانۃ کی صلاح اور اسمیں ترقی کرنیکی صورت کیا ہی اور صفت امانت یعنی کسی کی رغبت و نفرت پر معتبر یا غیر معتبر ہونیکا حکم لگانے کی سبیل کیا ہی۔

مطلب یہ ہی کہ حسب ارشادات سابقہ جب علم اور امانت پر ایمان کا دار و مدار ٹھہرا اور ان دونوں کمالوں کی تحصیل ہم پر ضروری ہوئی تو اب علم وحی اور احکام خداوندی کے حاصل کرنے کا طریقہ تو ہر کسی کو معلوم ہی کہ بذریعہ تعلیم وتعلم جیسے ہر ایک علم و فن کو ہم حاصل کر سکتے ہیں اسی طرح پر بذریعہ تعلیم وتعلم علم وحی کو بھی اگر کوئی حاصل کرنا چاہے تو بے تکلف اپنی لیاقت کے موافق حاصل کر سکتا ہی۔

لیکن صفت امانت جو ایک کیفیت قلبی ہی اسکو دل میں پیدا کرنے کی کیا صورت ہی اور اس میں کمال اور ترقی کیونکر حاصل ہو سکتی ہی۔

علاوہ ازیں جب یہ امر مسلم ہی کہ مضمون امانت اور اس کی استعداد اصلی ہر ایک فرد انسانی میں موجود ہی اور ادہر یہ بھی ہر کوئی جانتا ہی کہ ہر ایک طبیعت کے ساتھ اُس کی مقتضیات مختلفہ یعنی کسی امر کا شوق و رغبت اور

کسی امر سے اجتناب و نفرت بھی ضروری لگی ہوئی ہیں اور پھر وہ مقتضیات باہم از حد مختلف ہیں۔

دیکھیے ایک طبیعت شرک و بت پرستی اور خمر و خنزیر کی طرف اسقدر راغب ہی کہ ان اشیاء سے کسی حالت میں رک ہی نہیں سکتی اور انکے بدون اسکو چین ہی نہیں آسکتا۔

اور دوسری طبیعت اشیای مذکورہ سے اسقدر متنفر ہی کہ انکے نام سے وحشت ہوتی ہی اور کسی طرح ان چیزوں کو گوارا نہیں کرسکتی۔

علی ہذا القیاس جہانتک نظر جاتی ہی مرغوبات طبائع میں اسقدر تخالف اور تباین نظر آتا ہی کہ خدا کی پناہ جسکے روبرو آسمان و زمین کا فرق بھی کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ شعر

ویختلف الرزقان والشئ واحد الی ان یری احسان ھذا لذا ذنبا

تو اس حالت میں ہم کیونکر یقین کرسکتے ہیں کہ فلاں طبیعت کی رغبت معتبر اور فلاں طبیعت کی غیر معتبر ہی اور ہمارے پاس کونسا معیار ہی کہ جسکے ذریعہ سے ہم صفت امانت کی نسبت جو کہ بھلی بری کی شناخت کے لیے ہر ایک انسان کے اندر موجود ہی صحت و فساد کا حکم لگا سکیں۔

سوال امر اول کا جواب بقدر کفایت تو یہی ہی کہ امانت جیسے ایک کیفیت قلبی کا نام ہی ایسے ہی علم بھی تو ایک کیفیت قلبی ہی کا نام ہی۔

سب کو معلوم ہی کہ آنکھ۔ ناک۔ کان وغیرہ اعضای جسمانی کو تو علم ہوتا ہی نہیں علم تو صرف دل کے ساتھ مخصوص ہی۔ کسی نے سچ کہا ہی۔ شعر

از خواندن علم هرگز عالم نشوی شیریں نشود دہاں زنام شکر

تو پھر بذریعہ تعلیم و تعلم جو اعضای جسمانی زبان آنکھ کان کا کام ہی علم کو جو کہ امر قلبی ہی کیونکر ہم حاصل کرلیتے ہیں۔

بس اسی طرح اعضای جسمانی مذکورۂ بالا کے وسیلہ سے صفت امانت کو بھی ہم ضرور حاصل کرسکینگے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ کان سے کسی مضمون کا سننا یا آنکھ سے کسی کتاب کو دیکھنا یا زبان سے پڑھنا

ہرگز علم میں شمار نہیں ہوسکتا لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ جو تعلق خاص حکیم علی الاطلاق نے انسان کے حواس ظاہرہ اور اسکے قلب میں رکھدیا ہی اُس تعلق لطیف کی وجہ سے بذریعہ حواس انسان کو بالبداہتہ علم حاصل ہو جاتا ہے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ حواس کو ہرچند علم تو حاصل نہیں ہوتا مگر حصول علم کے لیے حواس ظاہرہ واسطہ بیشک ہوتے ہیں اور یہ امر ایسا بدیہی ہی کہ جس کی تسلیم میں کسی صاحب فہم کو خلجان نہیں ہوسکتا۔

بعینہ اسی طرح صفت امانت کو خیال فرمایئے کہ اسی تعلق لطیف کی وجہ سے جو کہ انسان کے قویٰ ظاہرہ اور قویٰ باطنہ میں موجود ہی اگر ہم چاہیں تو بلا تامل امور ظاہرہ کے ذریعہ سے کیفیت امانت کی تحصیل و تکمیل میں کوشش کر کے کامیابی حاصل کر سکتے ہیں۔

باقی رہا امر ثانی کہ کس کی رغبت طبعی اور میلان کو صحیح و معتبر سمجھیں اور کسپر غلط اور غیر معتبر ہونے کا حکم لگائیں۔

سو ہرچند اسکا جواب مختصر اور عقل کے مطابق صرف یہ ہی کہ جو طبیعت صحیح اور امراض مفسدۂ فطرت سے پاک ہوگی اسکا اعتبار ہوگا اور جس طبیعت کو امراض نے خراب اور فاسد کر کے اس کی مرغوبات کو کچھ کا کچھ کر دیا ہو اور امور حقہ واقعیہ سے متنفر اور غلط اور بیہودہ امور کی طرف راغب اور مائل بنا دیا ہو ایسی بیہودہ نکمی طبیعت کی رغبت و نفرت کا اعتبار وہی کر سکتا ہی کہ جسکی طبیعت اور عقل دونوں مسخ ہو چکی ہوں۔

معقولات اور محسوسات انسانی دونوں کو ملاحظہ فرمائیے کہ ہر ایک میں کسقدر اختلاف شدید موجود ہی۔ امور عقلیہ کے اختلافات کا تو ذکر بھی فضول ہی اور اُن سب کا شمار کرنا بھی ہماری قدرت کے احاطہ سے باہر ہے محسوسات کہ جنسے زیادہ کوئی چیز ظاہر اور بدیہی نظر نہیں آتی اُن کو ملاحظہ فرمائیے۔

ایک صحیح النظر کسی چیز کو ایک کہتا ہی تو احول اسی چیز کو دو دیکھ رہا ہی۔ ایک صحیح المزاج کو ایک کپڑا سفید نظر آتا ہی وہی کپڑا مریض یرقان کو صاف زرد نظر آرہا ہی۔ ایک شخص کو مصری شیریں اور لذیذ معلوم ہوتی ہی دوسرے کو غلبۂ صفرا میں ایلوہ سے کم محسوس نہیں ہوتی۔ ہم کو نیم کی پتی سخت تلخ معلوم ہو رہی ہیں

مار گزیدہ کو اُن میں قند و شکر کا مزہ آرہا ہی۔ عطر و گلاب کے سونگھنے سے ایک لطیف الدماغ کے گئے ہوئے ہوش لوٹ آتے ہیں۔ گندہ دماغ کے آئے ہوئے ہوش ان کی بو سے اُڑے جاتے ہیں جس لالٹین میں مختلف الالوان آئینے ہوں اُس میں شمع کسی کو سرخ کسی کو سبز کسی کو زرد محسوس ہوتی ہی۔ حتی کہ سب کو معلوم ہی کہ بسا اوقات شدت خوف کی حالت میں آدمی کو آنکھوں سے صاف طور پر وہ اشکال نظر آتی ہیں جنکا نام و نشان بھی نہیں ہوتا اور ایسی آوازیں مسموع ہوتی ہیں کہ جنکا کہیں وجود بھی نہیں پایا جاتا۔

مگر ان بدیہی اختلافات کے دفع کرنے میں کسی عاقل کو دشواری نہیں ہوتی بلکہ ہر کوئی یہ کہے گا کہ جمیع امثلہ مذکورہ میں اعتبار اسی کی بات کا ہوگا جسکا حاسہ صحیح ہو اور کسی امر عارضی اور مرض خارجی نے اسکے احساس کو خراب اور غلط نہ کر دیا ہو۔ گو ایسا شخص ایک ہی کیوں نہ ہو اور جس کے احساس میں کسی مرض کے باعث فتور موجود ہی اسکا ہرگز اعتبار نہوگا گو ایسے مریض ہزار دو ہزار یا اس سے بھی زیادہ کیوں نہ ہوں بلکہ خود وہ مریض بھی بشرطیکہ عقل کو جواب نہ دے بیٹھا ہو اپنے احساس کو غلط اور صحیح المزاج اور صحیح الادراک کے احساس کو درست اور واقع کے مطابق کہے گا۔

(انشاء اللہ باقی آیندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

نمبر ۶

اسی سال وفد عامر بھی حاضر خدمت ہوا۔ اس وفد میں عامر بن طفیل اور اربد بن قیس بھی تھے عامر سے اُن کی قوم نے کہا کہ قبائل عرب مسلمان ہو گئے تم بھی مسلمان ہو جاؤ۔ عامر نے کہا میں اس شخص کا اتباع نہ کرونگا۔ عامر کی غرض بھی اسوقت آنے سے یہ تھی کہ کسی قسم کی تدبیر اور دھوکہ سے آپ پر حملہ کرے۔ چنانچہ اربد سے کہا کہ میں اُن کو باتوں میں لگاؤنگا۔ تم پیچھے کھڑے ہو کر تلوار سے حملہ کرنا۔ ایسا ہی ہوا۔ عامر نے آپ کو باتوں میں مشغول کیا اور اسکا متوقع رہا کہ اربد حسب وعدہ تلوار چلائیگا۔ مگر اربد نے کچھ بھی نہ کیا۔ اثنار گفتگو میں عامر نے دہمکانے کے طور پر یہ بھی کہا کہ میں اسقدر پیادے اور سوار لیکر چڑھائی کرونگا کہ مدینہ کو بھر دونگا۔

خیال کرنے کی بات ہے کہ سنۃ الوفود جس میں تمام عرب کے قبائل خود بخود برضا ورغبت آکر مسلمان ہو گئے۔ ملوک حمیر وغیرہ نے خطوط کے ذریعہ سے اسلام اور اطاعت کا اظہار کر دیا جبکہ قبیلہ طے کے سردار اور بادشاہ عدی بن حاتم طائی مسلمان ہو گئے اور ملک عرب میں سواء شاذ ونادر اسلام کا کوئی مخالف باقی نہیں رہا۔ عامر بن طفیل دس آدمیوں کے ساتھ مدینہ میں آتا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح بے باکی اور جرأت سے گفتگو کرنے پر کفایت نہیں کرتا بلکہ دھمکی بھی دیتا ہی کیا یہ غایت حلم وکرم عفو و درگذر نہ تھا کہ آپ نے عامر کی گفتگو سُنکر اسکو کچھ بھی سخت جواب نہ دیا بلکہ فرمایا اَللّٰھُمَّ اکْفِنِیْ عَامِرًا (یعنی اے اللہ عامر کے شر سے محفوظ رکھ) عامر یہ گفتگو کر کے واپس ہوا تو اربد کو سرزنش کی کہ ایسا موقع ملنے پر بھی تو نے کچھ نہ کیا۔ آج سب قصہ طے ہی ہو جاتا۔ اربد نے جواب دیا کہ میں نے تو چند بار تلوار سے

حملہ کرنا چاہا مگر ہر دفعہ تو میرے سامنے آجاتا تھا کیا میں تجکو قتل کر دیتا۔

ایک عاقل منصف کو سمجھنے کا موقعہ ہے کہ جب آپ کو ہر چھوٹے بڑے معاملہ کی بذریعہ وحی اطلاع دیجاتی تھی تو یہ کیسے ہوسکتا ہی کہ عامر کے بدارادہ کی اطلاع نہ ہوتی مگر سبحان اللہ کیسی مرحمت تھی کہ حقانیت اسلام اور اپنے مرسل من اللہ ہونے کو ہر ہر پہلو سے ظاہر فرمادیا۔ آپ نے عامر اور اربد کو یہ موقع دیا کہ دل کی ہوس پوری کریں اور دیکھ لیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے سچے نبی کی کیسی تائید فرماتا ہے۔

اگر عامر اور اسکے رفقا کو جمال مبارک کو دیکھنے اور سچی اور موثر گفتگو کو سننے سے اثر نہوا تھا تو ایسی کھلی اور روشن دلیل صداقت کو دیکھنے کے بعد تو دل میں اسلام راسخ ہو جاتا۔ مگر افسوس شقاوت ازلی نے فہم وادراک وعقل وتمیز سب کو مسخ کر دیا تھا۔ وہ دولت ایمان سے مشرف نہوا اور آپ کی تیر بہدف دعا کا نشانہ بنکر رہا۔ عامر کو راستہ ہی میں موت آئی۔ اور کس بیکسی کے ساتھ کہ بے یارومددگار اہل وطن سے دور طاعون کی گلٹی نمودار ہوئی اور قبیلہ سلول کی ایک عورت کے گھر میں پڑکر جان دیدی۔ عامر جیسے متکبر اور بانخوت شخص کے لیے جسنے تمام عرب کے خلاف دربار رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی گردن نہ جھکائی تھی اور اپنی سرداری اور قوت کے گھمنڈ میں تہدید آمیز گفتگو کی تھی۔ یہ بہت ننگ وعار کی بات تھی کہ مسافرانہ حالت کے اندر ایک غریب عورت کے گھر مرنے کے لیے پڑا تھا۔ وہ نہایت حسرت کے ساتھ یہ کہتا ہوا مرگیا اَغُدَّۃٌ کغُدَّۃ البعیر وموتٌ فی بیت سلولیۃ (کیا میری قسمت میں یہ لکھا تھا کہ اونٹ کی طرح طاعونی غدود نکلے اور سلولی عورت کے گھر میں پڑکر مروں) اربد پر بھی راستہ ہی میں بجلی گری اور وہ بھی ہلاک ہوگیا۔

یہ وہ روشن واقعات ہیں جنسے ایک طرف اسلام کی کامل حقانیت کا ثبوت ملتا ہے اور دوسری جانب یہ ثابت ہوتا ہی کہ اشاعت اسلام کے لیے نرم سے نرم صورتیں اختیار کی گئیں اور انہیں

جائز اور واجبی تشدد کو بھی دخل دینے سے احتراز کیا گیا۔

فروہ بن عمرو جذامی روم کے نصرانی بادشاہ کی طرف سے عرب کے بعض قبائل پر عامل تھے سنۃ الوفود میں انھوں نے بھی ایک قاصد خدمت مبارک میں بھیج کر اپنے مسلمان ہونے کی اطلاع دی۔ روم کے بادشاہ کو اطلاع ہوئی تو اُس نے ان کو گرفتار کر کے قیدخانہ میں ڈال دیا اور اسکے بعد سولی پر چڑھا کر گردن ماردی۔ لیکن فروہ میں ایمان ایسا سرایت کر چکا تھا کہ اُنھوں نے جان کی کچھ پروا نہیں کی۔ خوشی سے راہ خدا میں جان دی اور یہ کہتے ہوئے قفس عنصری کو الوداع کہا

بلّغ سراۃ المسلمین باَننّی　　　سلمٌ لربی اعظمی و مقامی

مسلمانوں کے سرداروں کو پہنچا دو کہ　　　میری ہڈیاں اور میری جگہ سب پروردگار کے مطیع ہیں

خیال کرنے کی بات ہے کہ فروہ نہ خود حاضر خدمت مبارک ہوئے نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کسی کو بھیجا بلکہ غائبانہ مسلمان ہوئے اور مسلمان بھی کیسے پکے کہ جان تک قربان کردی اور یہ بھی خیال کرلینا چاہیے کہ نصاریٰ کی طرف سے ایک شخص کے ساتھ جو برغبت وشوق مسلمان ہوا تھا کیسا معاملہ کیا گیا۔

اسی سال قبیلۂ سعد بن بکر نے اپنی طرف سے ضمام بن ثعلبہ کو وفد بنا کر بھیجا۔ ضمام نے حاضر ہو کر اسلام کے احکام دریافت کیے اور مسلمان ہو گئے۔ ضمام اپنے قبیلہ میں واپس گئے تو سب لوگ گرداگرد جمع ہو کر پوچھنے لگے۔ ضمام نے سب سے پہلے گفتگو یہ کی کہ لات وعزیٰ بہت بُرے ہیں لوگوں نے کہا اُن کی بُرائی نہ کرو برص اور جذام میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ ضمام نے کہا تم پر افسوس ہے یہ دونوں تو نہ کسی کو نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ ضرر۔ اللہ نے اپنے رسول کو بھیجا اُن پر کتاب نازل فرمائی ہے اور اُنکے ذریعے سے تم کو اس خرافات سے نجات عطا فرمائی ہے۔ میں تو مسلمان ہو گیا ہوں۔ ضمام کی تقریر ایسی موثر اور دلنشین تھی کہ جو لوگ ابھی ابھی لات وعزیٰ کو نافع وضار سمجھتے اور اُنکی

گستاخی پر مبروص مجذوم اور مجنوں ہو جانے کی دھمکی دیتے تھے بصدق دل مسلمان ہو گئے۔ اور اُس بستی بھر میں ایک مرد و عورت بھی شرک کی حالت میں باقی نہ رہا۔

ضمام ابن ثعلبہ کو خدمت مبارک میں حاضر رہنے کا بہت تھوڑا سا وقت ملا تھا یعنی ایک دو یوم آپنے اُنکے ہمراہ کوئی فوجی دستہ نہیں بھیجا تھا جسکے خوف سے قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو جاتا۔ ضمامؓ کے اندر اس تھوڑے سے فیض صحبت سے وہ قوت جاذبہ پیدا ہو گئی جسنے تمام قبیلہ جنکے رگ و ریشہ میں مشرکانہ عقائد سمائے ہوئے تھے اپنی طرف کھینچ لیا۔ یہ تھی اسلام کی اصلی قوت اور کرامت جسکے طفیل سے اسلام پھیلا اور جسنے جسموں سے پہلے دلوں کو مسخر کیا۔ جسنے دلوں پر محبوبانہ قبضہ کیا نہ کہ قیدیوں کی طرح ہاتھ پیروں کو جبر کی زنجیروں میں باندھا اور دل متنفر و آبی[1] رہے۔ اور یہ تھا اسلام کا حقیقی جلوہ کہ جسکے اندر ایک ذرہ بھی سرایت کر گیا وہ دوسروں کو بھی اپنی قوت قلبی اور موثر بیان سے اپنی طرف کھینچ لیتا تھا۔

یہ ایسے لوگوں کا حال ہے جنکو بہت ہی قلیل مدت یعنی ساعت دو ساعت کا فیض صحبت یا دیدار جمال مبارک حاصل ہوا تھا۔ جن حضرات کی عمریں جاں نثاری میں گذریں۔ سفر و حضر میں ہمرکاب حضور اقدس رہے جنکو ایک گھڑی کی جدائی شاق تھی۔ اُنکے رسوخ ایمانی تاثیر قلبی اور قوت جاذبہ کا اسی سے قیاس ہو سکتا ہے۔

فتح مکہ ہجرت سے آٹھویں سال رمضان مبارک کے مہینے میں ہوئی اور اسکے بعد سوا سال کے اندر عرب کے وفود حاضر ہوئے۔ جوق جوق لوگ مسلمان ہو گئے اور حق تعالیٰ نے اپنے سچے نبی کو سورۂ اذا جاء نصر اللہ والفتح نازل فرما کر جتلا دیا کہ تمہاری بعثت کی غرض پوری ہو چکی اور اسلام کی حقانیت کا سکہ جو عالم کے قلوب میں بیٹھ چکا ہے مٹ نہیں سکتا اور نہ اس کی اشاعت کسی طرح

[1] انکار کرنے والے۔ ۱۲۔

رُک سکتی ہے۔

حجۃ الوداع

نویں سال آپنے حج کیا۔ اس حج کو اسوجہ سے کہ عالم حیات میں آپ ہمیشہ کیلیے بیت اللہ سے رخصت ہو گئے حجۃ الوداع کہتے ہیں اور اسوجہ سے کہ آپنے تمام مسلمانوں کو احکام حج خصوصاً اور احکام اسلام عموماً پہنچا دیے حجۃ البلاغ بھی کہتے ہیں۔ چونکہ لاکھوں مسلمان جمع تھے اسلیے ضرورت اس کی ہوئی کہ جو کچھ آپ ارشاد فرمائیں وہ سب کو پہنچا دیا جائے۔ اس کام کے لیے امیہ بن خلف کے بیٹے حضرت ربیعہؓ منتخب ہوئے۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ اے لوگو تم میری بات سُن لو شاید اسکے بعد میں تم کو اس جگہ کبھی نہ دیکھوں۔ اس طویل خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا۔ اِنّ دماءکم واموالکم حرامٌ کحرمۃ یومکم ھذا فی شہرکم فی بلدکم ھذا (تمہارے جان و مال ایک دوسرے پر حرام ہیں جیسے آج کے دن کی بے حرمتی اس مہینے اور اس جگہ کے اندر تم پر حرام ہے)

اہل عرب برابر سود لیتے اور دیتے تھے اور ربوٰ (یعنی سود) کی حرمت قرآن مجید میں نازل ہو چکی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسکو بکرات و مرّات بیان فرما چکے تھے۔ لیکن اس موقع پر حرمت دما کے ساتھ حرمت ربوٰ کو بھی ارشاد فرمایا اور ان دونوں کے متعلق اسقدر وضاحت اور فرمادی کہ زمانہ جاہلیت میں جسنے کسی کا خون کیا اب اسکا بدلہ لینا حرام ہے اور سب سے پہلے میں اپنے چچا کے بیٹے ربیعہ بن حارث بن عبد المطلب کا خون چھوڑتا ہوں۔ علیٰ ہذا زمانہ جاہلیت میں جسکا سود کسی کے ذمہ تھا اب وہ سب موقوف ہے کسی کو لینا اور دینا نہ چاہیے۔ البتہ اُنکا راس المال ملیگا۔ اور میں اپنے چچا عباسؓ کا اصل اور سود دونوں چھوڑتا ہوں۔

اسی خطبہ میں یہ بھی ارشاد فرمایا کہ "اے لوگو شیطان اس بات سے مایوس ہو چکا ہے کہ عرب کی سرزمین میں اس کی پرستش کیجائے۔ یعنی اب ملک عرب میں بُت پرستی بالکل نہ ہوگی۔ البتہ سوائے بت پرستی اور گناہوں کے ارتکاب میں شیطان کا اتباع کیا جائیگا۔ یہ آپ کا ارشاد کسقدر صحیح تھا کہ ملک عرب سے

بُت پرستی کا نام ونشان مٹ گیا اور اگرچہ اعمال کے درجہ میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں مگر سارا ملک عرب اسوقت تک شرک و بُت پرستی سے بالکل پاک وصاف ہے۔

ان ارشادات سے ہر ذی عقل سمجھ سکتا ہے کہ آپ دنیا میں ہدایت پھیلانے امن و امان قائم فرمانے اور جان و مال کی حفاظت کی غرض سے تشریف لائے تھے۔ اسی وجہ سے حج کے آخری خطبہ میں نہایت اہتمام سے ان امور کو بیان کیا کہ اسلام کی اشاعت کو ایسے ذرائع سے بالکل علیحدہ رکھا گیا جن کی وجہ سے کوئی شخص بلا رضا مجبور ہو کر اسلام کو قبول کرے۔

ہم نے بعد ہجرت کے ہزارہا طول طویل حالات میں سے چند واقعات کو یہاں بیان کیا ہے جنکے مطالعہ سے ایک فہیم منصف بخوبی اندازہ کر سکتا ہے کہ اسلام کی اشاعت کس طرح ہوئی اور یہ کہ اسکے اصلی اسباب کیا تھے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے تھوڑے سے حالات بیان کرنے کے بعد ہم چاہتے ہیں کہ حضرات صحابہ رضوان اللہ تعالی علیہم کے ہزارہا حالات و واقعات میں سے بھی چند ایک کا ذکر کیا جائے جس سے ثابت ہو جائے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم بھی اُسی نقش قدم پر چلے اور یہ کہ اُنکے اندر اسلام کے اصلی محاسن اور اُسکے جذبات پوری قوت کے ساتھ موجود تھے جنکو دیکھکر بے اختیار اسلام کی طرف رغبت ہوتی تھی اور صحابہ کرامؓ کے ان ہی حالات و معاملات کے ذریعہ سے اسلام نے دنیا پر اپنا تسلط جمایا ہے۔

زمانۂ صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین

بعض قبائل کا مرتد ہو جانا

فتح مکہ اور وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تقریباً ڈیڑھ سال کا زمانہ ہے اس عرصہ میں جیسا کہ ہم ابھی ابھی بیان کر چکے ہیں سارے ملک عرب میں اسلام پھیل گیا۔ اور غالباً قبائل عرب میں کوئی قبیلہ بھی ظاہراً اسلام سے منحرف نہ رہا۔ لیکن ان نو مسلموں میں بہت سے ایسے تھے جو فی الواقع مسلمان نہ ہوئے تھے بلکہ اپنی قوم کی دیکھا دیکھی احکام اسلام ادا کرنے لگے اور زمرۂ مسلمانان میں

داخل ہو گئے تھے

عیینہ بن حصن نے اپنی زبان سے اقرار کیا کہ میں ایک منٹ کے لیے بھی مسلمان نہوا تھا انہوں نے طلیحہ اسدی کا ساتھ دیا تھا جنکے مرتد ہونے اور مسلمان ہونیکا ذکر ابھی آتا ہے۔ بعد میں عیینہ گرفتار ہو کر جب مدینہ منورہ لائے گئے تو وہانکے لڑکے بھی اسکی حالت دیکھکر سخت متعجب ہوتے تھے وہ جانتے تھے کہ ایمان لاکر تو کوئی پھر نہیں سکتا۔ ایمان ایسی چیز نہیں کہ ایک دفعہ اس کی لذت سے آشنا ہونے کے بعد کوئی اس سے منحرف ہو جائے۔ وہ تعجب اور حیرت کے ساتھ عیینہ سے کہتے تھے کہ اے خدا کے دشمن کیا ایمان لانے کے بعد تو کافر ہو گیا۔ مگر عیینہ نے وہی جواب دیا کہ میں ایک آن کے لیے بھی مسلمان نہوا تھا۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے سنکر اس کی تصدیق فرمائی اور سزاے مرتدین سے معافی دیکر انکو امن دیدیا اسکے بعد عیینہ صدق دل سے مسلمان ہوئے تو ویسے ہی ہو گئے جیسے کہ دوسرے پختہ مسلمان تھے۔ اور بہت سے ایسے بھی تھے کہ گو اسوقت اپنے ارادہ اور اختیار سے اسلام لائے مگر ایمان اُنکے اندر راسخ اور متمکن نہوا تھا۔ ایسے ہی لوگوں کی نسبت کلام مجید میں ارشاد ہے قالت الاعراب اٰمنّا قُل لم تؤمنوا ولکن قولوا اسلمنا ولمّا یدخل الایمانُ فی قلوبکم۔ (اعرابی کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے۔ کہدو تم ابھی ایمان نہیں لائے۔ بلکہ یوں کہو کہ ہم مطیع ہو گئے۔ ابھی ایمان تمہارے دلوں میں جاگزین نہیں ہوا)

ان لوگوں کے اندر ایمان راسخ نہونے پایا تھا۔ وہ اسلام کی برکات کا ذائقہ چکھنے نہ پائے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض و وفات کا سانحہ پیش آگیا۔ گروہ اول تو اسلام سے محض کورا تھا اور گروہ ثانی راسخ الایمان نہ ہوئے تھے اُن میں حُب ریاست و خودسری موجود تھی اس لیے دونوں گروہوں میں فوراً ایک تحریک پیدا ہو گئی اور ارتداد کی ایسی تند و تیز ہوا چلی کہ اکثر قبائل اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہے۔ اسکے ساتھ ہی دعوئ نبوت نے جلتی آگ پر تیل ڈالدیا۔ جگہ جگہ مدعیان نبوت کھڑے ہو گئے اور انکے حامی کار اور طرفداروں نے ہل چل ڈالدی اور جیسا کہ ابن الاثیر نے کہا ہے

تضرمت الارض ناراً (عرب کی زمین میں آگ لگ گئی) مسیلمہ کذاب۔ اسود عنسی۔ طلیحہ اسدی نے مردوں میں سے اور سجاح نے عورتوں میں سے دعوی نبوت کیا اور ان میں سے ہر ایک کے ساتھ متعدد قبائل حرب ہو گئے تھے جنمیں اکثر وہ تھے جو حقیقتاً مسلمان نہوئے تھے اور بہت سے ایسے تھے جو مسلمان ہوئے تھے مگر ایمان راسخ نہوا تھا۔ حُبّ جاہ و ریاست و نخوت اُن میں موجود تھی دوسروں کے بہکانے سے ساتھ ہو لیے عیینہ بن حصن نے (جنکے گرفتار ہو کر مدینہ میں آنے اور مسلمان ہونے کے اقرار کا ذکر ہم ابھی کر چکے ہیں) قبیلۂ اسد و غطفان کو طلیحہ کا ساتھ دینے اور اس کی نبوت کو تسلیم کرنے کے واسطے بایں الفاظ سمجھایا نبیٌ مِن الحلیفین (یعنی اسد و غطفان) احبُّ الینا من نبیٍ مِنْ قریش (اسد و غطفان کا نبی ہمارے نزدیک قریش کے نبی سے زیادہ محبوب ہے)

مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بالکل صحیح تھا کہ ملک عرب میں بُت پرستی سے شیطان بالکل مایوس ہو چکا ہے۔ مرتدین نے ایک دفعہ تو ملک بھر میں ہل چل ڈالدی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر فرمودہ عامل جہاں جہاں تھے اُنکو سخت دقت کا سامنا ہوا۔ مگر ارتداد کی جڑ مضبوط نہ تھی بعض باطنی اور حقیقی دشمنان اسلام کے ساتھ بہت سے ناواقف اور سادہ مزاج بھی شریک ہو گئے تھے۔ مگر صحابہؓ کی حُسن تدبیر اور بروقت مستعدی اور پورے تدارک نے اس فتنہ کا اُسی سرعت کے ساتھ انسداد فرمایا جس سرعت سے پھیلا تھا۔ مدعیان نبوت میں سے اسود عنسی کا خاتمہ تو آپ کی حیات ہی میں ہو گیا۔ جس روز آپ کی وفات ہوئی اس سے پہلے اس کی خبر مدینہ منورہ میں پہنچ گئی تھی۔ مسیلمہ کذاب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تھا اور اُسنے بذریعہ خط کے آپ سے یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ مجھے اپنا شریک حال بنا لیا جائے اور نصف ملک کی حکومت میرے سپرد ہو۔ اور نصف کی قریش کے۔ مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسکے جواب میں تحریر فرما دیا تھا ان الارض للہ یورثھا من یشاء من عبادہٖ والعاقبۃُ للمتقین

(تمام زمین کا مالک خدا تعالیٰ ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسکو چاہے دے اور مبارک انجام متقیوں کے لیے ہے)

(باقی آئندہ)

فلسفہ اور علم کلام

(۵)

تم سب سے پہلے اسپر غور کرو کہ انسان کو قدرت نے دوسرے حیوانات سے کونسی امتیازی حالت عطا کی ہے۔ کیا قدرت۔ ارادہ۔ خوف۔ رجا۔ شہوۃ۔ غضب یہ صفات جو انسان میں رکھی ہوئی ہیں اور حیوانات میں نہیں ہیں۔ یا آنکھ۔ ناک۔ کان۔ زبان۔ دست و پا جو اعضا انسان کو عنایت کیے گئے ہیں اوروں کو نہیں دیے گئے۔ یا حس مشترک۔ خیال۔ وہم۔ حافظہ وغیرہ حواس باطنہ جو انسان میں ودیعت کیے گئے ہیں دوسروں کے حصہ میں نہیں آئے۔ تم یقیناً کہوگے کہ ان سب چیزوں کے اعتبار سے انسان کو کوئی فضیلت اور جانوروں پر حاصل نہیں ہے۔ بلکہ بسا اوقات بعض جانور ان بعض قوتوں میں انسان سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔ تو پھر وہ کیا خصوصیت ہے جس کی وجہ سے انسان کی شرافت جانوروں کے مقابلہ میں تسلیم کر لی گئی اور وہ کیا علامات ہیں جو انسان کے روشن چہرہ کے امتیازی خط و خال ہیں۔

اسکے جواب میں ہم بجز اُن دو چیزوں کے کسی کا نام نہیں لے سکتے جنکا اختصار علم اور ارادہ کے دو چھوٹے چھوٹے لفظ کرتے ہیں اور جن کی تشریح میں ہم کو اپنے ناظرین کے وقت کا ایک معتد بہ حصہ لینا پڑیگا۔ علم سے ہماری مراد وہ علم ہے کہ جس کی بدولت دنیا اور آخرۃ کے حالات منکشف ہوتے ہوں اور وہ کائنات کے حقایق کو اُن کی اصلی صورت میں ہمارے سامنے پیش کرتا ہو۔ اور ارادہ کے لفظ سے ہم نے اُس ارادہ کا قصد کیا ہے جو نفسانی خواہشات کے اشارہ پر نہیں بلکہ علم کے اشارہ پر چلنے والا ہے۔ کیونکہ جو ارادہ قوۃ شہوانی کی تحریک سے پیدا ہوتا ہے وہ تو تمام حیوانات میں موجود ہے۔ ہر جاندار بھوک اور پیاس کے وقت دانہ پانی کی طلب میں دوڑتا ہے شہوۃ کے غلبہ کے وقت اسکے فرو کرنے کا ارادہ کرتا ہے۔ اپنے دشمن کے مقابلہ میں پوری طاقت اور زور آزمائی دکھلاتا ہے۔ تو کیا ان سب حالتوں میں ارادہ نہیں پایا گیا۔ لیکن ہاں وہ ارادہ نہیں جو افراد انسانی کی خصوصیات

میں سے ہی۔ انسان کی خصوصیت یہ ہی کہ وہ شہوانی میلان کے خلاف بھی اگر اس کی عقل ہدایت کرے حرکت کرسکتا ہو۔ اور اپنے فعل و ترک میں جی چاہنے نہ چاہنے کا پابند نہ ہو۔ یہ ارادہ اور وہ علم جسکا ذکر پہلے ہوا۔ بزرگترین مخلوقات یعنی انسان کے ساتھ مختص ہیں۔ اور ان ہی دونوں نشانیوں سے انسان حیوانات سے اور بڑا آدمی بچوں سے باعتبار اپنے کمال کے پہچانا جاتا ہی۔ بچہ جب اپنی پیدائش کے مدارج طے کرتا ہوا رحم مادر سے باہر آتا ہی تو وہ نہ بھلے بُرے۔ نیک بد اور نافع مضر کی تمیز رکھتا ہی اور نہ اسکا کوئی ارادہ کسی قانون عقلی کا تابع ہوتا ہی اور جوں جوں اسکے قوی میں نشو و نما۔ اسکے علم میں ترقی۔ اس کی معلومات میں وسعت پیدا ہوتی جاتی ہی اُسیقدر اسکے افعال و اعمال فہم و دانش کے قاعدوں میں منضبط ہوتے جاتے ہیں۔ اب اگر اسکا علم سچا ہی اور اس کی عقل نے جو فتوے نافذ کیے ہیں وہ صحیح ہیں تو اسکے سب عمل درست ہوسکتے ہیں اور اگر اس کی عقل نے لغزش کھائی۔ نافع کو مضر۔ مضر کو نافع یا نیک کو بد بد کو نیک سمجھ لیا تو ہرگز توقع نہیں کہ وہ اپنے حرکات و سکنات میں کج روی اور غلطی سے محفوظ رہے اس صورت میں ہر انسان پر واجب ہے کہ وہ صحیح علم کے حاصل ہونے کے ذرائعے سوچے اور تا زیست اپنے اندر اُنکے پیدا کرنے کی کوشش کرے۔

لیکن جس حد تک غور کیا گیا علم کی حقیقت اس سے زیادہ معلوم نہیں ہوئی کہ کسی چیز کا نقشہ اسی طرح ہماری عقل میں کھنچ جائے جیسا کہ آئینہ میں کسی شے کی تصویر نظر آنے لگتی ہی۔ دیکھو اگر کوئی شخص ہماری نظر سے گذرا۔ یا ایک شاندار مکان ہم نے کسی جگہہ دیکھا اور کچھ دیر کے بعد ہماری آنکھوں سے اوجھل ہوگیا۔ تو پھر ہم جب کبھی اُس شخص یا اُس مکان کو دیکھتے ہیں فوراً شناخت کرلیتے ہیں کہ یہ وہی شخص اور وہی مکان ہی۔ اگر ہمارے پاس کوئی ایسا نقشہ جو اس مکان یا اس شخص پر پورا پورا مطابق ہو موجود نہوتا تو اور کونسا معیار تھا جسکے ذریعے سے اتنی مدت کے بعد ہم کو یہ شناخت ہوگئی۔ اس سے صاف طور پر ثابت ہوتا ہی کہ آدمی کا ذہن (عقل) مثل ایک آئینہ کے ہی اور اس میں جو معلومات حاصل ہوتے ہیں

وہ اس عکس کی مانند ہیں جو کسی شے کے محاذات کے وقت آئینہ میں دکھائی دیتا ہے۔ اتنا فرق ہے کہ آئینہ میں صرف اُن اشیار کا عکس پڑتا ہے جو آنکھوں سے نظر آنے کے قابل ہوں اور ذہن میں ہر قسم کی چیزیں منقش ہوتی ہیں۔ مثلاً کسی اسپیکر کی ایک لمبی چوڑی تقریر تم نے سنی اور اسکے مضامین کا خلاصہ تم نے اپنے ذہن میں ملحوظ رکھا۔ تواب جب کبھی کوئی شخص وہ تقریر کریگا تم فوراً سمجھ جاؤگے کہ یہ بعینہ وہ مضامین ہیں جو فلاں اسپیکر نے بیان کیے تھے۔ اگر اُن مضامین کا کوئی فوٹو تمہارے پاس نہیں تھا تو تم نے یہ کیسے جانا کہ وہ اور یہ تقریر ایک ہی ہیں۔ اس سے بدیہی طور پر معلوم ہوا کہ ہمارے ذہن میں ان مضامین کا کوئی خاکہ موجود تھا۔ حالانکہ ان ہی مضامین کا عکس اگر ہم آئینہ میں لینا چاہیں تو بالکل ناممکن ہے۔ غرض آئینہ میں اور ذہن میں اتنا تفاوت ہے کہ ایک میں مخصوص چیزوں کا عکس آتا ہے اور دوسرے میں ہر چیز کا۔ مگر دونوں میں اسقدر اشتراک ہے کہ اُس میں بھی کسی چیز کی تصویر حاصل ہوتی ہے اور اسمیں بھی اب اگر کوئی چیز آئینہ میں منعکس ہونے کے قابل ہو لیکن منعکس نہ ہو تو جہانتک تتبع اور استقرار سے معلوم ہوا اسکے پانچ وجوہات ہوسکتے ہیں۔ یا یہ کہ وہ جوہر (لوہا) جس سے آئینہ بنتا ہے اُس نے ابھی تک صیقل ہوکر آئینہ کی صورت اختیار نہیں کی۔ یا آئینہ بن چکا تھا مگر زنگ آلود ہوگیا۔ یا صاف شفاف ہے مگر جس چیز کا اُس میں عکس لینا چاہتے ہو وہ اسکے مقابل نہیں۔ یا مقابل بھی ہے مگر آئینہ کے اور اُس شے کے بیچ میں کوئی دوسری شے حائل ہے۔ یا عکس لینے والے کو یہ معلوم نہیں کہ اس صورت کا عکس کس جہت میں ہوکر لیا جاسکتا ہے۔ ان سب حالتوں میں اشیار مطلوبہ کا عکس آئینہ میں نہیں آسکتا۔ اور اگر ان موانع میں سے کوئی مانع موجود نہ ہو تو پھر محال ہے کہ محسوسات کی صورت اُس میں ظاہر نہ ہو۔ ٹھیک اسی طرح انسان کے قلب (عقل) کی حالت ہے۔ کبھی تو ایسا ہوگا کہ خود قلب ابھی ناقص ہے اور انعکاس کی پوری قابلیت اس میں پیدا نہیں ہوئی۔ جیسا کہ شیر خوار بچہ کا قلب کہ وہ معقولات کے علم سے بالکل خالی ہوتا ہے۔ اور کبھی معاصی اور ناپاک افعال کے ارتکاب سے قلب پر

ایک قسم کی کدورت اور ظلمت چھا جاتی ہے جس کی وجہ سے اس کی پوری جلا اور صفائی باقی نہیں رہتی۔ اسلیے اس میں لطیف اور باریک چیزوں کا انعکاس نہیں ہوتا۔ اور خدا کی ذات و صفات اور غیب کے اسرار سے یہ قلب بالکل عاری رہتا ہے۔ اس قلب کی زنگ چھوڑانے کی اسکے سوا کوئی تدبیر نہیں کہ وہ ہمہ تن خدا کی طاعت کی طرف توجہ اور مقتضاے شہوات سے پورا پورا اعراض کرے۔ اور مجاہدات کا وہ طریقہ اختیار کرے جو اس فن کے تجربہ کاروں نے ناجائز خواہشات کے استیصال کے واسطے تلقین کیا ہے والذین جاھدوا فینا لنھدینھم سبلنا اور من عمل بما علم ورثہ اللہ علم ما لم یعلم میں اسی راز کی طرف اشارہ ہے۔

لیکن کبھی آدمی کا قلب گناہوں کی آلایشوں سے پاک و صاف ہوتا ہے اور پھر بھی اس میں علوم ذات و صفات اور حقایق اشیاء مرتسم نہیں ہوتیں اُس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ اس کی توجہ ان چیزوں کی طرف کامل نہیں ہوتی بلکہ وہ آفات نفس کے جاننے یا طرق معاش کے مہیا کرنے میں مثلاً مصروف ہوتا ہے تو وہ چیزیں جنکی طرف اسکے قلب کی توجہ نہیں ہے اسی طرح منعکس نہیں ہو سکتیں جس طرح آئینہ میں وہ صورتیں جو اسکے محاذی نہ ہوں۔ ہاں قلب کبھی صاف بھی ہوتا ہے اور توجہ بھی کامل ہوتی ہے مگر وہ فاسد عقائد جو تقلید یا حُسن ظن کی بنا پر دل میں پہلے سے راسخ ہیں حقائق کے انعکاس کے لیے حجاب بن جاتے ہیں اور جیسا کہ آئینہ اور شے مطلوب کے درمیان میں اگر کوئی شے حائل ہو جائے تو اسکا عکس اس میں نہیں پڑتا ایسے ہی اس حجاب کے وقت ہماری عقل حقیقی علوم کے حاصل کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اور کبھی علم کے یہ تمام سامان جمع ہوتے ہیں مگر جن حاصل شدہ علوم پر یہ علم متفرع ہوتا ہے ان میں مناسب ترتیب قایم کرنی ہم کو نہیں آتی اسلیے ہم اس علم سے محروم رہتے ہیں۔ اس کی مثال یہ ہے کہ ایک شخص اپنی گدّی کے پیچھے کا حال آئینہ میں دیکھنا چاہے۔ اب اگر وہ آئینہ کو آنکھوں کے سامنے رکھتا ہے تو پیچھے کا حال اس میں کھل نہیں سکتا اور اگر پیچھے لیجاتا ہے تو گو انعکاس ہو جاتا ہے

مگر آنکھیں اس عکس کو دیکھ نہیں سکتیں۔ اُس وقت یہ شخص باوجود تمام اسباب مہیا ہونے کے عکس کے دیکھنے سے اسلیے محروم ہی کہ اسکو اسکے عکس لینے کا طریقہ معلوم نہیں۔ اگر کوئی اسکو یہ بتلادے کہ ایک آئینہ پیچھے لیجاؤ اور ایک آئینہ اس آئینہ کے محاذات میں اس طرح سامنے رکھو کہ جو عکس اُس آئینہ میں پڑے اُسی عکس کا پرتوہ دوسرے آئینہ میں بھی آجائے۔ تو اس طریقہ کے معلوم ہونے سے اُسکے ساری مشکل حل ہوجائیگی اور جو دقتیں اس عکس کے لینے میں وہ اُٹھا رہا تھا وہ یک لخت جاتی رہیں گی۔ یہی حال بعینہٖ انسان کے قلب کا سمجھو اور یقین کرلو کہ یہی امور ہیں جو اکثر حقایق کی معرفت سے ہمکو بے بہرہ رکھتے ہیں۔ اگر یہ موانع نہ ہوں تو بیشک ہر قلب اس فیض علم کے حاصل کرلینے کی پوری قابلیت رکھتا ہے جو فیاض ازل کی طرف سے بغیر کسی بُخل کے ہر وقت اور ہر آن جاری ہی۔ تو جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ سچے مذہب کے احکام عقل کے مطابق ہوتے ہیں اُنکا یہ قول اس اعتبار سے بالکل صحیح ہی کہ ایک کامل اور صاف و شفاف عقل جس میں حقائق کے انعکاس کی سب شرائط موجود ہوں ہرگز خدا کے حکم کے خلاف حکم نافذ نہیں کرسکتی۔ اور جنھوں نے یہ کہا ہی کہ احکام خداوندی کو اپنے عقل کی میزان میں نہ تولو۔ اُن کی غرض یہ ہی کہ ہماری زنگ آلود عقلوں میں خدائی اسرار کا انعکاس نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح جس فریق کا یہ خیال ہی کہ حقائق نبوت اور حقائق صفات الٰہیہ ہماری فہم اور ادراک سے بالاتر ہیں وہ عام فہم اور ادراک کے لحاظ سے بالکل سچ کہتے ہیں اور جس شخص کا یہ قول ہی کہ نہیں یہ چیزیں بھی بذریعہ عقل انسانی اُسکے دریافت ہوسکتی ہیں تو اسکا مدعی بھی غلط نہیں ہی۔ وہ بجا طور پر عقل انسانی اسی کو قرار دیتا ہی جس میں نفسانی کدورتیں اور آلائشیں نہ ہوں۔ غرض نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کہ لوگ درجات عقل کے موافق جنت میں جائینگے۔ اسپر محمول ہی کہ حقیقی عقل کو جسقدر ترقی ہوگی جنت کے دروازوں سے قُرب ہوتا جائیگا۔ اور آپ کا یہ ارشاد کہ اکثر اہل جنت بے عقل ہونگے۔ اس میں وہ لوگ مراد ہیں جو دنیا کے کاموں میں متوجہ نہ ہونے کی وجہ سے ابلہ سمجھے جاتے ہیں اور علیکم بدین العجائز کا خطاب

اُنسے ہی جنکے دماغ دقیق اسرار کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ اب تم پھر ایک دفعہ اُن متعارض اقوال کو یاد کرلو جنکے سُلجھانے میں تم سخت پریشان تھے اور جن کی کوئی درست توجیہہ تم سے بن نہ پڑتی تھی۔ اور اخیر میں امام صاحب کی اس زرین نصیحت کو خوب یاد رکھو۔ کہ

فلا غنا بالعقل عن السماع ولا غنا بالسماع عن العقل۔ فالداعی الی محض التقلید مع عزل العقل بالکلیة جاهل والمکتفی بمجرد العقل عن انوار القرآن والسنة مغرور فایاك ان تکون من احد الفریقین وکن جامعاً بین الاصلین فان العلوم العقلیة کالاغذیة والعلوم الشرعیة کالادویة والشخص المریض یستضر بالغذاء متی فاته الدواء فکذلك امراض القلوب لا یمکن علاجها الا بالادویة المستفادة من الشریعة وهی وظائف العبادات والاعمال التی رکبها الانبیاء صلوات الله علیهم لاصلاح القلوب فمن لا یداوی قلبه المریض بمعالجات العبادة الشرعیة واکتفی بالعلوم العقلیة استضر بها کما یستضر المریض بالغذاء وظن من یظن

نہ عقل کو نقل سے استغنا اور نہ نقل عقل سے بے نیاز ہو جیسا کہ عقل کو معزول کر کے محض تقلید کی طرف بُلانے والا جاہل ہو اسی طرح وہ شخص بھی دہوکہ میں ہو جو قرآن وسنت کے انوار سے علیحدہ ہو کر صرف اپنی عقل پر بھروسہ کرے۔ تو تم کو ان دونوں گروہوں میں سے کسی میں بھی داخل نہ ہونا چاہیے۔ بلکہ عقل ونقل کا جامع بننا چاہیے۔ کیونکہ علوم عقلیہ عقل کی غذا اور علوم شرعیہ اس کی دوا ہیں۔ اور جو مریض دوا کا استعمال نہ کرے اسکو غذا کے استعمال سے نقصان پہنچ جاتا ہے یہی حالت دل کے امراض کی ہو کہ اُن کا علاج شرعی دواؤں سے یعنی اُن عبادات اور اعمال سے ہی ہو سکتا ہو جنکو انبیا علیہم السلام نے اس کام کے لیے ترکیب دیا ہو۔ پس جسکا دل بیمار ہو اور وہ طب شرعی کے بموجب اسکا معالجہ بھی نہ کرے اور علوم عقلیہ کو اپنے حق میں کافی سمجھے وہ اسی طرح ہلاک ہو گا جس طرح بیمار آدمی غذا سے ہلاک ہو جاتا ہے۔ باقی جو لوگ سچے علوم عقلیہ کو علوم شرعیہ کے خلاف تصور کرتے ہیں اور دونوں میں تطبیق کو محال سمجھتے ہیں۔ یہ اُن کا

ان العلوم العقلیة مناقضة للعلوم الشرعیة وان الجمع بینھما غیر ممکن ظن صادر عن عمی فی عین البصیرة - نعوذ باللہ منہ

خیال اس وجہ سے ہی کہ اُن کی بصیرت کی آنکھیں اندھی ہیں - (خدا کی پناہ)

یہانتک ہم نے امام غزالی کی تقریر کا ماحصل نقل کر دیا - امام صاحب کی یہ تقریر اگرچہ نہایت صاف - نہایت سلیس - نہایت عام فہم اور نہایت پُراسرار ہی لیکن اس میں چند ایسے اقناعی مقدمات بھی ہیں جنکا انکار کر دینا ہمارے ایک بیباک حریف سے کچھ مستبعد نہیں ہی - ہم امام صاحب کے اس قابل قدر بیان کی بہت کچھ عزت کر سکتے ہیں - لیکن ہمارا ایک ظاہر پرست اور آزاد منش مقابل اسپر یہ نکتہ چینی کیے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اگر ہم ذہن میں صورتوں کا انعکاس تسلیم کریں تو جو شرائط آئینہ میں انعکاس کے واسطے قرار دی گئی ہیں اُن سب کا ذہن میں پایا جانا کیوں ضروری ہی - یہ ہم نے مانا کہ ذہن میں اور آئینہ میں ایک حدتک مشابہت پائی جاتی ہی - مگر ان دونوں میں تفاوت بھی بے انتہا ہی جسکا اعتراف تم بھی پہلے کر چکے ہو - اب اگر اس تفاوت کی بنا پر بعض وہ شرطیں جو آئینہ میں ضروری ہیں حصول علم میں ضروری نہ ہوں - یا اسکے برعکس - تو کیا مضائقہ ہی - اسکے سوا یہ بھی ہماری سمجھ میں نہیں آیا کہ اعمال بد کی مباشرت یا گناہوں کے ارتکاب سے قلب پر کسی قسم کی تاریکی آجاتی ہی - اول تو ہم اعمال کی تقسیم نیک و بد کی طرف تسلیم ہی نہیں کرتے دوسرے معاصی میں ملوث ہونا بیشک قوت عملیہ کے سُست یا فاسد ہونے کا نتیجہ ہی - لیکن قوت علمیہ کا اس اثر بد سے متاثر ہونا بظاہر کوئی معنی نہیں رکھتا - نیز بقول قاضی ابن رشد اندلسی کے قرآن پاک نے جا بجا قیاس اور نظر کے طریقوں پر تنبہ کیا ہی اور خود بھی مختلف مواقع میں استدلال سے کام لیا ہی - پس اگر شریعت کے احکام عقول عامہ سے بالاتر تھے تو قرآن نے ہم سب کو عقل سے کام لینے اور غور و فکر کرنے کی طرف کیوں توجہ دلائی - اور بقول سرسید کے ہر ایک انسان کو ایسے

احکام کا مکلف بنانا کیونکر صحیح ہوا جو اس کی سمجھ سے باہر تھے۔ حالانکہ انسان اپنے ذی عقل ہونے کی وجہ سے ہی تکلیف شرعی کا مستحق ہوا ہی۔

یہ اور اسی قسم کے اور شبہات ہیں جنکو سُنکر ہم صرف اتنا ہی کہنا چاہتے ہیں کہ شعر

چو بشنوی سخن اہلِ دل مگو کہ خطا است — سخن شناس نئی دلبرا خطا اینجا است

اور بپاس خاطر معترض امام صاحب کے جادۂ استدلال سے ہٹ کر یا آگے بڑھکر اس زبردست فاضل کی تقریر کی طرف رجوع کرتے ہیں جس کی تصنیفات میں جتنا غور کرو اتنا ہی اس کی ذہنی و دانشمندی اور صادق البیانی کا اعتراف لازم ہی۔ یہ وہ فاضل ہی کہ جسکو اگر ہم اپنے عہد کا شیخ اکبر امام غزالی اور شاہ ولی اللہ سب کچھ کہدیں تو بیجا نہیں۔ اور یہی وہ فاضل ہی جسنے علم کلام کی ایک ایسی انوکھی طرز پر بنا ڈالی جو (انشاء اللہ) قیامت تک کیواسطے پتھر کی لکیر ہی اور جسپر ہمارا ناز کبھی ختم نہیں ہوسکتا۔ اس فاضل نے جسکو عام طور پر مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لقب سے یاد کیا جاتا ہی اپنی مختلف کتابوں میں جو مفید بیانات درج کیے ہیں وہ اس مسئلہ عقل و نقل میں ہماری بہت زیادہ مشکلکشائی کرتے ہیں اور اب ہم ذیل میں جو کچھ لکھیں گے وہ تمامتر اُنہی تصانیف سے ماخوذ ہوگا۔ شعر

مطرب ترانۂ دگراز پردہ ساز کن — زیرا کہ حرف عشق نمیدارد انتہا

صحیفۂ عالم کا وسیع مطالعہ کرنے سے یہ بات بخوبی روشن ہوچکی ہی کہ (بقول طبیعین کے فطرت نے اور بخیال اہل مذاہب کے) خدائے مختار نے دنیا کی کوئی چیز بیکار نہیں بنائی اور جوں جوں تحقیقات کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہی ووں ووں ہر ایک چھوٹی بڑی چیز کے منافع ہم پر ظاہر ہوتے جاتے ہیں۔ اس لحاظ سے کائنات کا ہر ہر جزو بیش قیمت حکمتوں کا مجموعہ ہے۔

لیکن اسکے ساتھ ہی ہر شے کا تعلق کسی نہ کسی ایسی ایک یا چند اغراض سے بھی ہوتا ہی جنکی کمی زیادتی پر اُس شے کا کمال اور نقصان منحصر ہی اور جنکو ہم اُس شے کی اصلی اغراض کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً حیوانات میں گھوڑے کی مدح و ذم اور اسکا حُسن و قبح رفتار پر موقوف ہی۔ اگرچہ وہ گدھے کی طرح پالان بھی اُٹھا سکتا ہی اور گائے بکری کی طرح اسکو ذبح کرکے کھا بھی سکتے ہیں اور اسکا دودھ بھی پی سکتے ہیں۔ لیکن یہ اسکے دودھ کی افراط یا بدن کی فربہی۔ یا باربرداری کی طاقت اس کی قدر و قیمت میں اسی طرح کچھ زیادہ دخیل نہیں جس طرح گائے اور بھینس میں چونکہ مقصودِ اعظم دودھ گھی وغیرہ ہی اسلیے اُن کی تیز رفتاری اور قدم بازی کا کوئی اثر انکی بھلائی بُرائی پر نہیں پڑتا۔ یا گلاب کے پھول کی حُسن و خوبی اُسکے رنگ اور خوشبو سے ہی۔ ذائقہ سے کچھ بھی غرض نہیں ہوتی۔ یا آنب کے ذائقہ سے سروکار ہی اسکے رنگ اور خوشبو سے چنداں تعرض نہیں کیا جاتا۔ ایسے ہی کتاب سے اگرچہ ہم کسی وقت تکیہ کا کام لے سکتے ہیں لیکن غرض اصلی اُس سے پڑھنا ہی ہوتا ہے۔ یا ضرورت کے وقت کپڑوں کو جلا کر کھانا پکا سکتے ہیں مگر اہم مقصد اُن سے یہی ہی کہ وہ آدمی کے بدن کی پردہ پوشی اور زینت کا سبب بنیں۔ غرض عالم کے تمام اجزار پر نظر ڈالی جائے۔ ہر موقعہ پر یہی شان نظر آئے گی۔ پھر ناممکن ہی کہ انسان جو ہمیشہ اپنے اشرف المخلوقات ہونے کا دعویٰ کیا کرتا ہی کسی ایسی غرض اعلیٰ اور مطلب اعظم سے خالی ہو۔ جسکے ہونے نہ ہونے پر اس کی بھلائی بُرائی موقوف ہو اور جسکے ذریعہ سے وہ مدح و ستایش یا ہجو و مذمّت کا مستحق سمجھا جائے۔ بیشک اس مقصد اعظم کے متعین کرنے میں سخت دشواری پیش آئیگی۔ لیکن ہم اس عقدہ کو خود اعضاء انسان کی بناوٹ اور اسکے قویٰ کی ترکیب سے حل کرینگے اور ہم یقین کرتے ہیں کہ خود انسان زبان حال سے اس مقصد کی جستجو میں ہماری رہنمائی کریگا۔

ہم جب معجون مرکب (انسان) کی اندرونی و بیرونی حالتوں میں غور کرتے ہیں تو یہ ظاہر ہوتا ہی کہ ان پانچ چیزوں سے اس کی ترکیب عمل میں آئی ہی۔ عقل یا قوۃ علمیہ۔ شوق یا خوف۔ ارادہ اور اختیار۔ قدرت اور طاقت۔ ہاتھ پاؤں آنکھ ناک وغیرہ اعضای جسمانی۔ چنانچہ جسقدر کام انسان کرتا ہی اُن میں

یہ پانچوں آلات اپنا اپنا عمل کرتے ہیں ۔ فرض کرو کہ ایک شخص شب کے وقت ایک جنگل میں چلا جا رہا ہے اُس نے دور سے اپنے رستہ پر کسی جانور کو دیکھا ۔ جس کی نسبت کبھی تو اسکا یہ خیال ہوتا ہے کہ یہ شیر ہے اور کبھی سمجھتا ہے کہ کوئی بیل کھڑا ہے ۔ اب فطرۃً انسان کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنے نفع اور ضرر کے پہلوؤں کو سوچے ۔ اگر اسپر ضرر کا پہلو متعین ہو گیا یعنی یہ کہ پھاڑ کھانے والا شیر ہی تو طبعاً اسپر ایک قسم کے خوف یا اجتناب کی کیفیت طاری ہوگی اور اس کی وجہ سے وہ وہاں سے بھاگنے کا ارادہ کریگا ۔ اور اس ارادہ سے اس کی قدرت اور طاقت تحریک میں آئیگی اور اگر اعضاء جسمانی قابو میں ہوئے تو اُلٹے پاؤں وہانسے بھاگنا شروع کریگا ۔ اور اگر یہ شخص اس جانور کو شیر نہ سمجھتا ۔ یا شیر سمجھکر اسکو ایذا پہنچانے والی چیز نہ تصور کرتا تو برابر اپنے شوق میں اُدھر بڑھا چلا جاتا ۔

اس سے یہ امر بدیہی طور پر ثابت ہوا کہ شوق اور خوف ۔ ارادہ اور اختیار ۔ طاقت اور قدرت ہاتھ اور پاؤں وغیرہ (جنکے مجموعہ کو ہم قوت عملیہ سے تعبیر کرتے ہیں) سب کے سب عقول یعنی قوۃ علمیہ کے محکوم اور زیر فرمان ہیں ۔ اور جب عقل مفرد (قوۃ علمیہ) کا کام نافع و مضر کی شناخت یا نیک و بد کی تمیز یا قوت عملیہ کا کام حسب اشارۂ عقل کسی عمل کا وجود میں لانا ٹھہرا تو اول کی حکومت اور دوسرے کی محکومی کے لحاظ سے ان دونوں کے مجموعہ یعنی انسان کا کل کام یہ ہوا کہ سوچ سمجھکر مفید مشاغل میں پڑے اور مضر کاموں سے بچے ۔ اور یہ اُسی وقت ہو سکتا ہے جب کہ دنیا میں اعمال کی تقسیم نیک و بد یا نافع و مضر کی طرف ہو سکتی ہو ۔ کیونکہ اگر علی دنیا سے بھلے بُرے کا فرق بالکل اُٹھا دیا جائے تو قوۃ علمیہ کے کارناموں کے لیے کوئی میدان ہاتھ نہ آئیگا جیسا کہ ہم ابھی بتلا چکے ہیں کہ قوت علمیہ صرف یہی کام کر سکتی ہے کہ مفید اور بہتر کاموں کا ناقص اور مضر کاموں سے انتخاب کرلے اور قوۃ علمیہ کی اس کارگزاری کے لیے دو قسم کے اعمال کا اسکے سامنے پیش ہونا ضروری ہے ۔

اب چونکہ یہ بخوبی ثابت ہو گیا کہ اعمال کی دو قسمیں کیے بغیر انسان کی خلقت ہی بیکار رہتی ہے

تو اسکا بھی سُراغ نکل آیا کہ تمام عالم ہمیشہ سے اس پر متفق کیوں ہی کہ اعمال دو طرح کے ہوتے ہیں نیک اور بد یا دوسرے الفاظ میں نافع اور مضر۔ یہانتک کہ جو ملحد کسی مذہب کے قائل نہیں وہ بھی افعال واعمال کی اس بدیہی تفریق کو تسلیم کرتے ہیں۔

اب جو کچھ گفتگو باقی ہی وہ صرف اس میں ہی کہ اعمال میں نیک و بد اور نافع و مضر کی تعیین کس طور پر کی جائے یعنی یہ کس طرح معلوم ہو کہ یہ فعل اچھا ہی۔ یہ بُرا۔ اس سے راحت پہنچے گی۔ اس سے تکلیف۔ لیکن خوش قسمتی سے جو تقریر مرقوم ہوئی اس سے اس سوال کا جواب بھی کافی حد تک نکل آیا۔ کیونکہ جب عقل یا قوۃ علمیہ اسلیے پیدا ہوئی ہی کہ وہ بھلے اور بُرے یا مفید اور مضر اعمال میں امتیاز قائم کیا کرے۔ تو یقیناً قدرت نے اس میں اس امتیاز صحیح کا ملکہ ودیعت کیا ہو گا۔ اس وجہ سے یہی رائے مضبوط معلوم ہوتی ہی کہ عقل سلیم جس کام کا حکم کرے وہ نافع ہو اور جس سے وہ انکار یا گریز کرے اس میں کوئی مضرت ہو۔

یہاں سے اس کی بھی قوی امید ہوتی ہی کہ اگر خدا کی جانب سے بندوں کی ہدایت کے لیے کچھ احکام نازل ہوں (جنکے مجموعہ کو مذہب کہتے ہیں) تو وہ بھی موبمو عقل سلیم کے موافق ہوں ورنہ خدائے برتر کی دانائی اور متانت پر یہ الزام عائد ہو گا کہ اُس نے عقل کو بھی ہمارے قویٰ پر حکومت عطا کی۔ تاکہ وہ سب اسکے اشاروں پر کام کریں اور رسول کو بھی حاکم بنا کر بھیجا تاکہ اس کی اطاعت کی جائے۔ اور ساتھ ہی دونوں کو متضاد بلکہ متناقض احکام بھی دیدیے جن میں سے ایک کو اقبول کرتے ہیں تو لازمی طور پر دوسرے سے سرتابی کرنی پڑتی ہی۔

غرض اب نہایت باوثوق طریقہ سے یہ طے ہو گیا کہ سچا مذہب وہی ہی جو عقل سلیم کے مطابق ہو۔ اور بقول قاضی ابن رشد کے ہر اُس شخص کو جس کے پاس عقل سلیم موجود ہی اپنی عقل سے کام لینا اور نظر و فکر کے صحیح طریقوں میں غور کرنا چاہیے۔

اور بیشک تمام قرآن اور تمام احادیث کا یہی منشا ہی کہ وہ عقل کے دستور العمل کے موافق تعلیم دیں۔ اور ہر انسان کی عقل جب تک کہ وہ گرد وپیش کے خیالات سے متاثر نہو اور جبتک کہ عقلی صحت کا زائل کر دینے والا کوئی مرض اسکو لاحق نہ ہو اُن ہی سچے اعمال کی ہدایت کریگی جنکے رواج دینے کے واسطے خدا کے صادق القول پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔

لیکن ان تمام مراحل کے بعد بھی ہم کو جس مرحلہ کا طے کرنا ہنوز باقی ہی وہ یہ ہی کہ عقل کے ساتھ سلیم کی قید بڑھانے سے یہ شبہ ہوتا ہی کہ بعض عقلیں غیر سلیم بھی ہوتی ہیں اور جب سلیم کے معنی تندرست کے قرار دیے گئے ہیں تو غیر سلیم اُس عقل کو کہیں گے جو مریض اور بیمار ہو۔

تو یہ ہم ابھی تک نہیں سمجھ سکے کہ تندرست (سلیم) عقل کونسی ہی اور بیمار کونسی۔ آیا عقل کو بھی کوئی مرض لگ سکتا ہی اور اگر بالفرض لگ سکتا ہی تو اسکا علاج کیا ہے۔ اس کے واسطے طبیب کون ہی۔ اور اس کے مرض کی علامات کیا ہیں۔ صرف یہی استفسارات ہیں جو اب باقی رہ گئے ہیں۔ اور ان ہی کے حل ہو جانے پر اس بحث کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے۔ مگر آپ کو ان سوالات کا جواب سننے سے پہلے چند مختصر امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہی۔

(باقی آیندہ)

مفید الوارثین

ضمیمہ میراث المسلمین

میراث المسلمین کو جس شخص نے دیکھا نہایت پسند کیا اور بڑے بڑے علماء نے اُسکے مضامین کی تصدیق اور تعریف فرمائی۔ لیکن اکثر حضرات نے فرمایا کہ مضمون کسی قدر بڑھا دیے جائیں تو نہایت مناسب ہو اس لیے مؤلف صاحب نے نہایت محنت وسعی سے ایک نہایت مفصل اور طویل عام فہم مستقل رسالہ علم فرائض میں تصنیف فرمایا۔ میراث المسلمین کے تمام مضامین کو کامل تشریح اور وضاحت سے لکھدینے کے علاوہ علم فرائض کے فضائل اُس کی حقیقت اسلام سے میراث تقسیم ہونیکا دستور۔ میراث کی ابتدا اُس کے احکام نازل ہونے کے قصے۔ تجہیز و تکفین کا بیان۔ مریض کے اقرار اور وصیت و قرض و طلاق و مہر وغیرہ کا ایسا مفصل بیان جو کسی اُردو کتاب میں موجود نہیں۔ تمام وارثوں کے مفصل اور میراث جدات (یعنی نانی دادی) کی بے مثل تفصیل و تشریح مع عام فہم نقشوں اور فہرستوں کے بعض علمی فائدے مثلاً والدہ کا حصہ والد سے کم کیوں ہی۔ جابجا عام فہم مثالیں عصبات کی تفصیل اور نقشے ہر قسم کے وارثوں کا نقشہ مع دلیل شرعی ذوالارحام کے مختصر صاف اور عام فہم نقشے اور شجرے۔ شریک اور مستقل وارثوں کا بیان۔ حاجب محجوب مفقود۔ موجود۔ محروم وغیرہ کا مستقل بیان۔ ہر ایک وارث کے حالات کو تین تین دفعہ مختلف طریقوں سے سمجھا دیا ہی تاکہ بہت کم استعداد کے مسلمانوں کو بھی نفع پہنچے۔ چھ نقشے نہایت محنت سے مرتب کر کے لگائے ہیں۔ معمولی استعداد کا شخص اس کے مطالعہ سے ہزارہا مسائل تبلانے پر قادر ہوجاتا ہی۔ طالب علمان عربی کے لیے بھی یہ کتاب بہت مفید ہی تمام قواعد اور مسائلے نکالنے کا طریقہ اس سے بسہولت معلوم ہو سکتا ہی

اس کتاب کے چھ حصے ہیں اور کل حصے ایک جگہ ۲۳۲ صفحے پر عمدہ کاغذ پر طبع کیے گئے ہیں قیمت فی جلد ایک روپیہ۔ مجلد ایک روپیہ چار آنہ نہایت عمدہ جلد ایک روپیہ آٹھ آنہ۔

حضرت مولانا اشرفعلی صاحب مدظلہم کی جملہ تصانیف یہاں سے مل سکتی ہیں اور مندرجہ ذیل تین رسالے اطمینان قلبی اور دیدار الٰہی کا شوق دلانے اور اعمال و افعال کی اصلاح کے لیے بے حد مفید ہیں۔

یاد یاراں۔ قیمت ڈیڑہ آنہ۔ **شوق وطن**۔ قیمت ڈہائی آنہ۔ **علاج القحط والوبا** قیمت ۲

جملہ خط کتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم " دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور)

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوگا اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲- کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان کا پرچہ اس مقدار سے بدرجہا زیادہ ہے۔

۳- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپئے آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اسیقدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے

۴- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرماوینگے وہ رسالے کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہیگی۔

۵- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرماچکے جملہ حضرات کیخدمت میں پہلا پرچہ وی پی بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے دو روپیہ نو آنے کا وی پی روانہ ہوگا۔

۶- جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نفرمائیں گے یا وی پی کی اجازت ندینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

۷- جو صاحب دو چار ماہ کے بعد خریدار ہوں گے اُن کی خدمت میں بھی شعبان سنہ ۱۳۲۸ھ سے کل پرچے بھیجکر اُن کو ابتدا ہی سے خریدار سمجھا جائیگا البتہ جو حضرات خاص طور سے تصریح کیساتھ فرماوینگے اُن کو گذشتہ پرچے لینے پر مجبور نہ کیا جائیگا۔

۸- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کیے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کیے جاوینگے جو اصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۹- جملہ خط کتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم " دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند ضلع سہارنپور

رجسٹرڈ نمبر ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی۔ مذہبی۔ اخلاقی۔ ادبی۔ تمدنی۔ تاریخی۔ ماہوار رسالہ

نمبر ۹ — بابت ماہ ربیع الاول سنہ ۱۳۲۹ھ — جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڑھ میں مولوی رشید احمد انصاری مالک مطبع نے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا احمد حسن صاحب امروہی و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شائع ہوتا ہے

اطلاع۔ باوجود چھ ماہ گذر جانے کے متعدد ناظرین کے نام کے ویلیو کی قیمت ڈاکخانہ سے وصول نہیں ہوئی۔ صرف اُن صاحبوں کی تحریر کے اعتماد پر کہ ہم نے ویلیو وصول کرلیا ہی دفتر سے رسالہ اُنکے نام جاری ہے، اب بھی اگر کوئی صاحب ایسے رہ گئے ہوں کہ باوجود ویلیو وصول کرنے اور قیمت ادا فرمانے کے رسالہ نہ پہنچتا ہو وہ بلاتکلف مطلع فرمائیں۔ رسالہ جاری کیا جائیگا۔

جو حضرات تبدیل پتہ وغیرہ کی فرمائش کے ساتھ نمبر خریداری نہیں تحریر فرماتے گو اسوقت تلاش و دقت سے ان کی تعمیل ارشاد کردی جاتی ہی لیکن رسالہ کی روز افزوں ترقی پر نظر کرتے ہوئے آیندہ امید نہیں کہ تعمیل ہو سکے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اصلاح معاملہ بہ قرآن مجید

(حصۂ مضمون سابق مندرجۂ القاسم نمبر ۴ و ۵)

بعض متفرق کوتاہیاں قرآن مجید کے معاملہ میں کہ اسکے الفاظ یا معانی یا نقوش یا اسکے مقاصد و اغراض کے ادب کے خلاف ہیں اور بہی خیال میں آئیں وہ بلا لحاظ کسی خاص ترتیب کے معروض ہیں۔

(۱) بعض کی عادت ہی کہ بچے کا نام رکھنے کے لیے قرآن مجید میں کسی خاص طریق سے جو خود انکا مقرر کیا ہوا یا اُن کے کسی معتقد فیہ سے (عام اس سے کہ اس اعتقاد کا مبنی صحیح ہو یا غلط) منقول ہوتا ہی غور کرتے ہیں تو اتفاق سے اُس موقع پر کوئی نام لکھا ہوا ل گیا تو وہ ورنہ کوئی حرف جو شروع سطر وغیرہ میں مِل گیا لیکر اُس حرف سے جو نام شروع ہو وہ نام معین کر دیتے ہیں اور اگر جاہل ہوئے تو خود سمجھتے ہیں ورنہ دوسرے جاہل کو یوں سمجھاتے ہیں کہ قرآن مجید سے اس نام کا رکھنا نکلا ہی۔ اور بعضے اس نام نکلوائی پر کچھ نذرانہ بھی وصول کرتے ہیں اور جُہلا یہ سمجھکر دیتے ہیں کہ حضرت نے بڑی توجہ سے عالم غیب کا راز منگا دیا ہی ان کی خدمت ضروری ہو گئی ہی۔

قرآن مجید جس غرض کے لیے موضوع و نازل ہوا ہی جس کی تصریح خود کلام مقدس میں ہے، کتابٌ انزلناہ الیک مبارکٌ لیدبروا اٰیاتہ ولیتذکر اولوا الالباب جسکا حاصل

دین کا علم اور عمل ہی اور اگر اسپر کوئی شخص کاربند ہو اور برکت کے لیے اپنی کسی مباح غرض میں بھی اُس سے کچھ اقتباس کرلے تو مضائقہ نہیں بشرطیکہ اس میں کسی حد شرعی سے تجاوز نہو لیکن قرآن مجید سے ان اغراض میں ایسے طور پر کام لینا کہ گویا قرآن اسی کام کا رہ گیا ہی جسکا قرینہ اور علامت یہ ہی کہ اسکے علم اور اسپر عمل کی طرف کبھی توجہ نہ کی جائے۔ مگر ایسے موقعوں پر قرآن یاد آئے۔ کیا یہ ظلم و وضع الشی فی غیر محلہ نہیں ہی۔ پھر اُسپر اور مزید اگر یہ سمجھا کہ اس بچہ کا یہ نام ہوتا یہ مفہوم قرآنی ہی کیا یہ افترا علی اللہ نہیں ہی۔ خاصکر وہ دوسری صورت کہ اگر حرف خ نکل آیا تو خدا بخش نام کو قرآن مجید کی طرف منسوب کرنا افترا در افترا ہی۔ پھر اُسپر کچھ وصول کر لینا "کریلہ اور نیم چڑھا" کی مثل کا مصداق ہی۔ کیا یہ اشترار دنیا بالقران کی اقبح الافراد نہیں ہی۔

اگر نام برکت کا مقصود ہی اوّل تو وہ قرآن کے ایسے مطالعہ پر موقوف نہیں حضرات انبیاء علیہم السلام کے نام پر نام رکھدو۔ اسماء حسنیٰ الٰہیہ میں سے کسی نام کے ساتھ عبد لگا کر رکھدو۔ بالخصوص عبداللہ وعبدالرحمٰن کی بالتعیین ترجیح وارد ہی اور اگر قرآن سے ہی اس نام کا تلبس مقصود ہی تو کسی عالم محقق سے رجوع کیجیے وہ قرآن کے کسی مضمون یا کسی لفظ کی مناسبت کے لحاظ سے خواہ قرآن دیکھکر ایسے طریقہ سے کہ اس میں غلو نہو جیسا عنقریب نمبر ۲ میں آتا ہی یا قرآن کے بے دیکھے کسی اپنی محفوظ آیت سے کوئی نام بتلا دینگے نہ تلبس کی ضرورت اور نہ اس اعتقاد کی اجازت کہ قرآن میں اس نام رکھنے کا حکم نکلا ہی۔

اس قسم کی خرابیاں اُن بندگان زر نے پھیلائی ہیں جو عوام کی نظر میں کوئی دینی امتیاز رکھتے ہیں۔ مثلاً خود مکر و فریب سے پیر بن گئے ہیں یا کسی بزرگ کی اولاد میں ہوئے فی الواقع یا بالادعا ایسے امور کی نسبت حضرت عارف شیرازی کا ارشاد ہی ؎ دام تزویر مکن چوں دگراں قرآں را۔

(۲) بعضے کسی مقصد مباح یا غیر مباح میں اوفق بالمصلحۃ پہلو کی تعیین کے لیے اور بعضے اس سے بڑھکر کسی گذشتہ واقعہ کے معلوم کرنے کے لیے قرآن مجید میں فال دیکھتے ہیں اور

اسکے کسی مضمون سے اپنے مطلب کے مناسب کوئی بات نکال لیتے ہیں اور اس کی صحت کے معتقد ہوتے ہیں۔ افسوس یہ آفت نیم علم لوگوں میں ہی کیونکہ بے علم آدمی مضمون ہی کو نہیں سمجھے گا جو ماخذ ہی فال کا۔ بخلاف امر اول کے کہ نام لکھا ہوا دیکھ لینا یا کسی حرف کا کوئی نام سوچ لینا یہ تو عامی بھی کر سکتا ہی۔ ہاں زبردستی کوئی بے علم یہاں بھی بین السطور ترجمہ دیکھکر یا کسی ذی علم سے اُس آیت کا ترجمہ پوچھ کر نیم علموں میں داخل ہو جائیں تو اور بات ہی۔ بہرحال یہ کام وہ کریگا جو اول قرآن کو اُلٹا سیدھا کچھ سمجھے اس لیے ان لوگوں پر زیادہ افسوس ہی اور اُس تا تمام عملسے اسکو استخارہ پر قیاس کیا جاتا ہی جب مقیس علیہ ثابت تو مقیس بھی جائز۔ اور بعض فال دیکھنے والوں کا یا اکثر اُن عام لوگوں کا جو جلسۂ فال میں موجود ہوں یہ اعتقاد ہوتا ہی کہ گویا خدا تعالیٰ نے قرآن سے یہ خبر دیدی ہی تو اب اس میں احتمال نقیض کا احتمال محال ہی اور نہایت جرأت سے کہتے ہیں کہ واہ صاحب کیا قرآن میں غلط لکھا ہی۔ افسوس ان حرکات پر ہنسی شروع ہو کر اخیر میں رونا آتا ہے۔

خوب سمجھ لینا چاہیے کہ نمبر (۱) میں جو بعض شکایتیں مذکور ہوئی ہیں کہ قرآن مجید کے علم و عمل کو چھوڑ کر اُس سے یہ کام لینا یا اسکو مدلول قرآنی اور فرمودۂ حق سمجھنا جو کہ افراط ظلم و افترا ہے ہیں یہاں بھی یاد دلائی جاتی ہیں کہ دونوں جگہ مشترک ہیں اور انکے علاوہ اور بھی بعض خاص تنبیہات قابل عرض ہیں۔

مثلاً اس میں اس اعتقاد کے ساتھ کہ قرآن مجید میں اس واقعہ کے متعلق یہ خبر نکلی ہی، قرآن مجید میں تحریف معنوی لازم آتی ہی کیونکہ ظاہر بات ہی کہ قرآن کی تفسیر دوسری ہی جس میں یہ واقعہ ہرگز داخل نہیں اور اگر کسی پڑھے جن کو یہ شبہ ہو کہ قرآن مجید میں تمام علوم ہیں جیسا کسی بزرگ کا قول ہے۔ ؎

جمیع العلم فی القرآن لکن تقاصر عنہ افہام الرجال

سو یہ واقعہ بھی اس میں ضرور ہی۔ چنانچہ بعض اہل کشف نے قرآن مجید سے قیامت تک کی

پیشنگوئیاں کی ہیں اور وہ صحیح بھی ہوئی ہیں سو جواب یہ ہی کہ قرآن مجید میں تمام علوم ہونیکے یہ معنی ہی مسلّم نہیں کہ علم کونیات کو بھی عام ہی بلکہ وہ علم شرعیات ہی کہ قرآن اُسکے تمام اصول پر حاوی ہی مگر وجہ دلالت وطریق استنباط بعض علوم میں غامض ہی کہ بعضے علماء بھی نہیں سمجھ سکتے اسلیے دوسرے حجج کی حاجت واقع ہوئی۔ رہا بعض عرفا کا کچھ کونیات کو مستنبط کرنا تو وہ از قبیل تفسیر نہیں ہی جیسا اہل فال کا اعتقاد ہی بلکہ از قبیل تعبیر ہی کہ اصول اسکے خود دقیق ہیں جو اہل فال کے خواب میں بھی نہیں آئے اور باوجود اس تمام دقت کے پھر وہ ظنی ہیں کیونکہ وہ خود اصول ہی کشفی ہیں جنکے ظنی ہونے پر اہل حق کا اتفاق اور اُنکے کلام میں اس کی تصریح ہی۔ پھر اس فال دیکھنے والے کو بزرگوں کے اس قول وعمل سے انتفاع کا کیا حق رہا۔

اور مثلاً اسکا استخارہ پر قیاس کرنا کہ محض قیاس باطل ہی کئی وجہ سے۔ ایک تو یہ کہ استخارہ دلیل شرعی سے ثابت ہی اور یہ بقیود مذکورہ کسی دلیل صحیح سے ثابت نہیں۔ دوسرے یہ کہ خود مقیس علیہ بھی واقعات گذشتہ کی تحقیق کے لیے نہیں۔ مثلاً کسی کے یہاں چوری ہوجائے تو استخارہ اس غرض کے لیے نہ جائز اور نہ مفید کہ چور معلوم ہوجائے جیسا فال والے اس قسم کی حکایتوں کو نہ بطور ظرافت کے بلکہ بطور اعتقاد کے بیان کیا کرتے ہیں کہ کسی بادشاہ کا موتیوں کا ہار گم ہوگیا تھا اُس نے دیوان حافظ میں فال دیکھی رات کا وقت تھا چراغ ایک کنیز کے ہاتھ میں تھا۔ یہ مصرعہ نکلا "چہ دلاورست دزدے کہ بکف چراغ دارد" بس فوراً بادشاہ نے اسی کنیز کو پکڑلیا۔ اور تلاشی لینے سے اسکے پاس برآمد ہوا۔ اول تو ان قصوں کی کوئی سند صحیح نہیں۔ ثانیاً اگر ایسا واقع ہوا تو اتفاق پر محمول ہوگا کیونکہ ملازمت کی کوئی دلیل نہیں اور اگر تجربہ سے ملازمت پر استدلال کیا جائے تو ہم بطور معارضہ کہتے ہیں کہ اگر دوبار ایسا ہوا ہی تو بیس بار اسکے خلاف ہوا کہ فال میں کچھ نکلا اور واقعہ کچھ اور تھا تو تجربہ یعنی تکرار مشاہدہ سے ملازمت ثابت ہوئی یا عدم ملازمت؟ غرض فال کا

مفیض علیہ یعنی استخارہ واقعہ گذشتہ کے علم کے لیے نہ مفید اور نہ جائز. تا بفال چہ رسد۔ اور اگر کوئی استخارہ کو اس غرض کے لیے سمجھے ہوئے ہی تو وہ اپنے غلط خیال کی اصلاح کرے کہ بالکل اعتقاد باطل ہی اور یاد رکھنا چاہیے کہ جس طرح اس سے واقعہ گذشتہ نہیں معلوم ہوتا ہے اسی طرح واقعہ آیندہ بھی کہ فلاں بات یوں ہو گی معلوم نہیں کیا جا سکتا. بس استخارہ کا صرف اتنا اثر ہے کہ جس کام میں تردد ہو کہ یوں کرنا بہتر ہی یا یوں۔ یا یہ کہ کرنا بہتر ہی یا نہ کرنا. تو اس عمل مسنون سے (کہ حاصل اسکا دعا ہی اس امر کی کہ جو میرے لیے مصلحت ہو میرا قلب اسپر مطمئن ہو جائے اور ویسا ہی سامان غیب سے ہو جائے) دو اثر ہوتے ہیں. قلب کا اُس شق پر مجتمع ہو جانا اور اُس مصلحت کے اسباب میسر ہو جانا. بلکہ خواب نظر آنا بھی ضروری نہیں۔ من قال سوی ذالک فقد قال محالا۔

اور بعض بزرگان دین سے جو بعضے استخارے اس قسم کے منقول ہیں جس سے واقعہ صراحۃً یا اشارۃً خواب میں نظر آجائے سو وہ استخارہ نہیں ہی بلکہ خواب نظر آنے کا عمل ہی. پھر یہ اثر بھی اُسکا لازمی نہیں. خواب کبھی نظر آتا ہی کبھی نہیں. اور خواب بھی اگر نظر آیا تو وہ محتاج تعبیر ہی اگرچہ صراحت سے نظر آئے. پھر تعبیر بھی جو کچھ ہو گی وہ ظنی ہی یقینی نہیں۔ اس میں اتنے شبہات تو تو ہیں۔ پس اسکو استخارہ کہنا یا مجاز ہی اگر اُن بزرگوں سے یہ تسمیہ منقول ہو۔ ورنہ اغلاط عامہ سے ہے اسلیے محققین ایسے امور اپنے خاص ہی لوگوں کو بتلاتے ہیں کہ اُنکے قلوب بھی منور ہوتے ہیں اور عقائد بھی مطہر ہوتے ہیں. طہارت عقیدہ کی بدولت غلو فی الدین سے محفوظ ہوتے ہیں۔ اور نورانیت قلب کے سبب اُنکا انکشاف و منام راجح الصدق ہوتا ہی جو حقیقت ہی ظن کی ورنہ عوام پر تو اضغاث[1] احلام ہی غالب ہوتے ہیں۔

اور مثلاً ایسی فال وغیرہ کی بنا، اور اعتماد پر کسی مسلمان سے بدگمان ہو جانا اور کسی قول یا فعل یا خیال غیر مشروع کا مرتکب ہو جانا یہ خاص خرابیاں اس عمل فال میں ہیں اور یہی حکم ہی عارفین کے

[1] پریشان خواب و خیال ۱۲

کلام سے فال لینے کا۔ غرض یہ عمل مروج طریق پر بالیقین مذموم ہی۔

اگر کسی طالب علم کو وسوسہ ہو کہ اس تقریر سے تو فال کا محض بے اصل ہونا ثابت ہوتا ہے حالانکہ احادیث میں صاف موجود ہی یعجبہ الفال الصالح۔ او نحوہ اسی طرح اکثر بعضے معتبر بزرگوں سے قرآن یا کلام عرفاء سے تفاول منقول ہی۔ تو جواب اسکا یہ ہی کہ منشار اس شبہ کا اشتراک لفظی ہی۔ ایک شریعت کی اصطلاح ہی وہ ثابت اور ایک غلاۃ کی اصطلاح ہی وہ غیر ثابت اس ثابت بالسنۃ وعن الاکابر کی اصل اتنی ہی کہ کسی شخص کو کچھ تشویش یا فکر ہی اسوقت اتفاق سے یا کسی قدر قصد سے کوئی لفظ خوشی وکامیابی کا اسکے کان میں پڑا یا نظر سے گذرا تو رحمت الٰہیہ سے جو امید ہر مسلمان پر فرض ہی اور اسکو ہی پہلے سے تھی وہ اس لفظ سے اور قوی ہوگئی۔ پس حاصل سکا تقویت رجاء رحمت ہی اس سے آگے اختراع اور ابتداع ہی۔

(۳) بعضے قرآن مجید کو ناجائز اغراض میں بطور عملیات برتتے ہیں یہ تو عملی تقصیر ہی اور پھر غضب یہ کہ اسکو برا نہیں سمجھتے اور یوں کہتے ہیں کہ صاحب ہم کوئی سفلی عمل تو نہیں کرتے قرآن کی آیتیں پڑھتے ہیں۔ یہ علمی یعنی اعتقادی تقصیر ہی۔ اول تو اگر جائز ہی اغراض میں عملیات کے طور پر مگر غلو کے ساتھ برتتے۔ یعنی نہ علم سے غرض رکھے نہ عمل سے۔ جب قرآن کی آیتیں ڈھونڈھی جائیں تو اسی غرض سے کہ اس سے دنیا کا فلاں کام ہو جاتا ہی اور اس سے فلاں مطلب نکلتا ہی جیسے بعض امراء کے گھر میں اسی غرض سے رکھا رہتا ہی کہ جب کوئی بیمار ہو گیا اسکو قرآن کی ہوا دیدی۔ یا ایک مصحف نہایت خفی قلمی یا مطبوع تعویذ بنا ہوا رکھا رہتا ہی جب کوئی مریض ہوا گلے میں ڈالدیا ومثل ذلک۔ اسکا بھی اُس تقریر سے جو نمبر اول میں مذکور ہی غیر مرضی ہونا ثابت ہی اور اگر وہ اغراض بھی ناجائز ہوں جیسے یٰسین پڑھکر چور کا نام نکالنا یا ناجائز موقع پر محبت کی تدبیر یا زوجین میں یا باہم اقارب میں تفریق کی یا بلا اذن شرعی مطلق دو شخصوں میں تفریق کی تدبیر کرنا یا کسی کو ہلاک کر دینا یا دست غیب کے لیسے عمل کرنا کہ روپیہ رکھے ہوئے ملجایا کریں یا جنات کو تابع کر کے اُنسے کام لینا گو جائز ہی کام ہو اور ناجائز کا تو کیا پوچھنا پس اگر ایسے ناجائز اغراض ہوں تو ناجائز

کام کے قصد و اہتمام کا معمولی گناہ تو ہی ہی جو سب جانتے ہیں۔ یہاں گناہ اسلیے اور بھی شدید ہو جائیگا کہ اس شخص نے کلام پاک کو ناپاک غرض کا آلہ بنایا۔ بس اس کی ایسی مثال ہوگئی جیسے نعوذ باللہ کوئی قرآن کو بازاری عورت کی خرچی میں دیکر موںھ کالا کیا کرے۔ کوئی مسلمان جس میں ذرا بھی دین کی عظمت ہو اسکو جائز سمجھ سکتا ہی؟ اور اگر ان اغراض کے ناجائز ہونے میں خفا رہو تو مفصلاً اہل فتوی سے تسلی کر لیجیے۔ مختصراً اتنا یہاں بھی لکھے دیتا ہوں کہ اول تو چور کا نام نکلنا اُس عمل سے کچھ تعلق نہیں رکھتا۔ یہ عامل کے یا کسی صاحب مجلس کے خیال کا تصرف ہی اسکا سمجھنا مسمریزم جاننے پر موقوف ہی۔ اور حاضرات وغیرہ جو عامل لوگ کرتے ہیں وہ اگر سب نہیں تو اکثر تو اسی قبیل سے ہیں تو اس صورت میں قرآن پڑہنا یہ بڑا دھوکہ دینا ہی۔ پھر یہ کہ جو نام نکلتا ہی اسکے صحیح ہونے کی کوئی دلیل نہیں۔ اکثر ایسا ہوتا ہی جب چاہے آزما لیا جائے کہ ایک عامل کے عمل سے ایک شخص کا نام نکل آیا دوسرے کے عمل سے دوسرے شخص کا۔ مگر جو شخص پہلے کو چور سمجھتا ہو وہ اس دوسرے عامل کے پاس سے اُسوقت بالکل علیحدہ ہو جانا چاہیے۔ جب یہ ایسی بودی بنیاد ہی تو کسی شخص کو محض اس بنیاد پر چور سمجھ لینا یقیناً یا ظناً کہاں جائز ہوگا۔ پھر اگر اُسپر تشدد کیا یا زبان سے اور ونکے روبرو اسکا نام لیا تو یہ گناہ اور بڑہنے شروع ہوئے۔ اور جب وبعض مذکورین اور اہلاک کا ناجائز ہونا تو محتاج بیان نہیں۔

شاید دستِ غیب بالمعنی المذکور یا تسخیر جنات بغرض مباح میں شبہ ہو تو سمجھ لیجے کہ اس دست غیب میں یہ ہوتا ہی کہ جنات اس کام پر مسلط ہو جاتے ہیں کہ بعضے عمل میں تو وہی روپیہ جسکو یہ خرچ کر چکا ہی وہ جہاں بھی ہو وہاں سے اُٹھا لاتے ہیں اور بعض عمل میں دوسرا روپیہ جس جگہ سے انکے ہاتھ آئے نکال لاتے ہیں سو اس کی تو ایسی مثال ہی جیسے کوئی شخص خاص اس کام کے لیے آدمیوں کو نوکر رکھے کہ چوری کر کر کے مجکو دیا کرو۔ اُسنے یہی کام جنات سے لیا۔ اور چوری کے ناجائز ہونیکا کسکو انکار ہو سکتا ہی۔ اور اگر شبہ ہو کہ ممکن ہی کہ وہ جن اپنے پاس سے لے آتے ہوں تو چوری کہاں ہوئی سو اول تو امکان سے دوسرے احتمالات کی نفی نہیں ہو سکتی۔ دوسرے اگر اپنے ہی پاس سے لاویں تب بھی ظاہر ہی کہ خوشی سے نہیں لاتے ورنہ

اوروں کو لا کر کیوں نہیں دیتے۔ محض جبر عمل سے لاتے ہیں۔ تو کسی کو مجبور کرنا کہ اپنا مال مجکو دیدے خود حرام ہی۔ اور اس تقریر سے تسخیر جنات کا ناجائز ہونا سمجھ میں آجائیگا یعنی کسی آدمی سے جو نہ اسکا غلام شرعی ہو نہ نوکر ہو نہ اسکے زیر تربیت ہو کوئی کام جبرًا لیا جائے گو وہ کام گناہ کا نہ ہو تو یہ ظلم اور تعدی ہے اس عامل نے اسی طرح اس جن سے کام لیا ہی جو عمل سے مقہور ہو چکا ہی۔ اور یہ وسوسہ تو نرا جاہلانہ ہے کہ اسماء وکلمات الٰہیہ سے عمل چلانا کیسے گناہ ہو گیا۔ دیکھیے اگر کوئی شخص بڑا مجلد قرآن زور سے کسی کے سر میں اس طرح مارے کہ وہ مرجاے تو کیا یہ قتل اسوجہ سے کہ بواسطہ قرآن مقدس کے ہوا ہی جائز ہو جائیگا اور کیا عدالت اسپر دار وگیر نہ کرے گی کہ اُسنے تو قرآن سے مارا ہی اس لیے مجرم نہیں بس اسی سے اسکو بھی سمجھ لیجے۔ البتہ اگر قرآن مجید کے علم واتباع کو اصلی کام سمجھکر اسپر کاربند ہو اور کسی موقع پر کسی جائز کام کے لیے کوئی آیت پڑھ لکھ لے تو ناجائز نہیں۔

(۴) بعض لوگوں نے قرآن مجید کو آلہ کسب دنیا وجلب مال کا بنا رکھا ہی مختلف طور سے۔ بعض تو تراویح میں اُجرت پر سُناتے پھرتے ہیں۔ بعضے مُردوں پر تیجے میں یا چالیسویں تک یا اسکے بعد بھی پڑھنے کا پیشہ کر لیتے ہیں۔ انکا ناجائز ہونا بکرات ومرات علماء کے فتاوی میں طے ہو چکا ہی۔ اور بعض تو اور بھی غضب کرتے ہیں۔ یعنی یہ بھی نہیں کہ صرف عقد اجارہ کے بعد ہی پڑھا کریں بلکہ پہلا جو پڑھا ہوا ہی اسکو کچھ لے کر بخشتے ہیں۔ یہ تو اچھا خاصہ مبادلہ اور بیع ہی جو اُس اجارہ سے بھی بڑھکر ہے کہ اجارہ میں بعض اہل تحمل تاویل تو چلاتے ہیں گو چلتی نہیں۔ یہاں تو اسکی بھی گنجایش نہیں۔ اور بعضے اسکے مطالب کے بیان یعنی وعظ پر نذرانہ لیتے ہیں اور فی نفسہ اسکے جائز وناجائز ہونے میں تو سردست اسلیے کلام نہیں کرتا کہ اس میں طول ہی لیکن جو ہیئت اس کی شائع ہی کہ اسکو پیشہ مستقل بنا لیا ہے اسی لیے سفر کرتے ہیں۔ زبان سے مانگتے ہیں۔ جس امر حق سے نذرانہ میں کمی آنے کا اندیشہ ہو اسکو بیان نہیں کرتے اور اس حرفہ میں سہولت دیکھکر سیکڑوں جاہل واعظ بنکر خلق خدا کو گمراہ کر رہے ہیں۔ کیا ان مفاسد پر نظر کرکے بھی اسکو جائز کہا جا سکتا ہی۔ البتہ تعلیم قرآن کی نوکری اور اسی طرح وعظ کی نوکری اس میں اگر اور کوئی خرابی نہ ملاے تو مضائقہ نہیں۔

(۵) قرآن مجید کی آیات کو بعض اوقات غیر معانی مقصودہ میں نطقاً یا کتابۃً برتا جاتا ہی
مثلاً جنتری پر یہ آیت لکھدی لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم۔ جسکا حاصل یہ دعویٰ ہے کہ
ہماری جنتری احسن تقویم یعنی عمدہ جنتری ہی۔ یا کسی کتاب کی لوح پر کوئی آیت لکھدی جسمیں مطبع
یا صاحب مطبع کے نام کے مناسب کوئی لفظ یا معنی ہوں۔ یا کوئی شخص گذرا۔ گذرا ہے بارو
یہ کہدیا کہ اسکی مذمت قرآن میں ہی باءُوا بغضب من اللہ یہ سب تحریف ہی جس سے توبہ واجب ہے
اور بعض اوقات اسمیں بعضے اہل علم جنکو کسی دوسرے فن میں زیادہ غلو و انہماک ہوتا ہی مبتلا
ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ احقر نے ایک معقولی کے کلام میں اس جملۂ قرآنیہ الا لنعلم من یتبع الخ کے
مشہور اشکال کے جواب میں یہ توجیہ دیکھی ہی کہ مراد یہاں علم تفصیلی ہی جو حادث ہی پس اب وہ اشکال
نرہا۔ حالانکہ یہ کھلی تحریف ہی کیونکہ اصطلاح معقول پر علم تفصیلی عین معلومات ہی تو اسکو علم کہنا محض
اصطلاح ہی بطور اُسکے علم کے ہوگیا ہی سو وہ معنی مصدری نہیں ہی کہ اُس سے نعلم کا اشتقاق
ماننا صحیح ہو۔ اور علم تفصیلی جس سے نعلم مشتق ہو سکتا ہی وہ معنی مصدری لغوی ہی اور اسکے
معنی ہیں انکشاف ایک جزئی کا سو وہ جب حق تعالیٰ کی طرف منسوب ہوگا اسکا مصداق و منشأ
انتزاع قدیم ہوگا اور اسکے مقابل جو اجمالی ہی اللہ تعالیٰ اُس سے منزہ ہی اور جو علم اجمالی اہل معقول کی
اصطلاح ہی وہ عین ذات ہی۔ سو ان اصطلاحوں کے خلط سے کسقدر خبط ہوگیا۔ اسی طرح صوفیہ
کی تفسیر کو تفسیر سمجھنا ناجائز ہی۔ تحقیق اس کی احقر نے کلید مثنوی میں لکھی ہی۔ اور اقتباس ہمارے اس
مبحث سے خارج ہی کہ حقیقت میں اسکا ایراد من حیث القرآن نہیں ہی بلکہ تشبیہ بالوارد فی القرآن
ہی وشتان بین التمثیل والتبدیل۔

(۶) بعض لوگ قرآن کو بے وضو چھوتے ہیں یا لکھتے ہیں اس میں کاپی نویس اور تعویذ
لکھنے والے بہت مبتلا ہیں۔ اسی طرح ورق بردار اور پتھر جانے والے یا پریسمین ان سب کو باوضو
رہنا چاہیے ورنہ پاک کپڑے سے چھوویں۔

(۷) بعضے لوگ قرآن مجید کو پشت کی طرف یا اپنی نشست کی جگہ سے نیچے یا مبتذل جگہ پر

رکھدیتے ہیں یا قرآن کے اوپر کوئی کتاب یا قلم دوات وغیرہ رکھدیتے ہیں یا قرآن میں دوسری کاغذات یا غلاف میں قرآن کے اوپر عینک وغیرہ رکھدیتے ہیں یہ سب خلاف ادب ہی البتہ سفر میں اگر اسباب و صندوق وغیرہ میں مستور ہو تو مجبوری بعض آداب میں تخفیف ہوجاتی ہی۔ اسی طرح اُسپر بہت مبتذل میلے کپڑے کا غلاف باوجود وسعت بدلنے کے ایک گونہ قلتِ ادب ہی گو درجۂ حرمت تک نہ سہی۔

(۸) قرآن مجید جب ایسا کہنہ ہوجائے کہ اُس سے انتفاع ممکن نہو تو اُسکو پاک جگہ دفن کردینا چاہیے مگر اُسپر مٹی نہ ڈالے بلکہ جس طرح مسلمان میت کی قبر میں تختے وغیرہ رکھکر مٹی دیتے ہیں۔ اسی طرح کرنا چاہیے۔ ایسے ہی اگر کوئی قرآن ایسا غلط لکھا ہو کہ صلاح دشوار ہو تو اسکو بھی دفن کردینا چاہیے۔ اسمیں اکثر لوگ جو سستی کرتے ہیں وہ دریدہ ہوکر منتشر ہوجاتا ہی اور افسوس ہی کہ وہ ردی میں جاکر دواؤں کی پڑیوں میں یا بچوں کے بعض کھلونوں میں استعمال کیا جاتا ہی ایسا کرنا ہم لوگوں کی کتنی بے غیرتی ہی۔

(۹) جس روشنائی میں کسی نجس چیز کا میل ہو اُس سے قرآن لکھنا یا جس کپڑے میں ایسا قوی شبہ ہو اُسکا غلاف بنانا۔ یا جس وارنش میں ایسی چیز ہو اسکو جلد پر ملنا یہ سب گناہ ہی۔ چنانچہ ظاہر ہی۔

(۱۰) قرآن کی کتابت یا طبع میں تصحیح کا اہتمام نہ کرنا یہ ایسی بلا کی بات ہی جسکا ضرر دور تک اور دیر تک وبال جان رہیگا جتنے لوگ پڑھینگے اور جبتک (خواہ سو دو سو برس کیوں نہوں) یہ مصاحف رہیں گے اس بانی مسبب کو اس گناہ کا حصہ ملتا رہیگا۔

اسوقت ذہن میں یہی امور عشرہ حاضر ہوئے لیکن اگر کوئی امر رہ بھی گیا ہوگا تو انشاء اللہ تعالیٰ ان میں جو اُصول کی جابجا تقریر ہوئی ہی وہ امر بھی اُن میں داخل ہوگا۔ واللہ الموفق لکل ما یرضی اللھم وفقنا لما تحب وترضی

کتبہ اشرف علی

۱۸۔ محرم جمعہ ۱۳۲۹ھ

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

نمبر ۳

مسیلمہ جس غرض اور مطلب کے واسطے مدعی نبوت بنا تھا اسکا حال اسی خواہش سے ظاہر ہوتا ہی۔ مسیلمہ کا فتنہ زیادہ بڑھا۔ اسکے ساتھ گو مجمع کثیر تھا بہت سے قبائل اسکے پیرو تھے۔ مگر اس کی نبوت کا یقین کرنے والے بہت کم تھے۔ خود اسکا موذن اذان میں یہ الفاظ کہتا تھا اشھدُ انَّ مسیلمۃ یزعمُ انَّہٗ رسول اللہ (میں گواہی دیتا ہوں کہ مسیلمہ اپنے آپ کو خدا کا رسول سمجھتا ہے) یہ اشارہ مسیلمہ سے بھی مخفی نہ رہا ایک روز اذان سُنکر کہنے لگا افصح یا حجیر فانی الجمجۃ خیر (اے حجیر صاف صاف اقرار کر کیونکہ ایسی گول مول بات میں کچھ نفع نہیں)

بہت لوگ مسیلمہ کی حقیقت سے واقف تھے مگر اسکو بناتے تھے۔ ایک شخص نہار الرجال نام مرتد ہوکر اسکے یہاں پہنچا اور لوگوں سے یہ کہدیا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے میرے سامنے کہا ہی کہ مسیلمہ کو میرا شریک رسالت میں بنایا گیا ہی۔

ایک دفعہ اسی شخص نے مسیلمہ سے کہا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بچوں کے سروں پر برکت کے لیے ہاتھ پھیرتے تھے اور تحنیک (یعنی خرما چبا کر تالو میں لگا دینا) کرتے تھے۔ تم بھی ایسا کرو۔ کذاب کی برکت دیکھیے اُسنے ایسا کیا تو جس بچے کے سر پر ہاتھ پھیرا وہ گنجا ہو گیا اور جسکو تحنیک کی اس کی زبان میں لکنت پیدا ہو گئی۔ ایک عورت نے آکر کہا کہ ہمارے باغوں اور کنوؤں کے لیے دعا کرو کہ خوب پھل لانے لگیں اور اچھی طرح پانی دینے لگیں مسیلمہ نے نہار سے بلا کر پوچھا اُسنے کہا بیشک محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دعا کی تھی اور کنوؤں میں پانی کی کُلّی بھی کی تھی جس سے درخت اچھی طرح پھل لانے لگے تھے

اور کنوؤں میں بکثرت پانی ہوگیا تھا۔ مسیلمہ نے ایسا کیا تو درخت سوکھ گئے اور رہا سہا پانی بھی خشک ہوگیا۔

اسکے اکثر متبعین بھی خوب جانتے تھے کہ یہ کذاب ہے مگر تعصب قومی نے اُنکو ساتھ دینے پر مجبور کیا۔ چنانچہ طلحہ نمری نے مسیلمہ سے پوچھا تو اُسنے اپنے اوپر وحی آنے کا حال بیان کیا کہ اندھیرے میں ایک شخص آکر مجکو تلقین کرتا ہی طلحہ نے کہا کہ اشھد انک کاذب وان محمدًا صادقٌ ولکن کذاب ربیعة احبُّ الینا من صادق مضر (میں گواہی دیتا ہوں کہ تو جھوٹا ہی اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) صادق ہیں۔ مگر قوم ربیعہ کے جھوٹے کو ہم مضر کے صادق سے زیادہ پسند کرتے ہیں) ایسے مدعیٔ نبوت کا جو انجام ہونا چاہیے تھا وہی ہوا۔

یمامہ پر مسیلمہ سے مسلمانوں کا ایک سخت مقابلہ ہوا جس میں مسلمان بھی بہت زیادہ شہید ہوئے اور اسکا اختتام مسیلمہ کے قتل پر ہوا۔ یمامہ کے معرکہ کا ایک واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لشکر میں ایک شخص برار بن مالک تھے۔ اُن کو لڑائی کے موقعہ پر کبھی یہ بات پیش آتی تھی کہ تمام بدن میں اس قدر لرزہ پیدا ہوتا تھا کہ لوگ اُن کو دباکر بیٹھتے تھے اسکے بعد اُن کو پیشاب آتا تھا۔ پیشاب آنے کے بعد شیر کی طرح جوش میں بھر جاتے تھے۔ جب مسیلمہ مسلمانوں کے مقابلہ سے بھاگ کر معہ اپنے لشکر کے قلعہ حدیقہ میں پناہ گزیں ہوا تو برار کو یہ کیفیت پیش آئی۔ پیشاب کرنے کے بعد جوش میں بھرے تو مسلمانوں سے کہا کہ مجھے دیوار پر چڑھا کر قلعہ کے اندر ڈالدو۔ لوگوں نے کہا کہ ہم ایسا نہیں کرسکتے اُنھوں نے اصرار کیا اور قسم کھا بیٹھے تب مجبور ہوکر سب نے اُن کو دیوار پر چڑھا دیا اور وہ تن تنہا قلعہ کے اندر کود گئے اور بہت دیر لڑائی کے بعد قلعہ کا دروازہ کھولدیا۔ مسلمان مظفر و منصور قلعہ میں داخل ہوگئے اور قلعہ کے اندر مسیلمہ مقتول ہوا۔ بجز اُن مرتدین کے جو کسی معرکے میں قتل ہوگئے تھے اکثروں کو اسلام کی کشش نے دوبارہ اپنی طرف کھینچ لیا۔ اور وہ بصدق دل مسلمان ہوکر آخر وقت تک اسلام اور مسلمانوں کے سچے جان نثار رہے۔

سجاح کا دعویٰ نبوت اور پھر مسلمان ہوجانا

خودسری اور ہوس خام کا مرض اتنا بڑھا کہ عورتیں بھی دعویٰ نبوت کر بیٹھیں۔ سجاح قبیلہ تمیم کی عورت تھی۔ اپنی نانہال یعنی بنی تغلب میں رہتی تھی۔ دعویٰ نبوت کے بعد بڑی شان و شوکت اور آن بان کے ساتھ بہت سا لشکر لیے ہوئے اپنی قوم یعنی بنی تمیم کی طرف آئی۔ بنی تغلب عیسائی تھے اُن کا سردار ہذیل بن عمران اپنا مذہب چھوڑ کر اور بنی تغلب کو ساتھ لیکر سجاح کے ساتھ ہوگیا بنی تمیم کی حالت خود بخود مخدوش تھی۔ بہت سے اسلام پر پختگی سے قائم تھے اور بعض بعض تذبذب میں تھے وہ آپس کے قصہ میں مشغول تھے کہ سجاح مدعیٔ نبوت بن کر آئی۔ بنی تمیم کو سخت آفت کا سامنا ہوگیا۔ بعض نے تو سجاح کا ساتھ دیا۔ اور بہت سے علیحدہ رہے۔ سجاح کا قصد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے لڑنے کا تھا لیکن اُس نے پہلے مسیلمہ سے نبٹ لینے کو مقدم سمجھ کر یمامہ کا قصد کیا۔ مسیلمہ کو سخت فکر ہوا کہ اگر سجاح کے ساتھ لڑائی میں مشغول ہوا تو مسلمان یمامہ پر قبضہ کرلیں گے۔ اسلیے اُسنے ایک تدبیر سے سجاح کے ساتھ مصالحت کی ٹھہرالی۔ اُس سے یہ کہا کہ نصف زمین ہمارے لیے تھی اور نصف قریش کے لیے لیکن قریش نے بوجہ ناانصافی نصف پر قناعت نہ کی اب وہ نصف تجکو دیجاتی ہے اور اسکے بعد نکاح کا پیام دیدیا۔ سجاح رضامند ہوگئی۔ نکاح ہوگیا۔ سجاح کے متبعین کو معلوم ہوا تو اُنھوں نے کہا کہ مسیلمہ نے تجکو مہر میں کچھ نہیں دیا اُس سے مہر کا مطالبہ کر۔ سجاح نے مطالبہ کیا تو مسیلمہ نے کہا کہ میں تمھارے مہر میں منجملہ پانچ نمازوں کے جو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرض کی تھیں دو نمازیں صبح اور عشا کی معاف کرتا ہوں۔

یہ ان جھوٹے مدعیان نبوت کی حقیقت تھی۔ سجاح کے ساتھی بھی خوب سمجھ گئے وہ سخت پشیمان تھے۔ اُن کا بڑا سردار عطارد بن حاجب نہایت پشیمانی میں کہتا ہے۔ شعر۔

امست نبیتنا انثی نطوف بها   واصبحت انبیاء الناس ذکرانا

اور لوگوں کے نبی تو مرد ہیں مگر ہمارا نبی ایک عورت ہے جسکو ہم لیے پھرتے ہیں ۔

لیکن یہ ایک فوری جوش تھا جسکے اندر نادانستگی سے لوگ سجاح کے ساتھ ہوگئے تھے تھوڑے دنوں میں سب منتشر ہوگئے اور سجاح اپنی ننہال میں بنی تغلب میں جاکر مقیم ہوگئی اور ایک عرصہ کے بعد سچی اور پکی مسلمان ہوگئی ۔

طلیحہ اسدی کا دعویٰ نبوت اور پھر مسلمان ہونا

طلیحہ اسدی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں دعوی نبوت کیا تھا ۔ آپ نے ضرار بن الازور کو بنی اسد پر عامل مقرر فرماکر بھیجا اور مرتدین کی فہمایش و مقابلہ کا کام بھی انکے سپرد فرمایا ۔ حضرت ضرار کے وہاں پہنچتے ہی مرتدین کا قصہ درہم برہم ہوگیا ۔ طلیحہ تنہا رہ گیا ۔ اسکو پکڑکر قتل کرنا چاہا مگر اتفاقاً تلوار کارگر نہ ہوئی ۔ لوگوں میں شہرت ہوگئی کہ اسپر کوئی ہتیار اثر نہیں کرتا ۔ اس خیال کی شہرت ہونے پر طلیحہ کے متبعین کی جمعیت پھر زیادہ بڑھ گئی ۔ اسی اثنا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا واقعہ پیش آیا ۔ بہت سے عرب قومی عصبیت میں اسکے ساتھی ہوگئے ۔ طلیحہ مقفی عبارتیں بناکر لوگوں کو سناتا اور کہتا تھا کہ جبرئیل (علیہ السلام) میرے پاس وحی لاتے ہیں ۔ اسنے منجملہ احکام کے نماز کے اندر سے سجدہ موقوف کردیا تھا ۔ وہ کہتا تھا کہ اللہ کو تمھارے چہروں کے خاک آلودہ ہونے اور زمین پر اوندھے گرنے سے کیا فائدہ ۔ طلیحہ کو اپنی قوت پر یہانتک بھروسہ ہوا کہ اپنے لشکر کے دو حصے کرکے ایک حصے پر اپنے بھائی کو جسکا نام حبال تھا سردار بنایا اور مدینہ منورہ پر چڑھائی کا حکم دیا ۔ حبال نے مدینہ منورہ کا قصد کیا اور اپنے قاصدوں کو پیام دیکر حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں بھیجا ۔ قاصدوں نے آکر بیان کیا کہ مدینہ میں مسلمانوں کی جمعیت کم ہے ۔ اسپر ان کی ہمت بڑھ گئی ۔ رات کو ڈاکہ مارا مگر ہٹا دیئے گئے اور دوسرے روز حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ بنفس نفیس لشکر کو باقاعدہ میمنہ ومیسرہ وساقہ سے مرتب کرکے تشریف لے گئے اور اچانک ان پر حملہ کرکے شکست دی ۔ اور اسکے بعد طلیحہ کے مقابلہ کے لیے حضرت خالد

بن الولید کو مامور فرمایا۔ مقام مراحہ پر سخت مقابلہ ہوا۔ عینیہ بن حصن بھی سات سو سواروں سمیت طلیحہ کے ساتھ تھا۔ اس سخت معرکہ کے وقت عینیہ بار بار طلیحہ کے پاس آکر پوچھتا تھا کہ آیا لڑائی یا فتح و شکست کے بارہ میں کوئی وحی آئی۔ وہ ہر دفعہ کہتا تھا کہ کچھ نہیں۔ آخر ایک دفعہ آکر پوچھا تو اُسنے کہا کہ ہاں آئی ہے۔ اور ایک مقفی فقرہ جسکا مطلب و مقصود کچھ واضح نہ تھا سُنا دیا۔ عینیہ سمجھ گیا اُسنے اپنی قوم کو خطاب کرکے کہا انصرفوا یا بنی فزارہ فانہ کذاب۔ (اے بنی فزارہ لوٹ چلو۔ یہ بالکل جھوٹا ہے) اُنکا لوٹنا تھا کہ لوگوں میں بھگی پڑگئی اور مدعی نبوت تنہا رہ گئے۔ اسنے بھی پہلے سے اسوقت کے واسطے سواری تیار کر رکھی تھی سوار ہوتے ہی شام کی طرف بھاگ گیا اور اس کی نبوت کا بھی خاتمہ ہوگیا۔

لیکن ان سب حالات کے بعد طلیحہ مسلمان ہوگئے۔ مسلمان ہونے کے بعد عمرہ کرنے کے لیے مکہ معظمہ آئے اور مدینہ منورہ کے قریب کو گذر ہوا تو لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ طلیحہ مدینہ کے قریب جارہے ہیں۔ آپنے جواب دیا کہ پھر کیا کروں وہ تو مسلمان ہوگئے۔ اسکے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیعت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تم عکاشہ اور ثابت کے قاتل ہو (یہ دونوں جلیل القدر صحابی طلیحہ کے مقابلہ میں شہید ہوئے تھے) تم مجھے محبوب نہیں ہوسکتے۔ طلیحہ نے جواب دیا کہ امیر المومنین آپ کو ایسے دو شخصوں کا کیا رنج ہے جنکو اللہ تعالیٰ نے میرے ہاتھ سے درجۂ شہادت تک پہنچایا اور مجھے اُنکے ہاتھ سے ذلیل نہیں کیا کہ میں حالت کفر پر مرتا۔

عمرو بن معدی کرب بھی عرب کے مشہور بہادروں اور شہسواروں میں تھے۔ یہ بھی مرتد ہوکر پھر مسلمان ہوئے۔

طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب نے مرتد ہوکر مسلمان ہونے کے بعد اسلام میں جو نمایاں خدمتیں کی ہیں تاریخیں اُن سے معمور ہیں۔ عراق کی فتوحات میں یہ دونوں صاحب حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے لشکر میں تھے۔

قادسیہ[1] کا معرکہ جو اہل اسلام اور فارس میں ہوا منجملہ اُن واقعات کے ہی جسنے زمانہ کے صفحات پر مسلمانوں کے اوصاف حمیدہ اور اسلامی اخلاق کو جلی حرفوں میں لکھدیا۔ اس معرکہ میں طلیحہ اور عمرو بن معدی کرب نے بہت زیادہ حصہ لیا۔ معرکہ قادسیہ میں تین دن متواتر نہایت سخت مقابلہ ہوا۔ یہ تین دن یوم ارماث۔ یوم اغواث۔ یوم عماس کے نام سے موسوم ہیں۔ ان تینوں دنوں میں دونوں نے بڑے شاندار کام کیے۔ لیکن ان تین دن کی متواتر لڑائی کے بعد جو بہت زیادہ سخت رات آئی جسکو "لیلۃ الہریر[2]" کہتے ہیں جس کی صبح کو فارس کا سپہ سالار اعظم رستم مقتول ہوا اور مسلمانوں کو کامل فتح نصیب ہوئی اس رات میں ان دونوں کو حضرت سعدؓ نے خاص موقع پر بھیجا تھا کہ ادہر سے دشمن مسلمانوں پر حملہ نہ کرسکیں۔ لیکن انہوں نے حفاظت ہی پر قناعت نہ کی بلکہ تنہا تنہا ہر ایک نے ایک ایک جانب سے اہل فارس پر حملہ کیا جسکو مسلمان تعجب کی نظر سے دیکھتے تھے۔

طلیحہ اور عمرو کی دونوں حالتوں کا موازنہ کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہی کہ پہلے دل سے مسلمان نہوئے تھے (جیسا کہ ہم عیینہ بن حصن کا مقولہ اوپر نقل کرچکے ہیں) یا اسلام کے ذائقے سے واقف ہوئے تھے۔ اور اسلام اُنکے اندر راسخ نہوا تھا۔ لیکن جب ایمان راسخ ہوگیا تو صدق و اخلاص کے وہی آثار اُنسے ظاہر ہوئے جو پختہ اور سچے مسلمانوں سے ہونے چاہییں۔

قادسیہ کے مشہور معرکہ کا ذکر آگیا تو ایک ایسے واقعہ کا ذکر کرنا بھی مناسب معلوم ہوتا ہی جس سے مسلمانوں کی اخلاقی جرأت صدق نیت اخلاص اور کمال ایمانی کا ثبوت ملتا ہی۔

اس سخت معرکہ کے وقت اتفاق سے سپہ سالار اعظم حضرت سعد بن ابی وقاص کو دنبلو

---

[1] قادسیہ کوفہ کے قریب ایک شہر ہی۔ ابراہیم علیہ السلام کا وہاں گذر ہوا تو ایک بڑھیا نے اُنکا سر اور کپڑے دھوکر صاف کیے جو سفر کی وجہ سے میلے ہوگئے تھے۔ ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ قدست من ارض (خدا اس زمین کو پاک کرے) اُسی وقت سے قادسیہ نام مشہور ہوگیا ۱۲

[2] چونکہ سردی اور تکلیف کی وجہ سے لوگوں کو بات کرنا مشکل ہو رہا تھا اس لیے اُس رات کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں ۱۲

کی ایسی سخت تکلیف تھی کہ سیدھے بیٹھ بھی نہ سکتے تھے بلکہ سینے کے نیچے تکیہ رکھکر اسکے اوپر بیٹھے رہتے تھے۔ اس معذوری کی وجہ سے نہ گھوڑے پر سوار ہو سکے نہ میدان کارزار میں تشریف لیجا سکے۔ افسران فوج کو لڑائی کے متعلق یہیں سے ہدایتیں فرماتے تھے۔ کسی کو اس معذوری کا حال تو معلوم نہ تھا لشکر میں اسکا چرچا ہوا اور حضرت سعدؓ کی جانب سے ایک قسم کی بدظنی پھیل گئی یہانتک کہ زبانوں پر آگیا۔ معرکہ کے پہلے دن یعنی یوم ارماث میں واپس ہونے کے وقت ایک مسلمان نے نہایت جرأت کے ساتھ اس خیال کو اس طرح ظاہر کیا ؎

نقاتلُ حتی انزل اللہ نصرہ وسعدٌ بباب القادسیۃ مُعصِمُ

ہم لڑتے ہیں یہانتک کہ اللہ تعالیٰ امداد نازل فرماتا ہے مگر سعد قادسیہ کے دروازہ پر پناہ میں ہیں

فأبنا وقد امت نساء کثیرۃ ونسوۃ سعدٍ لیس فیھن ایّمُ

ہم تو اس حالت میں لوٹے کہ بہت سی عورتیں بیوہ ہوگئی تھیں لیکن سعد کی عورتوں میں ایک بھی بیوہ نہ تھی

یہ اعلیٰ درجہ کی اخلاقی جرأت تھی جو اسلامی تعلیم کا نتیجہ تھا۔ قائل کے مقبول ورباخلاص ہونے میں کوئی کلام نہیں۔ مگر اول تو انکا یہ کہنا بوجہ لاعلمی تھا۔ ادھر سپہ سالار اعظم کی نسبت حق گوئی کرنے میں ایک قسم کے حظ نفس کو بھی دخل ہونا ممکن تھا اور جتنا کوئی اعلیٰ درجہ کا مقبول ہوتا ہے اس کی ادنیٰ لغزش بھی قابل گرفت ہوتی ہے۔

حضرت سعدؓ معمولی درجہ کے شخص نہ تھے آپ عشرہ مبشرہ میں کے ایک فرد اور اس پایہ کے افراد میں سے تھے جن پر مسلمانوں کا ناز کبھی ختم نہیں ہو سکتا۔ آپ کو ان اشعار کی اطلاع پہنچی تو فرمایا اللھم ان کان ھذا کاذباً وقال الذی قالہ ریاءً وسمعۃً فاقطع عنّی لسانہ (الٰہی اگر اسنے غلط کہا ہے اور نام آوری شہرت کی غرض سے کہا ہے تو اس کی زبان بند کردے) حضرت سعدؓ کی دعا مقبول ہوئی۔ یہ شخص صف میں کھڑے ہوئے تھے کہ ایک تیر سیدھا مونہ میں آکر لگا جس سے زبان بھی بند ہوگئی اور شہید ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ نے بوجہ مقبولیت انکو درجۂ شہادت سے سرفراز فرمایا اور

حضرت کی دعا حقیقت اور ظاہر صورت دونوں طور سے قبول فرمائی۔

اہل بحرین کا مرتد ہونا۔ مسلمانوں کی غیبی تائید کا عجیب واقعہ

منذر بن ساوی جو کسری کی طرف سے بحرین کے حاکم تھے اُنکے مسلمان ہوجانے کا حال ہم بیان کر چکے ہیں۔ جارود بن معلی بحرین کے ایک مقتدر رئیس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور احکام اسلام خوب سیکھ کر واپس ہوئے۔ اور اپنے قبیلہ عبد القیس کو تعلیم احکام اسلام دینے میں مشغول ہوئے۔ اسی اثنار میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا حادثہ درپیش آگیا۔ منذر بن ساوی بھی بیمار تھے اُن کا انتقال بھی کچھ ہی دنوں بعد ہوگیا۔ اور اہل بحرین میں مرتد ہونے کی سمی ہوا جو قبائل عرب میں چل رہی تھی اثر کرگئی۔ بحرین کے دو زبردست قبیلوں میں سے بنی بکر تو مرتد ہوگئے اور اُنھوں نے نعمان بن المنذر کی قدیم سلطنت کو دوبارہ قائم کرکے منذر بن النعمان کو جسکا لقب غرور تھا بادشاہ بنانا چاہا۔ قبیلہ عبد القیس تردد میں تھے اُن کو یہ خیال تھا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نبی ہوتے تو اُن کی وفات نہ ہوتی۔ جارود بن معلی نے ان لوگوں کو جمع کرکے پوچھا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے پہلے بھی اللہ تعالی نے انبیا بھیجے تھے؟ سب نے کہا بھیجے تھے۔ جارود نے کہا پھر وہ کہاں گئے؟ سب نے کہا کہ وفات پاگئے۔ جارود نے کہا کہ بس تو آپ کی بھی وفات ہوگئی۔ جس طرح اور انبیا کی ہوئی تھی۔ وانا اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمداً رسول اللہ۔ جارود کی اس تقریر کے بعد قبیلہ عبد القیس تو اسلام پر پختگی سے قائم رہے۔ اس واقعہ سے بھی یہ نتیجہ نکلتا ہی کہ غلط فہمی کو رفع کردینا آسان ہی لیکن تعصب اور ہٹ دھرمی کا علاج زبان سے نہیں ہوسکتا۔

قبیلہ بنی بکر نے مرتد ہوکر سب مسلمانوں کو جو بحرین میں تھے محصور کرلیا۔ اس سخت محاصرے اور بھوک پیاس کی تکلیف برداشت کرنے کی حالت میں عبداللہ بن حذف نے ان اشعار کے ذریعہ سے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں فریاد بھیجی۔

الا ابلغ ابا بکرٍ رسولاً — وفتیان المدینۃ اجمعینا

ابوبکرؓ کو ہمارا پیام پہنچادو — اور مدینہ کے تمام بہادر نوجوانوں کو

فہل لکم الی قوم کرامٍ — قعود فی جواثا محصرین

کہ تمہیں ایسے شریف لوگوں کی امداد کا بھی خیال ہے — جو جواثا[لہ] میں محصور ہوئے بیٹھے ہیں

توکلنا علی الرحمٰن انا — وجدنا النصر للمتوکلینا

ہم تو اپنے خدا پر بھروسہ کیے بیٹھے ہیں — کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ امداد غیبی متوکلوں کیواسطے ہے

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے علاء بن الحضرمی کو اہل بحرین کے مقابلے اور مسلمانوں کے چھڑانے کے واسطے مامور فرمایا۔ اُن کو بہت سے قبائل جو مرتد ہوگئے تھے خود بخود آکر ملے اور ساتھ ہولیے۔ علاء اس جمعیت کے ساتھ رات کو ایک میدان میں اُترے۔ قافلہ پوری طرح اُترنے بھی نہ پایا تھا۔ اونٹوں سے اسباب اور پانی کے مشکیزے اُتارے بھی نہ تھے کہ دفعۃً اونٹوں میں ایسی وحشت پیدا ہوئی کہ جس کی وجہ سے سب کے سب بھاگ گئے۔ اور کچھ پتہ نہ چلا کہ کہاں گئے۔ مسلمان پریشان رہگئے۔ کوئی سامان پاس نہ تھا دور دور تک پانی کا پتہ نہ تھا۔ سب کو بھوک پیاس سے اپنی ہلاکت کا یقین ہوگیا۔ یہ اندیشہ علاوہ بریں تھا کہ ایسی حالتِ مجبوری میں دشمن آپہنچے تو کچھ بھی نہ کرسکیں گے۔ مسلمانوں پر غم و فکر کا پہاڑ ٹوٹ پڑا اُن کو اپنی ہلاکت سے زیادہ اسلام کو ضعف پہنچنے کا اندیشہ اور رنج تھا۔ حضرت علاء نے مسلمانوں کو اس غم و فکر کی حالت میں دیکھکر فرمایا۔ تم لوگ اتنے پریشان اور تائید غیبی سے مایوس کیوں ہو۔ لوگوں نے کہا کہ ہماری پریشانی کی وجہ ظاہر ہے۔ کل کو دھوپ تیز ہوگی کہ ہم ہلاک ہوجائینگے۔ حضرت علاءؓ نے فرمایا کہ قسم ہے خدا تعالیٰ کی تم ہلاک نہیں ہوسکتے۔ تم مسلمان ہو۔ خدا تعالیٰ کی راہ میں دین کی امداد کے لیے نکلے ہو تم بالکل مطمئن رہو۔ صبح کی نماز پڑھکر حضرت علاءؓ نے سب کے ساتھ ملکر دعا کی۔ دعا سے فارغ ہوئے ہی تھے کہ قریب ہی پانی چمکتا ہوا نظر آیا۔ سب نے خوش خوش خدا تعالیٰ کا شکر

[لہ] جواثا بحرین میں ایک شہر کا نام ہے ۱۲۔

ادا کرتے ہوئے خوب پانی پیا اور جو برتن پاس تھے سب کو بھرلیا۔ اور ابھی دن چڑھنے نہ پایا تھا کہ بھاگے ہوئے اونٹ بھی سب کے سب معہ اسباب آموجود ہوئے۔ خدا تعالیٰ نے یہ کرشمہ تائید آسمانی دکھلاکر مسلمانوں کو سمجھا دیا کہ اپنے دین کی اشاعت و استحکام ہم خود کرتے ہیں تمہاری تدابیر و جفاکشی پر کوئی امر موقوف نہیں ہے۔ تم کو تمہاری سعی و اخلاص کا ثواب دینا منظور ہے اور یہ بھی اُن کو بتلا دیا کہ اگر تم سچے دل سے اسلام کی خدمتگزاری کروگے تو تائید غیبی تمہارے ساتھ رہے گی اِن تنصروا اللہ ینصرکم و یثبت اقدامکم (اگر تم اللہ تعالےٰ کی تائید میں کھڑے ہوگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کریگا اور تم کو ثابت قدمی عطا فرمائیگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بھی اس لشکر میں تھے۔ اُنھوں نے پانی کا برتن بھرکر اُس جگہ رکھدیا اور یہاں سے روانہ ہونیکے بعد منجاب بن راشد سے کہا کہ تم اُس جگہ کو جانتے ہو۔ جہاں پانی تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ خوب جانتا ہوں۔ جاکر دیکھا تو وہ برتن پانی کا بھرا ہوا رکھا تھا منجاب نے کہا آج سے پہلے اس موقع پر کبھی نہیں دیکھا گیا۔ حضرت ابوہریرہؓ نے فرمایا کہ میں نے اسوجہ سے برتن بھرکر رکھدیا تھا کہ اسکو آکر دیکھونگا۔ اگر یہ پانی کی جگہ ہے یا کوئی چشمہ ہے تو معلوم ہوجائیگا اور اگر خدا تعالیٰ کی طرف سے تائید ہے اور جس طرح من و سلویٰ بنی اسرائیل پر آسمان سے نازل ہوئی تھی ہمارے لیے بھی منّ ہے تو معلوم ہوجائیگا۔ اب معلوم ہوگیا کہ یہ منّ تھا اور خدا تعالیٰ نے غیب سے امداد فرمائی ہے۔ والحمد للہ علی ذلک۔

مالک بن نویرہ کا مرتد ہوکر مسلمان ہونا

مالک بن نویرہ نے بھی سجاح کی موافقت کی تھی مگر ساتھ ہی اسکو اس سے روکا تھا کہ مدینہ منورہ پر چڑھکر جائے یا مسلمانوں سے مقابلہ کرے۔ جب سجاح کی نبوت کا خاتمہ ہوگیا اور وہ اپنی ننہال بنی تغلب میں بھاگ کر چلی گئی تو مالک بھی اپنی حرکت پر سخت پشیمان اور نادم تھے۔ وہ حیران تھے کہ کیا کریں۔ ادہر وکیع اور سماعہ جنھوں نے سجاح کا ساتھ دیا تھا اپنے فعل پر نادم تھے۔ یہ دونوں اپنی قوم کے صدقات جمع کرکے حضرت خالدؓ کی خدمت میں لے گئے اور اطاعت قبول کر لی۔

مالک بن نویرہ نے اپنی قوم بنی یربوع سے کہا کہ ہم کو پہلے ہی اطاعت کی طرف بلایا گیا تھا مگر ہم نے دیر کی جسکا نتیجہ ہمارے لیے اچھا نہ ہوا۔ اب تم نے اور ہم نے دیکھ لیا ہی کہ مسلمانوں کے کام بغیر ظاہری تدابیر اور انتظام کے درست ہوتے جاتے ہیں اور تائید غیبی انکے شامل حال ہی۔ ایسی قوم سے عداوت و مقابلہ کرنا جنکے کام خدا تعالیٰ کی تائید سے چلتے ہیں۔ عقل کا کام نہیں ہی۔ یہ بات سب کے ذہن نشین ہوگئی۔ لیکن ابھی ان لوگوں نے حضرت خالدؓ کی خدمت میں جاکر اظہار اطاعت نہ کیا تھا کہ حضرت خالدؓ کا لشکر آگیا اور مالک بن نویرہ اور اُنکے ہمراہیوں کو پکڑ لائے۔ حضرت ابوبکر صدیق رض نے یہ حکم دیا تھا کہ جس جگہ لشکر اسلام پہنچے اذان دیں۔ اگر وہاں کے لوگوں نے اذان دی تو اُن سے درگذر کریں۔ مالک بن نویرہ پکڑے ہوئے آئے تو اس بارہ میں اختلاف ہوا کہ اُنھوں نے اذان دی اور نماز پڑھی یا نہیں۔ بعض نے انکار کیا۔ اور حضرت ابو قتادہؓ نے شہادت دی کہ ان لوگوں نے اذان دی اور نماز پڑھی۔ مگر چونکہ اختلاف تھا حضرت خالدؓ نے حکم دیا کہ ان کو بالفعل نظر بند کر دیا جائے۔ رات کو سردی زیادہ تھی حضرت خالدؓ نے منادی کرادی دَافِئُوا اَسْرَاکُم (اپنے قیدیوں کو سردی سے بچاؤ) بعض قبائل کی زبان میں اس لفظ کے معنی قتل کر دینے کے تھے۔ لوگوں نے یہ سمجھکر کہ قتل کا حکم دیا گیا قیدیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ مالک بن نویرہ بھی مقتول ہوگئے۔ حضرت خالدؓ آواز سُنکر تشریف لائے تو اُنکا کام تمام ہو چکا تھا۔ دیکھکر فرمایا اذا اراد اللہ امراً اَصَابَہٗ (جو اللہ چاہتا ہے ہو کر رہتا ہے)

مالک بن نویرہ بے شبہ مسلمان ہو چکے تھے مگر ایک غلط فہمی سے مقتول ہوئے۔ اسی بنا پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت خالد سے ناخوش ہوئے اور گو حضرت ابوبکر صدیق نے حضرت خالد کی معذرت قبول فرمائی مگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ بات ہمیشہ کھٹکتی رہی۔

یہ چند واقعات بعض قبائل عرب کے مرتد ہونے اور مرتدین کے انجام کے متعلق ہم نے

مختصر طور پر بیان کیے ہیں۔ ہماری غرض ان واقعات اور انکے انجام کو اس موقع پر بیان کرنے سے یہ بھی کہ شاید کوئی کوتاہ عقل یا ہٹ دھرم نادان مرتد ہونے کے واقعات کو دیکھکر یہ کہے کہ اگر قبائل عرب بزور مسلمان نہیں بنائے گئے تھے تو اُنکے بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرتد ہونے کی کیا وجہ تھی۔ ہم نے مرتد ہونے کے اسباب کو بالاجمال اوپر بیان کردیا ہی لیکن اب ہم پھر ذرا تفصیل سے اُن کو دُہرانا چاہتے ہیں۔

ان لوگوں کے مرتد ہونے کی وجہ یہ نہ تھی کہ وہ بزور مسلمان بنائے گئے تھے اور موقع پاکر اصلی حالت پر رجوع کرگئے۔ بلکہ اُسکے اصلی اسباب یہ تھے۔ عرب کی اصل فطرت میں اطاعت وانقیاد کا مادہ بہت کم تھا اور پھر صدیوں کی آزادی اور خانہ جنگیوں نے اُن میں ریاست اور حکومت کا مضمون اسقدر بڑھا دیا تھا کہ ہر قبیلہ کا امیر جسکو بجائے خود بادشاہ کہنا چاہیے علیحدہ ہوتا تھا۔ یہی آزادی تھی جسنے ایسے بے سروسامان ملک کو کسریٰ جیسے عظیم الشان بادشاہ سے آمادۂ کارزار بنا دیا۔ اور کسریٰ باوجود اس سازوسامان کے عہدہ برآ نہوسکا۔ اس حُبّ ریاست اور خیال خام سلطنت کی وجہ سے بہتوں نے باوجود اس امر کے تیقن کے کہ آپ سچے نبی ہیں۔ اتباع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور اسلام لانے سے روکا۔ جیسا کہ ہم مسیلمہ کا حال ابھی بیان کرچکے ہیں۔ بنی حنیفہ اتنی بڑی قوم تھی کہ اسمیں لاکھوں بہادر جنگجو نبرد آزما موجود تھے۔ مسیلمہ کو سلطنت کا خبط سمایا اور اُسنے اول اپنی حماقت سے یہ سمجھکر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی طالب ریاست وسلطنت ہونگے اسی بات پر صلح کرلینی چاہیے کہ ہم اور آپ ملکر ساری دنیا کو فتح کریں اور نصف ملک قریش کے حصے میں آجائے اور نصف ہمارے۔ لیکن یہاں تو دین حق کی تبلیغ منظور تھی اسکو صاف جواب دیدیا گیا۔

باذان عامل کسری (جسکے مسلمان ہونے کا مفصل حال بیان ہوچکا ہی) اور اہل یمن کے مسلمان ہونے کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باذان کو کل یمن کا امیر وعامل مقرر فرمادیا۔ اور باذان کے انتقال کے بعد یمن کے مختلف حصوں پر مختلف نائب اور

امیر مقرر فرما دیئے اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو سب عاملوں کے اوپر نگراں مقرر فرما دیا اسود عنسی جسکا حال ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اسکے دماغ میں حکومت کا خبط سمایا اور اُسنے دعویٔ نبوت کر کے شعبدہ بازی کے ذریعہ سے لوگوں کو گرویدہ کر کے عاملان یمن کے مقابلہ کو تیار ہو گیا۔ مسیلمہ اور اسود دونوں کسی حال اور کسی طرز سے بھی دائرہ اسلام میں داخل نہوئے تھے ان دونوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں دعویٰ کیا تھا۔

مدینہ منورہ منافقوں کے وجود سے بالکل پاک نہوا تھا ان میں کے کچھ آدمی اور اُن کے خیالات باقی تھے وہ ہر وقت مسلمانوں کی ایذا دہی اور بیخ کنی کے لیے آمادہ تھے۔ اسلام کے سب سے بڑے مخالف اور دشمن یہود تھے۔ ان کی جڑ ابھی موجود تھی۔ عیسائیت کے رگ و ریشے ملک عرب میں پھیلے ہوئے تھے۔ عیسائیت کو قیصر کی عظیم الشان سلطنت سے تقویت حاصل تھی اسلیے اسکا اثر عرب اور اہل عرب پر زیادہ تھا۔ خود عرب کے بہت سے قبائل عیسائی بن چکے تھے۔

عرب کے بہت سے قبائل نے خوشی اور رضا سے اسلام قبول کیا تھا مگر وہ اسلام کی خوبیوں اور برکات سے واقف نہونے پائے تھے اور یہ وہ لوگ تھے جنکو حاضریٔ دربار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فیض صحبت اُٹھانے کی نوبت نہ آئی تھی جبکہ دور ہی بیٹھے حلقۂ انقیاد میں داخل ہوئے تھے۔ بعض لوگ زمرۂ اہل اسلام میں کسی مصلحت سے داخل ہو گئے تھے مگر حقیقۃً مسلمان نہوئے تھے۔ یہ بھی قاعدہ ہے کہ کوئی شخص کسی طریقہ کو پسند کرنے کے بعد چھوڑ دیتا ہے تو ناواقفوں پر اس شخص کا قول دربارہ عیب جوئی زیادہ باوقعت ہوتا ہے اور اکثر مواقع پر خیالات کو سُست اور ضعیف کرنے اور موافقوں کو توڑنے کے واسطے یہ تدبیر کیجاتی ہے۔ یہی وہ زبردست چال تھی جو یہود نے سب طرف سے مایوس ہو کر مسلمانوں کو مذبذب کرنے کے واسطے اختیار کی تھی۔ اپنے لوگوں میں سے بعض سے یہ کہا کہ تم مسلمان ہو کر پھر جاؤ۔ بعض خام مسلمان بھی تذبذب میں پڑ جاوینگے۔ اس تدبیر کا کلام مجید کی

ان آیات میں ذکر فرمایا ہی وقالت طائفۃ من اهل الکتاب اٰمنوا بالذی اُنزل علی الذین اٰمنوا وجه النهار واکفروا اٰخره لعلهم یرجعون (اہل کتاب کی ایک جماعت نے آپس میں کہا کہ تم مسلمانوں کے مذہب اور قرآن پر صبح کو ایمان لے آؤ اور شام کو اُس سے پھر جاؤ۔ اس تدبیر سے شاید مسلمان بھی اپنے مذہب سے پھر جائیں)

یہ بھی کھلی ہوئی بات ہی کہ حیلہ ساز اور ابلہ فریب دوست نما دشمنوں کے اغوا سے بہت سے بھولے بھالے بھی ڈگمگا جاتے ہیں۔ عرب میں عصبیت اور حمایت کا مادہ موجود تھا ان مدعیان ریاست اور دشمنان اسلام کا جادو چل گیا اور اسلام کی بڑہتی ہوئی ترقی میں ایک قسم کی رُکاوٹ پیدا ہونے کا سامان ہوگیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات ہی میں چاروں طرف سے دشمنوں نے سر اُبھارا۔ لیکن وفات کے بعد تو مسلمانوں کو نہایت سخت دقت پیش آگئی اور مسلمان دشمنوں کی کثرت اور اپنی قلت کو دیکھ کر سخت پریشان تھے لیکن فی الحقیقت اسلام کا قدم مضبوطی سے جم چکا تھا اُسنے لاکھوں دلوں پر اس طرح سکہ جما لیا تھا کہ وہ کسی حال میں متزلزل نہو سکتے تھے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ الیوم اکملت لکم دینکم (آج ہم نے تمہارے دین کو کامل کردیا) سچا تھا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "شیطان ملک عرب میں بُت پرستی سے بالکل مایوس ہوچکا ہی" صحیح تھا۔ مخالفت اور عداوت کی جڑ مضبوط نہ تھی۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے استقلال حُسن تدبیر۔ توکل اور اخلاص اور اعتماد علی اللہ نے سب کی ہمتوں کو بلند اور ارادوں کو چُست کردیا۔ بعض صحابہ کے قلوب میں جو پریشانی تھی اسکو زائل کردیا۔

اکثر صحابہ کا یہ خیال تھا کہ اگر قبائل عرب مدعی اسلام ہوکر زکوٰۃ دینے سے انکار کریں تو ہم اُنسے لڑائی نہ کریں۔ ہم اپنی جان کی حفاظت یا مخالفان اسلام کی مدافعت کے لیے لڑائی کے قصے میں مبتلا نہ ہوں بلکہ صبر کیے ہوئے بیٹھے رہیں اور اللہ کی عبادت میں زندگی کے دن پورے کردیں۔ بیشک صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم کی قلبی کیفیت یہی تھی۔

اُن کا دل محبت خداوندی سے اسقدر لبریز اور کسی کی محبت اور عداوت اور تمام اخلاق ذمیمہ سے ایسا پاک و صاف تھا کہ وہ ایک آن بھی کسی دوسرے مشغلہ میں پڑنا نہیں چاہتے تھے مگر یہ وقت تھا جس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت کا حق تعالیٰ کو اظہار منظور تھا۔ آپ سمجھ چکے تھے کہ اسوقت ہمارا مدافعت نہ کرنا اور سکوت کر کے اپنے حال پر بیٹھ رہنا اسلام کے نیست و نابود ہونے کا پیش خیمہ ہے۔ قانون عقل اور واقعات عام کی بنا پر یہ کھلی ہوئی بات تھی کہ مسلمان اس فتنہ کے زمانے میں خاموش بیٹھ کر ہرگز اپنی ہستی اور اسلام کے وجود کو قائم نہیں رکھ سکتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضؓ نے فوراً اسکے تدارک کی تدبیریں فرمائیں اور ارشاد فرمایا کہ جو لوگ زکوۃ دینے سے انکار کرینگے میں اُنسے بھی مقابلہ کرونگا۔ سب صحابہ نے نہایت ادب سے اپنے واجب التعظیم خلیفہ اور امیر المومنین کا حکم مانا اور جس سرعت سے یہ فتنہ پھیلا تھا اُسی سرعت سے دبا دیا گیا۔ اسلام کی اسی حالت اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی انہیں تدابیر کی طرف اشارہ کر کے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے لقد قمنا بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مقاماً کدنا نھلک فیہ لولا ان اللہ اعاننا بابی بکرؓ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد ہم پر ایسا وقت آگیا تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ ابوبکر سے ہماری امداد نہ فرماتا تو ہم بالکل غارت ہو جاتے)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ارشاد و عمل سے ہم کو اس نتیجہ پر پہنچنا دشوار نہیں ہے کہ دین کے معاملہ میں مداہنت کرنے سے اسلام کی جڑیں کھوکھلی ہو جاتی ہیں۔ اور یہ کہ اسلام کے کسی رُکن کا انکار کرنے کا اثر بھی وہی ہوتا ہے جو کل ارکان کے انکار کا اور یہ کہ اگر کوئی قوم متفق ہو کر کسی رُکن کو چھوڑ بیٹھے تو امام وقت کو فہمایش کے لیے اُن سے مقابلہ کرنا چاہیے۔

(باقی آیندہ)

فلسفہ اور علم کلام

نمبر ۶

مگر آپ کو ان سوالات کا جواب سننے سے پہلے چند مختصر امور کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہی. اول یہ کہ جو کام ایسے آلات کے ذریعہ سے کیا جائے جن میں احساس اور ادراک نہ ہو تو اُس کام کا نفع نقصان اُن آلات کی طرف منسوب نہیں ہوتا. بلکہ اُس شخص سے تعلق رکھتا ہی جو اِن آلات سے یہ کام لینے والا ہی. مثلاً اگر بڑھئی کے کام میں اُسکا بسولہ جھڑ جائے یا لکھنے میں کاتب کا قلم ٹوٹ جائے تو یہ سب بڑھئی اور کاتب کا نقصان سمجھا جائیگا. بسولہ اور قلم کے حق میں نہ کوئی نفع متصور ہی نہ نقصان. کیونکہ نفع نقصان کا وجود درحقیقت راحت اور تکلیف سے وابستہ ہی اور راحت و تکلیف کو وہی اشیاء محسوس کر سکتے ہیں جن میں ادراک اور شعور ہو. بہرحال جب آلات کا نفع وضرر اصل فاعل کا نفع وضرر ٹہرا تو قوی عملیہ کے کاموں میں جو کچھ نفع یا نقصان ہوگا وہ فی الواقع عقل اور روح کا ہوگا کیونکہ ادراک وشعور عقل و روح ہی کا خاصہ ہی اور اَور سب قوتیں اُسکے آگے بمنزلہ آلات کے ہیں جیسا کہ ہم ابھی تحقیق کر چکے ہیں.

دوسرے یہ کہ قوۃ عقلیہ اور قوۃ عملیہ کے مابین قدرت نے کچھ ایسا مستحکم رابطہ پیدا کیا ہی کہ ان میں ہر ایک کے آثار دوسرے تک متعدی ہوتے ہیں. قوۃ عقلیہ کے جو آثار قوۃ عملیہ میں ظاہر ہوتے ہیں کچھ تو وہی ہیں جنکا تعلق صفت حکومت سے ہے. یعنی تمام قوی عملیہ کا بمقتضاے محکومیت عقل کے ایک اشارہ پر حرکت میں آجانا. اور بعض آثار ایسے ہیں جن میں عقل کی اس حکومت کو کچھ بھی دخل نہیں. جیسے غصہ کے وقت چہرہ کا تمتمانا اور آنکھوں کا سُرخ ہو جانا. یا خوف کے وقت جسم کا کانپنا اور رنگ کا اُڑ جانا. ان حالتوں میں جب کسی اشتعال انگیز یا ہیبت ناک چیز کا ادراک عقل کو ہوا تو

فوراً بلا ارادہ اور بلا اختیار غصہ یا خوف کے آثار جسم پر ظاہر ہو گئے۔ درآنحالیکہ حکومت کی حیثیت میں قصد اور اختیار کا پایا جانا ضروری تھا۔ علیٰ ہذا القیاس قوۃ عملیہ کی طرف سے بھی جو اثر عقل و روح تک پہنچتا ہی دو طرح کا ہوتا ہی۔ ایک تو وہی بلحاظ محکومیت اور آلہ بننے کے قوۃ عملیہ کے تمام منافع اور مضار کا عقل کے واسطے ثابت ہونا۔ دوسرے بعض کیفیات بدنی سے عقل و روح کا بے اختیار کلفت یا راحت اُٹھانا۔ چنانچہ میل کچیل اور بول و براز سے جو کچھ نفیس طبعوں کو کدورت یا بخار و درد سر وغیرہ میں کلفت یا بدن کی صفائی کی لذت اور عافیت میں راحت ہوتی ہی وہ سب اسی قسم میں داخل ہی۔

اب جانبین سے اِن نہانی تعلقات۔ تاثیر و تاثر اور فعل و انفعال کے سلسلہ کو دیکھ کر ہم کو قطعی طور پر یہ یقین ہو گیا کہ قوۃ عملیہ کے بعض اعمال قوۃ علمیہ (یا عقل یا روح) کے حق میں مفید اور بعض مضر ہونگے۔ اور کوئی ایک فعل بھی قوۃ عملیہ کا اس نفع و ضرر سے خالی نہ ہوگا۔ پس اگر کوئی ایسا کامل آدمی جس کی روح کی صحت اور عقل کی سلامتی دلائل قویہ سے ثابت ہو چکی ہو اعمال کے حُسن و قبح کے متعلق کچھ فتوے نافذ کرے اور ہم اپنی قوۃ عملیہ کی کارروائی اس کے خلاف پائیں تو ہم کو اطمینان کر لینا چاہیے کہ ہماری قوۃ عملیہ مضرت یا بالفاظ دیگر مرض میں مبتلا ہی اور اُسے تاثیر و تاثر کے قانون کے موافق جو قوۃ عملیہ اور عقل کے درمیان ابھی ثابت ہو چکا ہی یہ کہنا پڑیگا کہ قوۃ علمیہ یعنی عقل بھی اپنی اصلی حالت پر نہیں ہی بلکہ بیماری میں پھنسی ہوئی ہی۔ کیونکہ اگر عقل تندرستی کی حالت میں ہوتی اور پوری قوت کے ساتھ صحیح احکام نافذ کرتی تو قوۃ عملیہ جو ہر طرح سے اس کی محکوم اور زیردست ہی ہرگز اس کی عدول حکمی نہیں کر سکتی تھی۔

اس سے بھی زیادہ ضعف اور اضمحلال عقل کا اُسوقت ظاہر ہوتا ہی جبکہ وہ خود بھی کسی عمل کے فوائد یا نقصانات سے واقف ہو۔ اور شہوۃ کے غلبہ یا کسی نفع جزئی معجل سے متاثر ہو کر اپنے اصلی حکم کے خلاف قوۃ عملیہ سے عملدرآمد کرا دے۔ حتیٰ کہ عمل کی

ممارست سے عقل ایسی پاگل بن جائے کہ اسی مرض کو صحت سمجھنے لگے۔ چنانچہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے حالات کا تتبع کرنے سے یہ ظاہر ہوتا ہی کہ اس میں اکثر افراد اس قسم کے روحانی امراض میں مبتلا ہوتے ہیں۔ دور کیوں جاتے ہو۔ اپنے زمانہ ہی کا حال مشاہدہ کر لو کہ اکثر لوگ ایسی موٹی موٹی باتوں میں جنکے بھلے بُرے سے سب واقف ہیں۔ جان بوجھ کر خلاف عقل عملدرآمد رکھتے ہیں۔ اور خاص وہ امراض جو تپ دق کی طرح مریض کو بھی کم محسوس ہوتے ہیں۔ ان کی تشخیص تو کوئی طبیب ہی کر سکے تو کر سکے۔ پھر اکثر ازواج کا یہ حال ہی کہ بچپن سے تاحیات ان علتوں میں گرفتار رہنے کی وجہ سے صحت کی لذت سے آشنا ہی نہیں ہوتیں۔ اور کینہ۔ حسد۔ بخل۔ تکبر۔ خود پسندی وغیرہ امراض سے قطع نظر کرکے وہ عام امراض جنکو وبائی امراض کہنا چاہیے نہایت کثرت سے وقوع میں آتے رہتے ہیں۔ جس قوم کو چاہیے دیکھ لیجیے کہ شادی۔ غمی۔ اور سوا ان کے اور معاملات میں ایسی ایسی قیود اور رسوم قبیحہ کے پابند ہیں کہ جنکے نقصانات کا دل وجان سے اقرار کیا جاتا ہی۔ اسی طرح ہر فرقہ ایک جُدے ہی عقائد پر دل جمائے بیٹھا ہی۔ اگر ان سارے فرقوں میں سے کسی ایک کو بھی حق پر قرار دیں تب بھی اکثر لوگ تو باطل پر ہی نکلیں گے۔ پھر اکثر اقوام کی بعض عادتیں ایسی خلاف عقل ہیں کہ جن کی قباحت تمام اہل مذاہب کے نزدیک مسلم ہی۔ ہندوستان کے رنگھڑ گوجر اور افغانستان کے کوہستانیوں اور عرب کے بدوؤں میں چوری قزاقی اس درجہ مروج ہوئی ہی کہ رواج کی رو سے اُنکے خیال میں موجب طعن وتشنیع نہیں رہی۔ رنڈیوں کی قوم میں زنا کی اسقدر ترقی ہی کہ معیوب ہونے کے بجائے اُسکو اپنا ہنر سمجھنے لگیں۔ بنیوں کی بُزدلی اور بخل ضرب المثل ہوگیا ہے۔ اور دوسری بعض قوموں میں شراب نوشی۔ بے پردگی اور ترک ناموس کی یہ نوبت پہنچی ہی کہ اسکے نتائج بد برابر دیکھتے ہیں مگر زبان پر نہیں لاتے۔ غرض مختصر لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ آوہ کا آوہ بگڑا ہوا ہی جس کی اصلاح کی توقع بھی بہت کم ہو سکتی ہی۔

ایسی ابتر حالت میں جبکہ کوئی عقل بھی (الاماشاء اللہ) مرض سے خالی نہیں ہے۔ مجدد صاحب نے اگر فرمایا کہ نبوت کا راستہ عقل کے راستہ سے علیحدہ ہے تو ہمارے نزدیک بہت بجا فرمایا۔ کیونکہ بیمار کی طبیعت بسا اوقات ایسی اشیاء کی طرف راغب ہوجاتی ہے جو اسکے لیے مضر ہیں اور اُن چیزوں سے نفرت کرتی ہے جو فی الواقع اسکو طبعاً مرغوب ہیں۔ بخار زدہ اکثر کھانے سے متنفر ہوجاتا ہے۔ اور دنبل کی کلن یا خارش کی نوع میں انسان اپنے بدن کے تراشنے اور کھال کے نوچنے پر بے اختیار مائل ہوتا ہے۔ لیکن وہ نفرت اور یہ رغبت دونوں بے محل ہیں جسکا باعث ہی مرض ہوا ہے۔ اب اگر مجدد صاحب یا اور کوئی عالم یہ حکم صادر فرما دیتے کہ مذہب مرغوبات عقل سلیم کے مجموعہ کا نام ہے (اور درحقیقت ہے بھی ایسا ہی) تو ان مریض عقلوں کو واسطے آزادی یعنی مطلق العنانی کا اچھا خاصہ بہانہ ہاتھ آجاتا اور وہ ہرگز تندرست اور بیمار عقل میں تفریق قائم نہ رکھتیں۔ جس سے دنیا میں ایک فساد عظیم برپا ہوجاتا اور ہدایت کے بجائے گمراہی پھیلتی۔

بہرحال جبکہ اس امر کا باور کرلینا بالکل آسان ہوگیا کہ اکثر انسانی عقلیں مبتلاء امراض رہنے کی وجہ سے اسپر قادر نہیں ہیں کہ وہ تیقن اور اطمینان کے ساتھ تمام اخلاق و اعمال میں نیک کو بد سے اور مفید کو مضر سے تمیز دسکیں تو ناچار اس بارے میں کسی ایسے طبیب حاذق کی طرف رجوع کرنا ضروری قرار پایا جس کی رائے کبھی غلطی نہ کرتی ہو۔ جو اپنے مریضوں پر پورا پورا رحم کھانے کے علاوہ تمام دواؤں کے خواص اور اوزان سے واقف ہو۔ جسکو مختلف دواؤں اور غذاؤں کی تاثیرات کے باریک سے باریک فرق معلوم ہوں۔ اور جس کی نظر موسموں کے اختلاف اور روح کی تراکیب پر کامل طور سے حاوی ہو۔ لیکن ایسا طبیب اُس حکیم علی الاطلاق کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ جس کے سہارے تمام عالم کی ہستی قائم ہے جس کی ذات ہر قسم کے عیوب اور امراض سے پاک ہے اور جسکے وجود اور کمالات کو عنقریب ہم روشن دلائل سے ثابت کرینگے۔

دنیا میں جس قدر ہادی آئے۔ جن مقدس بندوں نے اپنی نبوت کا سکہ بٹھلایا

جتنے سچے شریعتوں کے تبلیغ کرنے والے گزرے وہ سب کے سب اُسی حکیم مطلق کے مطب کے نسخہ نویس اور تربیت یافتہ تھے۔ اُنھوں نے ہمیشہ اُسی روحانی کالج کی اسناد فضیلت لوگوں کو دکھلائیں اور اُسی حکیم برحق کے عطا کیے ہوئے اعزازی تمغے اور نشانات پیش کیے تاکہ اللہ کی مخلوق ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کر سکے۔ رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دھوکہ نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہ ہو۔

ہم جب نبوت کی ضرورت اور نبی کے تعین پر مبسوط بحث کرینگے اُسوقت اُن علامات کا تفصیلاً ذکر کرینگے جنسے کسی خاص شخص کی نسبت یہ دریافت ہو سکے کہ وہ خدائی مدرسہ کا اعلی تعلیم یافتہ اور دنیا میں حکیم علی الاطلاق کی نیابت کا واقعی مستحق ہے۔

مگر اس موقع پر نہایت اختصار کے ساتھ صرف اتنا دکھانا چاہتے ہیں کہ خدا تعالی کے فیوضات اخذ کرنے اور اسکے علوم و کمالات کا مظہر بننے کیواسطے انسان میں کن شرائط کی ضرورت ہے یا بالفاظ دیگر حق تعالی کے مدرسہ میں طب روحانی کی تحصیل کس استعداد پر موقوف ہے۔ (باقی آیندہ)

مکتوبات مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ

یہ رسالہ جو ہندوستان کے ایک مشہور و مقدس جامع الفنون باخدا عالم اور مدرسہ اسلامیہ دیوبند کے قدیم مدرس اول رحمۃ اللہ علیہ کے اکیس خطوط کا مجموعہ ہے۔ دفتر القاسم میں بغرض تنقید موصول ہوا ہے۔ حضرت مولانا اشرف علی صاحب اس کی نسبت تحریر فرماتے ہیں۔ رسالہ مکتوبات مولانا محمد یعقوب صاحب میری نظر سے گذرا۔ اس سے زیادہ کہنے کی حاجت نہیں کہ یہ رسالہ مبتدی و متوسط و منتہی سب کے کام کا ہے عامی سے لیکر عالم تک اور طالب سے لیکر شیخ تک سب کے مطالعہ میں رہنے کے قابل ہے۔ طالبان طریق کو حکیم امیر احمد صاحب کا ممنون ہونا چاہیے۔ اگر وہ چندے اسکی اشاعت کی طرف توجہ نہ فرماتے کیسا خزانہ علوم و معارف کا ضائع ہو جاتا۔ معمولی کاغذ کے ۶۴ صفحہ پر طبع ہوا ہے اور جناب مولوی حکیم امیر صاحب نانوتہ ضلع سہارنپور سے چھ آنے قیمت پر مل سکتا ہے۔

قصیدۂ نعتیہ

جناب مولانا عبدالرحمٰن صاحب رکن مجلس العلما بھوپال کے عربی قصائد اس سے پہلے بھی ادب و عربیت سے مناسبت رکھنے والے حضرات کے لیے باعث فرحت ہو چکے ہیں۔ اس مرتبہ اکثر ناظرین کی فرمایش سے مولانا موصوف کے اشعار کا ترجمہ بھی کر دیا گیا ہے۔

الم طیف سری لیلا علی عجل من نحو طیبۃ مغنی سید الرسل

مدینہ کی طرف سے (جو سرورِ انبیا کا وطن ہے) ایک خیال جو رات کو چل کر آیا تھا میرے دل میں اُترا

جاب القفار علی ظہر السری فاتی وقد طوی الارض من سھل ومن جبل

راتوں رات میدانوں کو قطع کرتا ہوا اور نرم زمینوں اور پہاڑوں کو طے کرتا ہوا آیا

فی سیرہ لا امتطی خیلا ولا ابلا ولا اعتنی برسیم الاینق الذلل

وہ خیال اپنے سفر میں نہ کسی گھوڑے پر سوار ہوا نہ اونٹ پر ۔ اور نہ اُسنے تابعدار اونٹوں کی رفتار کی طرف توجہ کی

وقد توجہ نحوی ما لہ فتر فی طرفۃ العین وافانی بلا ملل

وہ میری طرف متوجہ ہوا جبکہ وہ تھکا ماندہ نہ تھا بلا کسی کوفت کے وہ پل بھر میں میرے پاس آگیا

اھلا وسھلا فیا للہ مقدمہ فی العین مثل الکری فی القلب کالجذل

مرحبا مرحبا۔ اسکا آنا کس قدر اچھا ہے آنکھوں میں نیند کی طرح اور دل میں خوشی کی طرح

اکرم بہ من نزیل قد اتی وثوی بیتا بقلب بانواع الھموم بلی

وہ کیسا اچھا مہمان ہے جو آیا اور دل کے اُس مکان میں ٹھہرا جو طرح طرح کی فکروں میں مبتلا ہے

فاختارہ منزلا طوبیٰ لمنزلہ وما ابتغی من قری عندی ومن نزل

اُسنے دل کو قیامگاہ بنالیا۔ اسکے قیامگاہ کو مبارکباد ہو اور نہ مجھ سے کچھ ضیافت طلب کی اور نہ اُترنے کا سامان

ویا لہ من لطیف جل عن بصر قد زار فی حلۃ من احسن الحلل

کیسا اچھا پاکیزہ خیال ہے جو نظر سے بالاتر ہے۔ اُسنے نہایت عمدہ لباس میں مجھ سے ملاقات کی

فداہ من طارق نفسی وما بیدی مثواہ فی خلدی ماواہ فی مقلی

اُس رات کو آنیوالے پر میری جان قربان ہو اور جو کچھ میرے پاس ہے میرے دل میں اُسکا ٹھکانا اور میری پتلیوں میں اُس کی جگہ ہے

صافحتہ بعد ما عانقتہ طرباً	وقبلت باللثم من کفیہ والقبل
میں نے اس سے نہایت خوشی سے معانقہ کے بعد مصافحہ کیا	اور اس کی دست بوسی کی دولت مجکو نصیب ہوئی
غسلت عن قدمیہ بالدموع ارمُ	شها علی کبدی اشفی بها غللی
میں اپنے آنسوؤں سے اسکے پاؤں دھو کر اپنے جگر پر ڈال رہا تھا	تاکہ ان سے اپنی تشنگی کو بجھاؤں
اکفکف الدمع عن شأنی منحدرا	والدمع منتثر کاللآلی والخضل
میں اپنے گوشہ چشم سے بہتے ہوئے آنسوؤں کو ہٹا رہا تھا	اور آنسو موتیوں کی طرح بکھر رہے تھے
کم من لآلی علی اقدامہ نثرت	بفیض دمع من العینین منهمل

چشم اشکبار سے بہکر بہت سے موتی اُس کے قدموں پر نثار ہوئے

فقال لی لم تبکی قلت من اسفٍ	علی زمانٍ مضی فی الغیّ والغفل
خیال نے کہا کہ کیوں روتا ہے؟ میں نے کہا کہ	گمراہی اور غفلت میں جو زمانہ گذرا اسکے غم میں رو رہا ہوں
من لی ارجیہ فی خطاءٍ وفی خطاءٍ	من لی الوذ بہ فی حادثٍ جلل
میرا کون مددگار ہے کہ قصور وخطا کی معافی میں اس سے امید رکھوں	ایسا کون ہے کہ بڑے بڑے حادثات میں اسکی پناہ پکڑوں
فقال لذ بجناب المصطفٰی وکفٰی	هو الشفیع لاهل الذنب والزلل
خیال نے کہا کہ بارگاہ مصطفٰی میں پناہ پکڑ	گنہگاروں اور خطاکاروں کی شفاعت کیلیے وہی کافی ہیں
بلی وشیفع اهل الحشر فی فزعٍ	یظن کل امرءٍ ان لاشفاعة لی

بیشک۔ وہ اہل محشر کی ایسے وقت شفاعت کرینگے کہ ہر شخص سمجھتا ہوگا کہ میرا کوئی سفارشی نہیں

هول القیامة هولٌ من فظاعتہ	تری النبیین فی خوفٍ وفی وجل
قیامت کی ہول ایسی ہی کہ اُس کی شدت سے	انبیاء علیہم السلام بھی خوف اور اندیشہ میں ہونگے
یاتی شفیعاً الی الرحمن یسجدہ	یثنی علیہ بما لم یثن من رجل

اُسوقت محمد مصطفٰی شفیع ہوکر خدا کی جناب میں حاضر ہونگے اور سجدہ میں گر کر ایسی حمد وثنا کرینگے جو کبھی کسی نے نہیں کی

اشفع تشفع وسل تعطہ یقال لہ	وراسک ارفع وقل تسمع ودم تنل
ارشاد ہوگا کہ شفاعت کیجیے قبول کیجائیگی۔ سوال کیجیے دیا جائیگا۔	سجدے سے سر اٹھا لیجیے جو کچھ کہو گے مقبول ہوگا جو کچھ طلب کروگے پاؤگے

(باقی آئندہ)

توضیح و تشریح بعض مسائل طاعون

مندرجہ القاسم نمبر ۶ - بابت محرم ۱۳۲۹ھ

طاعون سے بچنے کے لیے جو ٹیکہ لگایا جاتا ہی اُسکے متعلق جو کچھ پہلے لکھا گیا ہی اُسکی توضیح یہ ہی کہ مطابق فتوے متاخرین شدت ضرورت میں جبکہ طبیب حاذق و معتبر کے قول سے اُس میں نفع متحقق ہو ٹیکہ لگانا درست ہی اور چونکہ ڈاکٹروں کے تجربہ اور اتفاق سے اُسکا نافع ہونا ثابت ہوچکا ہے اور ضرورت ظاہر ہی اسلیے یہ علاج موافق قواعد شریعت کے درست ہی۔ واللہ الهادی الی صراط مستقیم

کتبہ اشرف علی

ربیع الاول ۱۳۲۹ھ

اسی قسم کا فتوی ۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا رشید احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک استفتا کے جواب میں صادر فرمایا تھا۔ جو ریاست کی جانب سے ایک عام اشتہار کے ذریعے سے شائع کیا گیا تھا۔ جسکی نقل ذیل میں کیجاتی ہی۔

اشتہار

بنابر اطلاع خاص و عام

حسب حکم سرکاری مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ ہر خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہی کہ حضور سرکار عالیہ دام سلطنتہا نے محض بنظر رفاہ و حفاظت خلائق اس ملک کے اُنکو ہدایت اور

فہمایش ٹیکہ لگانے کی فرمائی ہی اسکو بعض بعض اشخاص نے انحراف تعمیل کی غرض سے ٹیکہ لگانا ممنوعات شرعیہ سے خیال اور مشتہر کیا۔ یہ خیال اُنکا باطل اور محض بیکار ہی کیونکہ آ محمد رشید احمد صاحب گنگوہی جو مشاہیر علما حنفی المذہب اور مشائخ ہندوستان سے ہیں اُنکی تحریر سے جواز ٹیکہ طاعون کا صاف ثابت ہوتا ہے جو حسب ذیل ہی۔

نقل تحریر مولانا محمد رشید احمد صاحب گنگوہی بجواب مستفتی دربارہ

جواز وعدم جواز ٹیکہ طاعون

ٹیکہ لگوانے میں شرعًا کوئی گناہ نہیں ہی نہ کوئی ایمان کا نقصان ہی منجملہ معالجات کے یہ بھی ایک علاج ہی جو عند الضرورت درست ہی فقط

المرقوم بست وششم ذیقعدہ سنہ ۱۳۲۱ھ

خاکسار

حبیب الرحمن عفی عنہ

مراد آباد میں جمعیۃ الانصار

کا پہلا اجلاس

جلسوں کی عام کثرت نے اگرچہ انکے عمدہ مقاصد کی عظمت و اقتدار کو بہت کچھ گھٹا دیا ہی۔ لیکن بعض مذہبی یا تمدنی ضرورتیں ایسی ہیں کہ جن کی انجام دہی بغیر کسی خاص قومی اجتماع کے ممکن نہیں مثلاً طلبا، مدرسہ عالیہ دیوبند کی جمعیۃ الانصار کی یہ اغراض کہ (الف) قرآن پاک و حدیث شریف کے اسرار و لطائف سے عام مسلمانوں کے کان مانوس ہوں (ب) عقائد اخلاق اور اعمال کی اصلاح کے متعلق علمی مضامین پڑھے جائیں (ج) مسلمانوں کے مذہبی علوم و معارف کی حفاظت اشاعت کے وسائل پر عموماً اور ان کی اصلاح و عمارت پر خصوصاً بحث و مشورہ ہو وغیرہ وغیرہ۔ ان سب امور میں کامیاب ہونا اس پر موقوف ہے کہ مختلف اوقات اور متفرق مقامات میں جمعیۃ الانصار کی جانب سے ایسے شاندار جلسے ہوا کریں جنمیں اسلام کی برگزیدہ جماعت مسلمانوں کی دینی و دنیوی فلاح کے متعلق کچھ مفید ہدایتیں لوگوں کے گوش گزار کر سکے۔ نیز ان جلسوں میں رسول کی سچی تعلیمات اور بزرگان سلف کے حوصلہ افزا کارنامے سنا کر افراد قوم کے مردہ جسموں میں روح تازہ پھونکنے کی کوشش کیجائے اور یہ بھی بتلایا جائے کہ مسلمانوں کے علوم و فنون کو دیگر اقوام کے علوم و فنون سے کیا نسبت ہے

بصد مسرت و بہجت مشتہر کیا جاتا ہی کہ امسال اس قسم کے پہلے جلسے کا انعقاد **مراد آباد** میں زیر سرپرستی جناب قاضی **محمد شوکت حسین** صاحب رئیس اعظم مراد آباد قرار پایا ہی۔ اور مراد آباد کے ہمدردان ملت کی ایک معزز کمیٹی نے اس جلسہ کے انتظامی معاملات میں کافی امداد دینے کی ذمہ داری فرمائی ہی۔ **اپریل سنہ ۱۹۱۱ء کی ۱۵۔۱۶۔۱۷ تاریخ کو یہ جلسہ منعقد ہوگا** اور خدا کی ذات سے امید ہی کہ اپنی نوعیت میں یگانہ ہوگا۔ ہم کو توقع ہی کہ اسلام کے دردمند اور علمی مشاغل میں دلچسپی لینے والے اس مجمع کی شرکت کو غنیمت سمجھینگے اور عام طور پر مسلمانان جلسہ کی برکات اور علماء ربانی کے بیانات سے محظوظ ہونگے۔

شرکاء جلسہ کی مہمانی وغیرہ کے متعلق خود مجلس انتظامیہ مراد آباد مفصل اعلان شائع کریگی۔ اور ہر قسم کی خط کتابت جو جلسے کے متعلق کرنا ہو جناب مولوی سید **فضل حسین** صاحب نائب سکرٹری جلسہ انتظامیہ و اڈیٹر ضیاء الاسلام **مراد آباد** کے نام ہونی چاہیے۔

خاکسار محمد عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار عفی عنہ

فہرست حضرات معاونین خاص رسالہ القاسم

(۱) جناب میر احمد شریف صاحب وکیل درجہ اول حیدرآباد دکن (قیمت رسالہ ۶؍ بطور اعانت القاسم ۳ ؍) ۱۲ ؍
(۲) جناب چودھری لیاقت حسین خانصاحب رئیس مینڈھو ضلع علیگڈھ ۵ ؍
(۳) ایک معزز و محترم معاون (جو اظہار نام نامی پسند نہیں فرماتے) ۵ ؍
(۴) جناب حاجی محمد عبد العزیز خانصاحب ساکن مظفرنگر ۵ ؍
(۵) جناب حاجی نور محمد و محمد خلیل صاحبان سوداگر مظفرنگر ۵ ؍
(۶) جناب خان صاحب عبد الغنی خانصاحب حیدرنگر ضلع میرٹھ ۵ ؍
(۷) جناب میاں محمد ابراہیم خانصاحب ساکن حیدرنگر ضلع میرٹھ ۶ ؍

آخر کے ہر دو صاحبان نے یہ رقم محض اعانت کے لیے عطا فرمائی ہی رسالہ نہیں لیا اُنکے دوستوں اور رشتہ داروں کے پاس جو رسالے آتے ہیں اُن کو کافی سمجھتے ہیں۔

جناب شیخ رانجو صاحب کلکتہ سھگن گلی نمبر ۱۴ نے بلاکسی تفصیل و اطلاع کے مبلغ دس روپیہ بذریعہ منی آڈر ارسال فرمائے تھے، خطوط بھیجے گئے مگر جواب نہیں آیا ایک ماہ اور انتظار کر کے بمد اعانت القاسم داخل کر دیئے جائینگے۔

رجسٹرڈ نمبر اے ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۹ | بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

احمدی پریس علیگڑھ میں مولوی رشید احمد انصاری مالک مطبع نے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مدرسہ اسلامیہ دیوبند اور اُسکے علماء سے ایک عام غلط فہمی کا ازالہ

اہل اسلام کی سہولت اور تحقیق حق کی غرض سے مسائل طاعون کے بیان میں جو ٹیکہ کے جواز کا مسئلہ القاسم میں لکھا گیا ہے چونکہ اُسکے متعلق اُن دلائل کو بھی پیش نظر رکھنا ضروری تھا جنکو تشدد پسند مفتیون نے اپنے رسائل میں لکھکر عوام کے لئے بہت تنگی کر دی تھی لہذا اُس مضمون میں بعض قیود و شروط کا اضافہ کرنا ضروری سمجھا گیا تھا۔ مگر ان شرائط کے بڑھانے سے وہ مضمون عام حضرات کے نزدیک کچھ ایسا پیچیدہ بنگیا کہ بعض ایسے لوگوں کیلئے جن کو ٹیکہ کے ناجائز اور حرام لکھنے والوں کے کلام پر عبور یا واقفیت نہیں غلط فہمی کا باعث بن سکتا ہے اسی اشکال اور غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے اسوقت قلم اُٹھایا جاتا ہے۔ اس معاملہ میں اجمالاً یہ لحاظ کر لینا کافی ہوگا کہ "ٹیکہ طاعون" اور "ٹیکہ چیچک" میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے پس جبکہ ٹیکہ چیچک کا ماہر ڈاکٹروں کے تجربہ سے مفید و سود مند ہونا ثابت ہو چکا ہے اور اسی وجہ سے وہ بالاتفاق تمام علماء کے نزدیک جائز و درست ہے اور بلا انکار اس کا رواج ہر طبقہ میں اسی وجہ سے ہو گیا ہے اور اسی طرح ٹیکہ طاعون کے متعلق ڈاکٹروں کی رائے ہو کہ اس سے بہتر اور کوئی علاج طاعون سے محفوظ رہنے کے لئے ابتک سمجھ میں نہیں آیا اور تجربہ اسکا مؤید ہے پس اسکے جواز میں کسی کو کوئی تردد نہیں کرنا چاہئے اس موقعہ پر ہم تمام مسلمانوں کے اطمینان کے لئے اُس فتوی کو جو کہ **حضرت مولانا رشید احمد صاحب** قدس اللہ اسرارہم سرپرست مدرسہ اسلامیہ دیوبند نے عمائد بھوپال کے استفسار پر اب سے آٹھ نو برس پہلے تحریر

فرمایا تھا (اور فرماں روائے بھوپال نے اپنی تمام رعایا کے اطمینان کیلئے ۱۳۲۱ھ میں حضرت مولانا ممدوح الصدر کے فتوے کے بنا پر ٹیکہ طاعون کے عام رواج دینے کے لئے اشتہار طبع کرا کر حکم صادر فرمایا تھا) علماء دیوبند اور سرپرستان مدرسہ دیوبند کے خیالات معلوم کرنے اور مزید اطمینان اہل اسلام کے لئے مکرر معہ اشتہار مذکور اور مفتیان مدرسہ عالیہ دیوبند کا ایک مفصل فتویٰ رسالہ القاسم متعلقہ مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند مین طبع کرانا مناسب وضروری خیال کرتے ہیں تاکہ مدرسہ دیوبند اور اُسکے علماء اس عام غلط فہمی سے محفوظ ہوجاویں جو اُسکی طرف کی گئی ہے اور برادران اسلام بجائے خود مطمئن ہوکر اُسکے عمل میں تردد نفرماویں۔ اس مختصر تمہید کے بعد ہم سرکار عالیہ بھوپال دام اقبالہا کا وہ اشتہار جس میں حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سرپرست مدرسہ دیوبند کا فتویٰ شائع ومشتہر کرکے رعایا کو مطمئن فرمایا گیا ہے بجنسہ نقل کرتے ہیں اور پھر علماء مدرسہ دیوبند کا فتویٰ درج کرینگے واللہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

نقل اشتہار سرکار عالیہ بھوپال دام اقبالہا

مرتبہ عدالت مجسٹریٹی درجہ اوّل شہر بھوپال باجلاس منشی قاضی محمد شمس الدین صاحب مجسٹریٹ درجہ اوّل شہر

دستخط مجسٹریٹ صاحب

مہر عدالت

اشتہار آنکہ

بنابر اطلاع خاص وعام

حسب صدور حکم سرکاری مورخہ ۲۴ ذیقعدہ ۱۳۲۱ ہجری ہر خاص وعام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ حضور سرکار عالیہ دام سلطنتہا نے محض بنظر رفاہ وحفاظت خلائق اس ملک کے اُنکو ہدایت اور فہمایش ٹیکہ لگانیکی فرمائی ہے اُسکو بعض بعض اشخاص نے انحراف تعمیل کی غرض سے ٹیکہ لگانا ممنوعات شرعیہ سے خیال کیا اور مشتہر کیا یہ خیال اُنکا باطل اور محض بہکایا ہے کیونکہ مولانا محمد رشید احمد صاحب گنگوہی جو مشاہیر علماء حنفی المذہب اور مشائخ ہندوستان سے ہیں اُنکی تحریر سے جواز ٹیکہ طاعون کا صاف

طور سے ثابت ہوتا ہے جو حسب ذیل ہے :-

نقل تحریر مولانا محمد رشید احمد صاحب گنگوہی بجواب سوال مستفتی دربارہ جواز و عدم جواز ٹیکہ طاعون

"ٹیکہ لگوانے میں شرعاً کوئی گناہ نہیں ہے نہ کوئی ایمان کا نقصان ہے منجملہ معالجات کے یہ بھی ایک علاج ہے جو عند الضرورت درست ہے فقط"

المرقوم بست و ششم ذیقعدہ ۱۳۲۱ھ ہجری

نقل فتویٰ علماء مدرسہ اسلامیہ عربیہ دیوبند

سوال - کیا فرماتے ہیں علماء دین و مفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ہندوستان میں مرض طاعون کی سخت شدت ہے بہت سی تدبیریں دفع مرض کے واسطے کی گئیں لیکن کوئی نفع بخش نہیں ظاہر ہوئی نہ کوئی دوا باوجود گورنمنٹ عالیہ کے بے انتہا کوششوں اور صرف زر کثیر کے اس وقت تک اس مرض کے واسطے مفید ثابت ہوئی صرف ایک طاعون کا ٹیکا اسوقت تک اس کے واسطے مفید ثابت ہوا ہے جس کا تجربہ لاکھوں آدمیوں پر ہو چکا ہے جن لوگوں کے ٹیکا لگایا گیا وہ بفضلہ تعالیٰ اس مرض سے باوجود اس محلہ کے قیام کے جہاں اس کی شدت تھی محفوظ رہے ہیں اور اب تمام حاذق اطبائے یورپ کی رائے ہو گئی ہے کہ طاعون کا علاج بجز اس ٹیکہ کے اور کوئی نہیں ہے ایسی حالت میں ٹیکہ کا لگانا شرعاً جایز ہے یا نہیں ۔

جواب

ٹیکہ لگانا شرعاً جایز ہے کہ یہ بھی ایک دوا اور علاج ہے اور شرعاً ہر ایک مرض کے لئے دوا و علاج درست ہے مشکوٰۃ شریف میں حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکل داءٍ دواءٌ فاذا اصیب دواء الداء برءَ باذن اللہ رواہ مسلم یعنی حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ہر ایک مرض

کے لئے دوا ہے سو جب دوا مرض کو پہونچ جاتی ہے یعنی دوا مطابق مرض کے واقع ہوتی ہے مریض اچھا ہوجاتا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے روایت کیا اس کو امام مسلم نے اسی طرح بکثرت احادیث میں اجازت علاج و دوا کی ہر ایک مرض کے لئے ہے سو جس علاج کا نافع ہونا کسی مرض کے لئے تجربہ سے ثابت ہوجاوے اُس کے جواز میں شرعاً کچھ تردد نہیں پس جبکہ اطباء حذاق و ڈاکٹران ماہرین کے تجربہ سے ٹیکہ طاعون کا نافع ہونا ثابت ہوا تو اُس کے جواز میں کچھ شبہ نہیں ہے جیسا ٹیکہ چیچک کا کہ نافع ہونا اُسکا تجربہ سے ثابت ہوچکا۔ لہذا اُس کے جواز میں کسی کو کچھ شبہ نہیں ہے اور کوئی شرعی ممانعت ٹیکہ چیچک و ٹیکہ طاعون میں نہیں ہے۔ چنانچہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی فتویٰ موجود ہے اور مدرسہ دیوبند سے یہی فتویٰ پہلے بھی دیا گیا ہے اور تمام علماء دیوبند کا یہی مسلک ہے اور یہ ہی حق ہے فقط واللہ اعلم۔

کتبہ عزیز الرحمٰن عفی عنہ
مفتی مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح بندہ محمود عفی عنہ
صدر مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح
بندہ محمد احمد عفی عنہ مہتمم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

الجواب صحیح لہٗ
محمد حسن عفا اللہ عنہ مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح غلام رسول عفی عنہ
مدرس مدرسہ عربیہ دیوبند

الجواب صحیح احقر الزماں گل محمد خان
مدرس مدرسہ عربیہ عالیہ دیوبند

الجواب صواب
محمد انور عفا اللہ عنہ

الجواب صحیح احقر الطلبہ حسین احمد غفرلہٗ
مدرس مدرسہ عربیہ اسلامیہ دیوبند

الجواب صحیح فخر الدین احمد عفی اللہ عنہ
مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند

الجواب صحیح شبیر احمد عثمانی
مدرس مدرسہ عربی دیوبند

الجواب صحیح
بندہ محمد سہول عفی عنہ
مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند

الجواب صحیح
کتبہ الفقیر اصغر حسین دیوبندی
معتمد المدیر رسالہ القاسم

الجواب صحیح
بندہ احقر محمد حبیب الرحمٰن عفی عنہ
مدیر رسالہ القاسم و مددگار مہتمم
مدرسہ اسلامیہ دیوبند

الجواب صحیح
بندہ محمد عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار

الجواب صحیح
بندہ محمد عبد الخالق نگینوی خادم مدرسہ اسلامیہ دیوبند

موتمر الانصار

یعنی

جلسۂ علمیہ جمعیۃ الانصار متعلقہ مدرسۂ اسلامیہ دیوبند

کا

پہلا اجلاس مرادآباد میں

ہندوستان میں مدرسہ عربی دیوبند چونکہ مسلمانوں کے مذہبی توجہات کا قبلہ اور اُن کی دینی کوششوں کا مرکز تسلیم کیا گیا ہے اسلئے خواہی نخواہی اُس کے کارناموں میں ایک خاص اہمیت اور عظمت پیدا ہو جاتی ہے اور چونکہ کارکنان مدرسہ اپنے ارادوں کی بُنیاد محض خدا کے بھروسہ پر قایم کرتے ہیں اس وجہ سے ہر تجویز میں جلد تر برکت اور کامیابی کے آثار نظر آنے لگتے ہیں۔

رمضان ۱۳۲۷ھ کی ستائیسویں شب بھی عجیب زندگی بخش اور متبرک شب تھی جبکہ ہم چند ضعیف الاثر طالب علموں نے اپنے حقیقی مربیوں سے جمعیۃ الانصار کے افتتاح کی درخواست کی اور گو جمعیت کے وسیع مقاصد ہم غریبوں کے پیمانہ مقدرت سے زائد معلوم ہوتے تھے مگر ہمارے اکابر نے اپنی عالی قدر تائید و امداد کے وعدہ کے ساتھ اُنکو شرف قبول بخشا اور غایت شفقت سے جمعیۃ کی سرپرستی منظور فرمائی۔

جن لوگوں نے اُسوقت جمعیۃ کے بلند مقاصد پر نظر فرما کر شیخ چلّی کے خیالات سے تشبیہ دی تھی وہ بیشک ہماری خستہ حالی اور بے سروسامانی کے اعتبار سے بالکل درست تھی لیکن میں معاف کیا جاؤں اگر یہ کہوں کہ اُنھوں نے ہمارے بزرگوں کی ہمت۔ اخلاص۔ اور توجہ الی اللہ کا ہرگز کافی طور پر اندازہ نہیں کیا تھا۔

جیسا کہ میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ مدرسہ عربیہ دیوبند کے ہر شعبہ میں خدا تعالیٰ پر اعتماد کرنے کی وجہ سے قلیل مدۃ میں نمایاں ترقی ہونے لگتی ہے یہی حال اپنے مقتداؤں کی توجہات سے جمعیۃ الانصار کا بھی ہوا۔ جمعیۃ الانصار کیا چیز ہے اُسکے مقاصد کیا ہیں۔ اُس نے عملی کارروائی کیا کی یہ وہ سوالات ہیں جنکا جواب اب میں نہایت اختصار اور آسانی کے ساتھ دینا چاہتا ہوں۔

جمعیۃ الانصار مدرسہ عربی دیوبند کے فارغ التحصیل طلباء کی اُس مددگار جماعت کا نام ہے جو مخصوص شرائط کے پابند ہو کر مدرسہ کی ہمدردی میں ہر طرح پر حصہ لے یا بالفاظ دیگر سرپرستان مدرسہ دیوبند کے دست بازو بنکر کام کرے۔

اِس جمعیۃ کی غرض مدرسہ کے مقاصد کی تائید و حمایت اور اُسکے پاک اثر کی ترویج و اشاعت ہے مُلکی معاملات سے اُسکو کوئی تعلق نہیں ہے۔

اِس جمعیۃ کے ارکان مدرسہ عالیہ دیوبند کے سابق تعلیم یافتہ حضرات ہیں جن میں سے ہر ایک کا فرض ہے کہ مدرسہ کی تعلیمی انتظامی اور مالی ترقی میں انتہائی کوشش کرے۔

ان فرائض کے ادا کرنے کے لئے جمعیۃ نے پانچ شعبے قرار دئے ہیں (الف) تکمیل التعلیم (ب) نظام التعلیم (ج) الارشاد (د) التالیف والاشاعۃ (ہ) جلسہ علمیہ۔

تشریح

(الف) درجہ تکمیل میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ کی تالیفات اور حضرت مولانا شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ علیہ کے خاندان کی کتابیں مثل حجۃ اللہ البالغہ۔ خیر کثیر۔ عبقات۔ تکمیل الاذہان اور حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ علیہ کے بعض مکتوبات پڑھائے جائینگے۔

(ب) علم تفسیر و کلام و ادب وغیرہ فنون کی اعلیٰ کتابیں بھی داخل درس ہونگی۔

(ج) تحریر و تقریر کی خاص مشق کرائی جائیگی۔

(د) طریقہ تدریس و انتظام سکھلایا جائے گا۔

(۲) مدرسہ اسلامیہ دیوبند کی سرپرستی جو مدرسہ قبول کرے اور اُسکے نظامات تعلیمیہ اپنے ہاں نافذ کرے اسکی اصلاح اور امداد شعبہ نظام التعلیم کا فرض ہوگا۔ (۳) شعبہ الارشاد کا فرض ہوگا کہ ایسے مذکر (واعظ) اور خطیب تیار کرے جو مختلف زبانوں میں یہ اسلامی خدمت بوجہ احسن ادا کریں اور تحریری و تقریری مناظرہ کرنے والے ایسے فاضل تیار کئے جاویں جو مشرکین۔ دہریئین۔ ملحدین۔ اہل کتاب۔ اور مبتدعین پر اتمام حجۃ کر سکیں۔ (۴) شعبہ تالیف و اشاعت میں (الف) ائمہ متقدمین۔ (ب) حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خاندان یعنی حضرت شاہ عبد العزیز صاحب شاہ عبد القادر صاحب شاہ رفیع الدین صاحب شاہ محمد اسمٰعیل صاحب اور شاہ محمد اسحاق صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ (ج) اور

مولانا محمد قاسم صاحب اور مولانا رشید احمد صاحب قدس اللہ اسرارہما کی تالیفات اور تصنیفات کی حفاظت (یعنی کتب خانہ مدرسہ عالیہ میں جمع کرنا) اور اشاعت بذریعہ طبع ونسخ ہوگی اور اسی منہاج پر جدید رسائل اور کتابیں مختلف زبانوں میں تصنیف وشائع کرائی جاوینگی۔

(۵) جمعیۃ الانصار کا وہ جلسہ علمیہ جس میں (الف) قرآن شریف وحدیث شریف کے اسرار ولطائف بیان ہوں۔ (ب) اصلاح عقائد واخلاق واعمال کے متعلق علمی مضامین پڑھے جائیں (ج) مسلمانوں کے مذہبی علوم کی حفاظت واشاعت کے وسائل پر عموماً اور مدارس کی اصلاح وعمارت پر خصوصاً بحث ومشورہ ہو (د) ان تجاویز پر عمل کرنے کا تہیہ کیا جاے۔ **موتمر الانصار** کے نام سے موسوم ہوگا اور اسی کی ایک شاخ قاسم المعارف کہلائیگی۔

ان پانچوں شعبوں میں الحمد للہ کہ جمعیۃ نے اب تلک اپنی عمر اور مالی حیثیت سے زائد کام کیا اور اگرچہ اسکی طویل وعریض مقاصد سے اس موجودہ عملی حالت کو کوئی نسبت نہیں ہی لیکن اتنی مدت میں اور اتنے خرچ سے جو کچھ اُسنے ترقی کی وہ نہایت ہمت افزا اور اُمید دلانیوالی ہے۔

درجہ **تکمیل** کا افتتاح ہوگیا۔ **نظام التعلیم** نے مدارس اسلامیہ کے متحد بنانے میں بارآور توجہ کی اور **الارشاد** کی کوشش سے چند عمدہ مناظروں اور واعظوں کے تیار ہونیکی قوی اُمید ہوگئی تالیف واشاعت کے محکمہ میں جو کام ہوا اور ہو رہا ہے وہ درحقیقت سب سے زیادہ قابل قدر ہے حضرت مولانا شاہ رفیع الدین صاحب کا نایاب رسالہ تکمیل الاذہان اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کی نادر کتاب عبقات بڑی کوشش سے بہم پہونچاکر چھاپنے کے لئے دیگئی۔ علامہ ابن تیمیہ کی نہایت بیش قیمت تصنیف الرد علی المنطقیین کا نسخہ بھی دستیاب ہونیکے ساتھ ہی طبع کرنیکے لئے دیدیا گیا اور مولانا محمد قاسم صاحب قدس سرہ کا رسالہ حجۃ الاسلام بھی بہت ترتیب اور حسن وخوبی کے ساتھ جمعیۃ کے خرچ سے چھپ رہا ہے۔

جمعیۃ الانصار کا پانچواں شعبہ جس کا نام ہمنے **موتمر الانصار** رکھا ہے خدا کا شکر ہے کہ اُسکا آدیبی امسال ہوگیا اور آج اس مضمون میں درحقیقت ہمکو اسی کے مسرت انگیز حالات درج کرنا ہیں۔

یہ رائے ابتدا ہی میں قرار پاگئی تھی کہ موتمر الانصار ہر سال کسی ایسے ضلع میں منعقد ہوا کرے جہاں کہ اُسکے انعقاد کی خواہش اور ضرورت محسوس کیجائے۔ یا جہاں کے مسلمان اُسکے مقاصد کو اہم اور ضروری

سمجھکر اُس کو از خود اپنے یہاں مدعو کریں۔

نہایت خوشی کے ساتھ یہ سُنا جائیگا کہ اس بارہ میں تقدم کی فضیلت اہالیان مراد آباد نے حاصل فرمائی۔ اور اس حیثیت سے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ اسلامیہ دیوبند کو وہاں کے حضرات سے ایک خاص طرح کا تعلق تھا وہ بجا طور پر اسکے مستحق بھی تھے ماہ شوال المکرم ۱۳۲۸ھ میں مراد آباد کے ایک گرامی منش اور با اثر کمیٹی کی تحریک سے ۱۵-۱۶-۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء موتمر الانصار کے واسطے مقرر کی گئی اور جیسا کہ دیوبند کی مجالس کا خاصہ ہے تاریخ معیّن پر علماء و صلحاء اور ہزاروں شائقین کا ہجوم ہوگیا باوجود اژدحام کثیر کے جس انتظام اور اسلوب سے تمام کام ہوا وہ جماعت انتظامیہ کے خلوص و قابلیت پر بیّن دلیل ہے شہر کے نیک طینت رئیس عالیجناب قاضی محمد شوکت حسین صاحب۔ جناب حکیم اظہر الدین صاحب۔ جناب منشی فضل حسین صاحب ایڈیٹر ضیاء الاسلام نیز علماء شاہی مسجد اور قوم پنجابیان کے سربرآوردہ حضرات جن کے بااخلاص اور بے نہایت توجہات سے بہت شادمانی و کامرانی کے ساتھ یہ جلسہ شروع ہوکر تمام ہوا اُنکا شکریہ سچ یہ ہے کہ ہم پوری طور پر ادا نہیں کرسکتے اور اُن محنتوں اور جانفشانیوں کے مقابلہ میں جان صاحبوں نے جلسہ کی وجہ سے برداشت کیں یا اُس راحت رسانی اور نازبرداری کے عوض میں جو اُن سے اپنے مہمانوں کی مدارات کے وقت ظاہر ہوئی ہم سوائے جنت کے خشک وعدوں یا چند غرباء کے مخلصانہ دعاؤں کے اور کیا پیش کرسکتے ہیں۔

بلاشبہ ایسے نیک دل ہمدردوں کی سچّی کوششوں ہی کا یہ نتیجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے موتمر الانصار کے اوّل جلسہ کو اُسکی آیندہ جلسوں کی کامیابی کا بہترین نمونہ بنا دیا۔ حالانکہ جلسہ کے انعقاد سے پہلے جو طاعون کی شدۃ مراد آباد میں تھی اُس سے ہمکو اپنے اغراض میں سخت مایوسی پیدا ہوتی تھی لیکن یہ محض بزرگوں کی برکت اور خدا کا فضل تھا کہ ایام جلسہ میں نہایت سکون و اطمینان رہا اور جلسہ زائد از توقع رونق سادگی اور شان و شوکت سے انجام کو پہونچا جسکے تینؔ دن کی کارروائی حسب ذیل ہے:۔

اجلاس اوّل

یہ اجلاس بصدارت عالیجناب مولانا سیّد احمد حسن صاحب امروہوی مدظلہ العالی ۱۵ اپریل کو ٹھیک ۷½ بجے صبح حسب نظام الاوقات شروع ہوا۔ اوّل جناب قاری عبد الوحید خاں صاحب الہ آبادی مدرس مدرسہ اسلامیہ دیوبند نے کلام اللہ کی عربی لب و لہجہ سے تلاوت فرمائی جس سے حاضرین جلسہ نہایت

متاثر ہوئے اس کے بعد عالیجناب قاضی محمد شوکت حسین خان صاحب پریسیڈنٹ مجلس استقبالیہ نے اپنی تقریر خیر مقدم پڑھی قاضی صاحب کی تقریر نہایت وقیع اور پُر اثر تھی۔ حاضرین جلسہ اور تمام اکابر و حضرات علمار نے نہایت توجہ سے اُس کو سُنا۔ یہ تقریر اگرچہ مختصر تھی لیکن اپنے جامع و مانع الفاظ اور مفید و دلچسپ واقعات کی بنا پر کچھ ایسی دردناک تھی کہ حاضرین جلسہ اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔

بعدہٗ حضرت مولانا احمد حسن صاحب قبلہ امروہی صدر جلسہ نے اپنی افتتاحی تقریر کا خطبہ عربی زبان میں جو نہایت فصیح و بلیغ تھا پڑھا۔ لیکن مولانا نے بوجہ تکان سفر وغیرہ کے پوری تقریر بجائے خود سُنانے کے عبید اللہ ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند کو مرحمت کر کے سُنانے کی اجازت دی۔ بندہ ناظم نے باقیماندہ تقریر بڑی خوشی سے پڑھی۔ اور اس تقریر میں مولانا احمد حسن صاحب نے دارالعلوم دیوبند کے قیام اور حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مدرسہ کے دلچسپ حالات بیان کئے اور مدرسہ دیوبند اور جمعیۃ الانصار کے قیام کے متعلق بہت سے اکابر علمار کی آرار کا اقتباس دیا گیا تھا۔ جو گویا اس بات کا ثبوت تھا کہ بانی علیہ الرحمۃ کا خیال بنار و قیام مدرسہ سے مسلمانوں کی دینی و مذہبی تعلیم کو معراج ترقی پر پہونچانے کی کوشش سے متعلق تھا۔ جو خدا کے فضل و کرم سے آج عملاً کرکے دکھا دیا گیا ہے۔ دوران تقریر میں بعض اُن اعتراضات کا بھی ذکر تھا جو بعض نئی روشنی کے دلدادہ مدرسہ اور جمعیۃ الانصار کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ منجملہ اُن کے یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض نئی روشنی کے شیدائی یہ کہتے ہیں کہ جمعیۃ الانصار اولڈ بائے الیوسی ایشن کی نقل ہے۔ لیکن یہ بات ہرگز صحیح نہیں ہے۔ جمعیۃ الانصار کی تحریک غالباً اب سے تیس برس پہلے شروع ہو گئی تھی اور اس تحریک کے بانی مدرسہ عالیہ کے وہ طالب علم تھے جو آج علوم کے سرچشمہ اور آفتاب فنون ہیں اور جن کی ذات بابرکات پر آج زمانہ جس قدر ناز کرے بجا ہے۔ لیکن چونکہ یہ تحریک اس وقت ضروریات زمانہ سے متعلق نہ تھی اس لئے رُک گئی اور آخر اس کلیہ کی بنا پر کہ ضرورت ہر چیز کو خود بخود پیدا کر لیتی ہے ۱۳۲۷ھ سے اُس انجمن کو پھر دوبارہ زندہ کر کے جمعیۃ الانصار نام رکھا گیا۔ جمعیۃ الانصار ہرگز کسی انجمن کی نقل نہیں ہے اور نہ کسی کے ذاتی مقاصد سے بحیثیت دنیاوی اس کا تعلق ہے بلکہ اُس کے مقاصد وہ ضروری مقاصد ہیں۔ جن کی آجکل بہت کچھ ضرورت ہے۔ یہ تقریر جمعیۃ الانصار کے انعقاد اور ترقی کا پورا فوٹو ہے اور ایک مبصر اس کو پڑھ کر انصاف سے یہ بات مان لیگا کہ اراکین جمعیۃ کے مقاصد اپنے پاکیزہ مذہب کے متعلق کتنے اچھے اور ضروری ہیں۔ یہ تقریر عنقریب طبع ہو کر شایع ہوگی جس سے اندازہ کیا

جاسکے گا کہ مدرسہ دیوبند کے اعلےٰ کام کس قدر قابل داد اور لائق تائید ہیں۔ اور اُن کی کہاں تک اور کس قدر ضرورت ہے۔ یہ تقریر ٹھیک دس بجے ختم ہوئی۔ اس کے بعد جناب ایس **ابن علی** صاحب اڈیٹر ناظم نے جلسہ موتمر الانصار کی طرف سے شاہ ایڈورڈ ہفتم کی وفات حسرت آیات پر اظہار تاسف کیا۔ اور نائب ناظم صاحب مجلس استقبالیہ جلسہ موتمر الانصار مرادآباد نے حضور شاہ **جارج پنجم** خلد اللہ ملکہ کی مبارک تخت نشینی پر جلسہ کی طرف سے اظہار تہنیت کیا۔

اِس کے بعد بعض حضرات کے اصرار سے آخر میں حضرت مولٰنا **احمد حسن** صاحب صدر جلسہ نے تقریباً ایک گھنٹہ وعظ بیان فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ تھا کہ "خداوند کے قہر سے طرح طرح کے مصائب بیماریاں ہم پر نازل ہو رہی ہیں۔ یہ تمام ہماری اُن بداعمالیوں کا نتیجہ ہیں جو ہم لوگ اُس کے پاک دین ومذہب میں خرابیاں پیدا کرتے اور اُس میں طرح طرح کے شکوک ڈالتے ہیں۔ بنی اسرائیل نے بھی ایسا ہی کیا تھا جن پر بڑا دردناک عذاب نازل ہوا۔ پس ہم کو مناسب ہے کہ ہم ان سیاہ کاریوں سے توبہ کریں۔ اور دین ومذہب کی سچی پیروی کریں" حضرت مولانا کا یہ وعظ نہایت پُراثر اور عالمانہ ہر خاص وعام کیلئے نفع بخش تھا۔

سہ پہر کو ناظم جمعیۃ انصار نے جمعیۃ کے اغراض ومقاصد کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا۔ جس میں بڑی غرض تالیف واشاعت کتب تدابیر اور جلسہ موتمر الانصار کا انعقاد ہے۔ موتمر الانصار جمعیۃ الانصار کا وہ شعبہ ہے جس میں تعلیم دینیات کے انتظام اور اُس کے متعلق ضروری پیش آمدہ ضروریات کا مشورہ ہوتا ہے۔ اور جس کا پہلا اجلاس مرادآباد میں کیا گیا ہے۔

جمعیۃ کے تمام اغراض سے تمام حاضرین جلسہ نے اتفاق فرمایا اور اُس کی ضروریات کو لازمی قرار دیا۔ اس کے بعد مولوی **سراج احمد** صاحب نے اپنا مسدس پڑھا جس میں عرب کی تیرہ وتاریک زمانہ کا قابل عبرت فوٹو کھینچکر ہمارے رسول حضرت محمد مصطفےٰ صلعم کی تشریف آوری کا نقشہ نہایت پاکیزہ الفاظ وچست بندش سے دکھلایا اور عجیب دردناک آواز سے سُنایا تھا۔ حاضرین جلسہ اسکے سننے میں اس قدر محو تھے کہ ایسے عظیم الشان پنڈال میں کہیں سے سانس کی آواز بھی نہ آتی تھی۔ مسدس کے آخر میں مسلمانوں کے اتفاق وہمدردی تحصیل علوم دینیہ اور وفاداری گورنمنٹ عالیہ کا ذکر خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

الغرض خدا کے فضل وکرم سے یہ اجلاس نہایت خیروخوبی کے ساتھ ختم ہوا۔ اس اجلاس میں شریک ہونے والوں کا اندازہ تقریبًا دس ہزار کیا گیا ہے۔ مغرب کے بعد مولوی **ہادی حسن** صاحب کا وعظ ہوا۔

اجلاس سوم وقت ۷ بجے صبح سے گیارہ بجے تک

حسب پروگرام تیسرا اجلاس ۷ بجے صبح سے شروع ہوا جلسہ کا پنڈال نہایت وسیع ہے جس کے دو حصہ ہیں۔ ابتدائی حصہ کسی قدر اونچا غالباً ڈیڑھ فٹ اونچا ہے۔ جو ایک چبوترے کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ حصہ خاص اہل علم حضرات کے واسطے وضع کیا گیا ہے۔ اور دوسرا حصہ عام لوگوں کے لئے ہے۔ یہ وسیع پنڈال جلسہ شروع ہونے سے قبل حاضرین سے بھرا ہوا تھا جن کی تعداد دس ہزار سے کسی طرح کم نہ تھی۔ جلسہ کی ابتدا کلام اللہ سے کی گئی قاری **عبدالوحید** صاحب اور ان کے ایک شاگرد نے سورہ الرحمٰن نہایت عمدگی سے پڑھی۔ جس سے حاضرین جلسہ پر عجیب رقت طاری ہوئی۔ گویا یہ معلوم ہوتا تھا کہ کلام اللہ کی پاکیزہ تعلیم کا سچا اثر پڑ رہا ہے۔ اسکے بعد مولانا **انور شاہ** صاحب مدرس مدرسہ عربی دیوبند نے عربی لب و لہجہ میں اپنا عربی قصیدہ سُنایا۔ جس میں حضرت رسول خدا محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی تعریف و توصیف اور جامع اور لایق خوبیوں کا ذکر تھا۔ یہ فصیح و بلیغ اشعار نہایت پاکیزہ اور عربی لٹریچر کی عمدگی کا ایک قابل دید نمونہ تھے۔ اس کے بعد مولانا **عبدالرحمٰن** صاحب سیوہاری رکن مجلس العلماء بھوپال کا وہ عربی قصیدہ جو جمعیۃ الانصار دیوبند کے قیام و استحکام سے متعلق اور مدرسہ دیوبند کی اعلیٰ دینی و مذہبی خدمات پر مشتمل تھا۔ مولوی **کفایت اللہ** صاحب صدر مدرس مدرسہ امینیہ دہلی نے سُنایا جسکو اہل علم حضرات نے نہایت دلچسپی کے ساتھ سُنا۔

جو لوگ عربی تعلیم یافتہ گروہ پر یہ اعتراض کیا کرتے ہیں۔ کہ وہ عربی میں کچھ کہہ اور کر نہیں سکتے۔ وہ ان نظموں اور عربی تقریروں کو آکر سُنیں اور اس قسم کے اہتمامات کے متعلق اپنی کوتاہ نظری کی داد دیں۔ ۸ بجے مولوی **شبیر احمد** صاحب عثمانی دیوبندی کھڑے ہوئے۔ اور اسلام کے عنوان پر اپنی تقریر شروع کی۔ یہ وہ زبردست تقریر تھی کہ جسکی کوئی بات دلائل عقلیہ سے خالی نہ تھی۔ فلسفہ و حکمت اور علم کلام کے ذریعہ سے جو آجکل تعلیم یافتہ گروہ کا تختہ مشق ہیں ان تمام اعتراضات کو اُٹھایا گیا تھا جسکی نسبت مولانا حالی نے عربی تعلیم یافتہ گروہ کو بیکار سمجھکر اپنے مسدس میں کہا تھا۔ کہ وہ نہ دلائل حقیقت اسلام اور ضرورت نبوت و رسالت کو بھی ثابت نہیں کر سکتے اور نہ ان کے پاس اس کا ذخیرہ ہے۔

اکابر علما نے اس تقریر کو جس ذوق و شوق سے سُنا اس کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جس وقت مولانا محمد اشرفعلی صاحب نے اپنا وعظ شروع کیا۔ تمہیداً یہ بات فرمائی کہ جو دلائل عقلیہ وجود صانع حقیقی اور

ضرورت نبوت ورسالت پرمولوی شبیر احمد صاحب نے بیان فرمائے ہیں۔ میں اب اُن سے زیادہ کیا کہہ سکتا ہوں۔ مولانا اشرف علی صاحب کا یہ فرمانا اگرچہ انکسار پر مبنی تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ مولوی شبیر احمد صاحب نے جس خوبی اور فصاحت و بلاغت کے ساتھ یہ تقریر فرمائی وہ تمام اہل علم حضرات کے دل پر نقش کالحجر ہوگئی۔ دہریت۔ تثلیث۔ فلسفہ جدیدہ اور آریہ فرقہ کے تمام اعتراضات متعلق وجود و توحید باری تعالیٰ اور ضرورت نبوت و رسالت وغیرہ کے جوابات نہایت مدلل و معقول طریقہ پر فرمائے تھے اور ثابت کیا گیا تھا کہ اسلام ہی دنیا میں ایک ایسا مذہب ہے جو ہر قسم کی خرابیوں سے مبّرا اور ایک واحد حقیقی خدا کو واجب الوجود تسلیم کرتا اور اپنے پاس وہ معقول و زبردست دلائل رکھتا ہے۔ جن کے سامنے کسی فلسفہ اور کسی مذہب کے دلائل کی کچھ حیثیت و وقعت نہیں ہے۔ یہ تقریر جس قدر پسند کی گئی اس کا اندازہ صرف مطالعہ سے ہی ہوسکتا ہے۔ ۱۰ بجے یہ تقریر ختم ہوئی اور تمام حاضرین جلسہ نے مولوی شبیر احمد صاحب کی ترقی عمر کے واسطے دعا کی۔

اس کے بعد بندہ ناظم نے جلسہ کی طرف سے گورنمنٹ عالیہ کے احسانات و برکات کا شکریہ ادا کیا اور کثرت رائے سے یہ رزولیوشن پاس ہوا کہ اس شکریہ کا تار گورنمنٹ کو بھیجا جائے۔ چونکہ وقت بہت گذر چکا تھا۔ اس وجہ سے جلسہ کی تجاویز کا اعلان نہ ہوسکا اور مولانا **اشرف علی** صاحب کا وعظ شروع ہوا حضرت مولانا کا وعظ دنیا جانتی ہے کیسا ہوتا ہے۔

حضرت مولانا نے قرآن مجید کی آیت لاخیر فی کثیر من نجواھم الا من امر بصدقة او معروف او اصلاح بین الناس تلاوت فرما کر انجمنوں کے انعقاد کے ذکر سے وعظ شروع فرمایا۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے انجمنوں کی حالت بیان کرکے باخیر و برکت اور مقبول انجمنوں کو ظاہر فرمادیا ہے۔ اس لئے جو انجمنیں اس کے موافق کام کرتی ہیں وہ درست و ٹھیک ہیں لیکن آجکل اکثر انجمنیں ایسی ہیں جن کے ڈھنگ شریعت سے مخالف ہیں۔ انجمنوں کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ وہ اسلام کے مطابق اپنے کام انجام دیں اور خود اسی کے کارکن بھی اسلام کا اعلیٰ نمونہ بنیں۔ یہ اجلاس ۱۲ بجے دن کے نہایت خیر و خوبی اور خوش اسلوبی کے ساتھ ختم ہوا۔

(اجلاس چہارم ۱۴؍ اپریل ۱۹۱۱ء سہ پہر ۳ بجے سے ۵½ بجے تک)

قاری عبدالوحید صاحب نے قرأت کلام اللہ سے جلسہ کا آغاز کیا اور پھر مولوی عبدالسمیع صاحب

نے مذہبی تعلیم کے عنوان سے اپنی تقریر پڑھی جس میں مذہبی تعلیم کے فوائد اور بعض ناگوار نقصانات زمانہ کا ذکر کیا۔ تقریر اچھی تھی اور ضروریات تعلیم مذہبی پر مشتمل تھی۔ اس کے بعد مولوی محمد ابراہیم صاحب واعظ دہلوی کا وعظ ہوا جو اخلاق محمدی سے متعلق تھا۔ آپ نے نہایت دردناک طریقہ اور فصاحت کے ساتھ یہ بات ثابت کی تھی کہ آج جس قدر دیگر ادیان موجود ہیں یا جو وجود میں آچکے ہیں یا آویں گے ان تمام کا مبنی ایسی مختلف باتیں ہیں جن کا دیرپا ہونا اور قیام و استحکام حاصل کرنا محال ہے۔ ہمارے ہادی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اخلاق سے مسلمانوں کے دلوں میں خدا کی محبت کا بیج بویا اور اپنے مبارک اخلاق سے اس کی آبیاری کی یہ تخم ایسا مبارک ہے جس سے دنیا کا کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے۔ غرض اسلام کی تعلیم وہ پاکیزہ تعلیم ہے اور اخلاق محمدی وہ زبردست اخلاق ہیں۔ جن کی نظیر نایاب ہے۔ اسی ضمن میں مختلف تاریخی واقعات کا ذکر کیا گیا۔ جن سے حاضرین جلسہ پر عجیب محویت کا عالم طاری تھا۔ مولوی محمد ابراہیم صاحب کا وعظ نہایت ذوق و شوق کے ساتھ سنا گیا۔ اور باوجودیکہ ۱½ گھنٹہ تک سلسلہ وعظ جاری رہا۔ پھر بھی حاضرین جلسہ ویسے ہی تشنہ لب رہے جیسے کہ تھے اس کے بعد مولوی جمیل الدین صاحب کی تحریر مولوی حسین احمد صاحب مدنی نے سنائی جو عقل و نقل کے متعلق تھی اور جو نہایت دلچسپ اور کارآمد اور دینی و دنیوی ضروریات پر مشتمل تھی۔

یہ اجلاس بھی خیر و خوبی کے ساتھ ۵½ بجے ختم ہوا بعد نماز عصر مولوی شبیر احمد صاحب کا وعظ وجود واجب الوجود اور بحث خلق افعال وغیرہ سے متعلق بالکل فلسفیانہ رنگ میں ہوا۔ جو مخصوص اہل علم کے واسطے تھا۔ اور انہوں نے نہایت دلچسپی کے ساتھ اسکو سنا۔ بعد نماز عشا مولوی حسین احمد صاحب کا وعظ ہوا جو عام طور پر پسند کیا گیا۔

(اجلاس پنجم منعقدہ ۱۷ اپریل ۱۹۱۱ء وقت صبح ۷ بجے سے ۱۱ بجے تک)

سات بجے جلسہ شروع ہوا۔ قاری عبدالوحید صاحب نے کلام اللہ سے جلسہ کا آغاز کیا۔ اس کے بعد مولوی شائق احمد صاحب نے اپنی عربی نظم سنائی۔ جو مضامین کی حیثیت سے عمدہ و دلچسپ تھی۔ اور جسکو اکثر حاضرین جلسہ نے شوق کے ساتھ سنا۔

اس کے بعد ناظم جمعیۃ الانصار نے ان تجاویز کا اعلان کیا جو اس جلسہ کے واسطے قرار دیگئی تھیں۔ اور جن پر اس جلسہ کے ضمن میں بحث کرنا اور ارباب مشورت (ارکان جمعیۃ الانصار اور سرپرست جمعیۃ)

میں پیش کرنا ضروری تھا اور جو گذشتہ شب کو پاس ہو چکی تھیں۔

اس جلسہ میں سات تجاویز کا اعلان کیا گیا جن کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

(۱) انگریزی مدارس گورنمنٹ سکول و کالجوں میں مسلمان طلبہ کی مذہبی تعلیم جس قدر کہ اُن کو ضروری ہے خواہ ہفتہ میں ایک ہی مرتبہ ہو۔ اور اُن کے دار الاقامت (بورڈنگ ہاؤس) میں مسلمان طلبہ کی مذہبی تربیت یعنی وضع و طریقہ اسلام کی پابندی اور اسلامی شعار و اخلاق کے لیے جمعیۃ الانصار دیوبند ہر ایک سکول و کالج میں حسب ضرورت لائق معلم مقرر کرے جن کی تنخواہ ۔ ۔ سے کم نہ ہو کثرت رائے سے یہ تجویز پاس کی گئی۔

(۲) ہر ایک انگریزی مدارس (اسکول و کالج) میں کم از کم ۲۰ فیصدی وہ طلبا جن کی دوسری زبان عربی ہو ان کے لیے جمعیۃ انعامی وظائف جاری کرے اور ان کی تعلیم کے لیے لائق استاد بہم پہونچائے یہ تجویز بھی پاس ہوئی۔

(۳) ایسے منتہی گریجویٹ یا انڈر گریجویٹ طلبہ جن کی دوسری زبان عربی ہو اُسکے لئے مدرسہ عالیہ عربیہ دیوبند میں تعلیم دینیات کا خاص انتظام ہو اور جمعیۃ ۔ سے للعہ تک ماہوار وظائف ان کے واسطے جاری کرے۔ یہ تجویز بھی منظور ہوئی۔

(۴) جمعیۃ مدرسہ عالیہ دیوبند میں ایک ایسی جماعت کھولے جو قرآن شریف پر مخالفین اسلام کے اُن اعتراضات کا جواب دے سکے۔ جو عربی و اُردو زبان میں ہوں۔ ان زبانوں کے سوا دوسری زبانوں کے اعتراضات متعلقہ قرآن مجید کے جوابات جمعیۃ دینے کی ذمہ دار نہیں ہے (یہ تجویز بھی پاس ہوئی)

(۵) مساجد کے انتظام و امامت کے لیے اگر کسی جگہ کے لوگ جمعیۃ سے خواہش کریں تو وہ اُنکے لائق عالم امامت و وعظ کے لیے بہم پہونچائے۔ (پاس)

(۶) قرآن شریف اور دینی کتب کی طبع و تجارت کے لیے مسلمانوں کو آمادہ کرنا اور انکے لیے اُن کو دوسری قوموں کا محتاج نہ رہنے دینا۔ (پاس)

(۷) ایسے چھوٹے چھوٹے رسائل بکثرت مفت شائع کرنا جن میں عقائد اسلام کی تعلیم فرقہ آریہ کے جوابات اور وفاداری گورنمنٹ کی ہدایات ہوں۔ (پاس)

ان تجاویز میں سے ہر ایک تجویز پر مفصل و مشرح بحث کر کے اور تعلیم مذہبی کو بدلائل معقول مقدم ثابت

کرکے موجودہ زمانہ کی مذہبی افسردگی کا ایک باقاعدہ خاکہ پیش کیا اور تعلیم مذہبی کی جانب توجہ دلائی۔
ان تجاویز پر عام پسندیدگی ظاہر کی گئی۔

اِس کے بعد جناب مولوی حکیم اظہر الدین احمد صاحب ناظم مجلس انتظامیہ نے ایک مختصر تقریر کی اِس تقریر میں بھی صاحب موصوف نے مذہبی تعلیم کی تقدیم کو ثابت کیا تھا اور صاف صاف کہدیا کہ میرا مقصد اس سے انگریزی تعلیم کی مخالفت نہیں ہو بلکہ میری غرض ان تمام تقریروں سے صرف یہ ہو کہ ہماری قوم کے افراد پہلے تعلیم مذہبی حاصل کریں اور جب مذہبی رنگ میں رنگے جائیں تو نہایت شوق سے تعلیم انگریزی حاصل کریں اور دنیوی میدان میں پورے طور سے ترقی کریں۔ صاحب موصوف نے اپنی اِس مختصر تقریر کے بعد مجلس انتظامیہ کی مختصر اور مجمل روئداد پیش کی اور جلسہ کا تمام جمع خرچ مجملاً سُنایا۔

بعد اس کے مولانا اشرف علی صاحب مدظلہم کا وعظ ہوا۔ مولانا کا وعظ کچھ ایسا ضروری ہوگیا ہو کہ عوام سے خواص تک کی طرف سے اس کی ضرورت تسلیم کی جاچکی ہو۔ آپ نے کل کی تقریر کا بقایا آج پورا کیا۔ اور انجمنوں کے حالات وغیرہ کے ضمن میں ایک نہایت مفید و کارآمد اور ضروری بحث میں مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ کا انقطاعی فیصلہ کردیا جو قریب قریب تمام حاضرین جلسہ کو پسند آیا اور یہ اجلاس قریب ۱۲ بجے کے ختم ہوا۔

(اجلاس ششم وقت سہ پہر ۲ بجے سے ۵ ½ بجے تک)

مذہبی تعلیم پر مولانا حبیب الرحمٰن صاحب مددگار مہتمم مدرسۂ عالیہ عربیہ دیوبند کی تقریر بوجہ اُن کی ناسازیٔ طبع کے اُن کے بھائی مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے پڑھی۔ یہ تقریر نہایت مفید اور ضروری تھی جسکا اندازہ اس کے مطالعہ ہی سے کیا جاسکتا ہو۔ تعلیم یافتہ صاحبوں سے لیکر عوام تک اس سے فائدہ اُٹھانے میں کامیاب ہوئے۔

اس کے بعد مدرسۂ عالیہ دیوبند کے مختلف طلبہ نے عربی میں تقریریں کیں اور آخر میں نہایت خیر و خوبی کے ساتھ امید سے زیادہ کامیاب جلسہ صدر مجلس استقبالیہ و ناظم صاحب کے شکریہ و دعا پر ختم کیا گیا۔

اس مضمون کا ایک تار کہ گورنمنٹ کے مبارک عہد میں ہم مذہبی و دینی تعلیم کو تکمیل پر پہونچانے میں گورنمنٹ کے زیر سایۂ امن و عافیت سے جد و جہد کرتے ہیں۔ شکریہ کے ساتھ ہز ایکسلنسی وائسرائے کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ اور اسی پر جلسہ کا اختتام۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ تَعَالیٰ ؕ

جلسہ کی یہ کارروائی جو نہ بہت مختصر ہے اور نہ بہت مطول بلا کسی قسم کے مبالغہ یا رنگ آمیزی کے ہمنے درج کردی ہے۔ اس کو پڑھکر یہ فیصلہ دینا کہ موتمر الانصار کے مقاصد یا تجاویز کسقدر ضروری ہیں اور یہ کہ مراد آباد میں موتمر الانصار کا جلسہ کس درجہ تک کامیاب ہوا ناظرین کے حوالہ کرتے ہیں۔

اور نکتہ سنجوں سے ہماری یہ بھی التجا ہے کہ وہ قدرے اس پر غور فرمائیں کہ موتمر الانصار کے جلسوں نے تعلیمیافتہ سوسائٹی میں کیوں ہلچل پیدا کردی ہے اور اس کی تجاویز پر کیوں رداً یا قبولاً بحثیں ہوتی ہیں باوجودیکہ اُن تجاویز پر ابھی تک عملدرآمد بھی شروع نہیں ہوا ؎

لب تلک بیکس کے نہ آیا ابھی نالہ بھی امیر
زلزلے سے ہے یہ عالم تہ و بالا کیسا

خاکسار

عبیداللہ ناظم جمعیۃ الانصار دیوبند

اَلفُرقَان

علماء دیوبند اور یہاں کے فارغ التحصیل حضرات کی طرف سے جو اسلامی خدمتیں تعلیم و تدریس و تصنیف و تالیف اور وعظ و تلقین کی صورت میں ہمیشہ انجام پاتے رہتے ہیں وہ اہل علم اور دیندار حضرات سے مخفی نہیں۔ حال میں مولانا ناظر حسن صاحب دیوبندی مدرس اوّل مدرسہ اسلامیہ چھتاری ضلع بلند شہر نے (جو عرصہ دراز سے مدارس اسلامیہ میں مدرس اوّل رہکر ہمیشہ درس و تدریس سے اشاعتِ علوم اور خدمت حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم فرما رہے ہیں) ایک نہایت قابل قدر تین سو صفحے کا مفصل رسالہ مبحث قرأت خلف الامام میں تحریر فرما کر بغرض تنقید بھیجا ہے۔ جو نہایت نادر ابحاث و مضامین پر مشتمل ہے۔ فریقین کے پُرزور استدلالات پر مشرح نقض وابرام کیا ہے اور بعض لوگوں کی طرف سے جو خلط مبحث اس مسئلہ میں چلا آتا تھا اُسکو نہایت سلیس طرز و عبارت میں ظاہر فرمادیا ہے۔

اہل حدیث و مقلدین کو اسکا مطالعہ ازبس نفع بخش ہے اور جن لوگوں کو اس مسئلہ میں کسی قسم کا خلجان ہو اُنکے لئے انشاء اللہ باعث تسکین۔ کتاب اچھے کاغذ پر چھپی ہے اور جناب مؤلف صاحب موصوف سے مذکورہ بالا پتہ پر معہ محصولڈاک ۱۲؍ میں مل سکتی ہے۔

الاسلام

(مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی نے جو قابل قدر مضمون موتمر الانصار کے جلسہ میں لکھکر سنایا تھا
امید ہے کہ ناظرین القاسم اسکو دلچسپی سے پڑھیں گے اور ہر طبقہ کے اہل اسلام کیلئے مفید ہوگا۔
لہذا اس ماہ میں اسکا اکثر حصہ درج کیا جاتا ہے۔ بقیہ انشاء اللہ آیندہ پورا ہو جائیگا۔)

یہ مبارک عنوان جس کی بقدر مناسب تفصیل لکھنے پر آج میری خوش قسمتی اور سعادت نے مجھکو آمادہ کیا ہے جس قدر اپنے تلفظ کی حیثیت سے چھوٹا مختصر۔ اور مفرد دکھائی دیتا ہے اسی قدر اپنے معنوی وسعت کے اعتبار سے تفصیل طلب اور دقت خیز ہے۔ اسلام کی تاریخ اس کی صداقت اسکی فوائد اسکی برکات اور اسکی ترقی وتنزل کی داستان بیحد پُر نتائج اور دلچسپ ہونے کی وجہ سے اگرچہ اس قلیل وقت میں پوری نہیں ہوسکتی جو اس تحریر کے لکھنے میں اپنے پاس سے صرف کرسکتا ہوں لیکن محض یہ نیت کرکے کہ ایسے مقدس اجلاس کے سلسلہ مضامین کا اس طرح کے اہم اور ضروری عنوان سے خالی رہنا بھی شاید بہتر علامت نہو۔ میں نے یہ کوشش کی ہے کہ اپنی بے بضاعتی اور کم مائگی کا اقرار کرلینے کے بعد بکمال اختصار اسلامی اصول کو جس طرح پر کہ میں سمجھا ہوا ہوں اپنی قوم اور احباب کے روبرو پیش کردوں تاکہ ہمارا یہ مجمع اسلام کے بابرکت تذکرہ کے ثواب سے محروم نرہے اور مولانا عبید اللہ صاحب کے حکم کی (جنہوں نے میرے دل میں اس مضمون کی تحریک پیدا کی) تعمیل نہ کرنے کا بھی مجھکو گنہگار نہونا پڑے۔
اس میں کچھ شک نہیں کہ مجھسے پہلے سیکڑوں مصنفین نے اس مضمون پر مستقل کتابیں لکھی ہیں اور ہزاروں فضلاء اس عنوان پر خامہ فرسائی کرچکے ہیں اور لاکھوں پیرایوں میں انہیں مسائل کا اعادہ ہوچکا ہی اور بیشمار آدمی اس موضوع پر اپنی جادو بیانی کا ثبوت دے چکے ہیں اور ایسی حالت میں ہماری اس ناچیز تحریر کی کوئی وقعت قائم ہونی نہایت مشکل ہے لیکن ہم خوش ہیں کہ ہمکو اپنے مضمون کی وقعت قایم کرنے کی خلش ہرگز دامنگیر نہیں ہے اور نہ ہمارے دل میں یہ تمنا ہے کہ ہمارے ہر ہر جملے پر واہ واہ کے نعرے بلند کئے جاویں یا احسنت اور مرحبا کی صداؤں سے آسمان سر پر اٹھایا جاوے یا بات بات پر سبحان اللہ اور الحمد للہ کا ورد پڑھا جاوے۔ ہماری صرف ایک ہی آرزو ہے اور اسی میں کامیاب ہونے کو ہم اپنی محنت کا

اصلی عِلّہ سمجھتے ہیں وہ یہ ہے کہ اگرچہ دلی خیالات ہم نہایت صفائی کے ساتھ عام پبلک میں پیش کرینگے سچائی اور راستی پر مبنی ہیں اور درحقیقت اُن خیالات کا ماننے والا نجات ابدی کا مستحق ہوسکتا ہی تو اہل عقل اُن کی تصدیق فرما کر ہمکو راحت اور تسلی بخشیں اور اگر فی الواقع اُن خیالات کو ہمنے اپنی غلطی سے دل میں جمالیا ہے یا اُن کے تسلیم کرنے میں اوہام کی آمیزش لگی ہوئی ہے یا کسی کی کورانہ تقلید اور بیجا حُسنِ ظن کی وجہ سے اُنھوں نے ہمارے دل میں راہ پالی ہے تو براہ نوازش ہماری غلطیوں پر ہمکو متنبہ فرما کر ایک گم گشتہ راہ کی ہدایت کا اجر جو خدا کے یہاں سے مل سکتا ہے اپنے فردِ حسنات میں درج کرانے کی کوشش کریں۔

سامعین کو یہ میں اطمینان دلاتا ہوں کہ میری تحریر کا عام ماخذ اگرچہ اکابر سلف کی تصنیفات سے باہر نہ ہوگا لیکن اُس کا پیرایہ بیان اور ترتیب دلائل جُداگانہ طرز پر ہوگی اور شاید اصول اسلام کے ضمن میں بعض ایسے مضامین بھی نظر پڑیں گے جن کی اس قدر تفصیل دوسری کتابوں میں نہ مل سکیگی کیونکہ اسلام کی فیض رسانی ہر خاص وعام اور ہر عالم وجاہل کے واسطے ہے اور اُس کے اسرار اور فیوض عامہ کسی شخص پر ختم ہونے والے نہیں ہیں۔ وہ اسلام جس کے چشمہ سے قطرہ قطرہ آبحیات بنکر نکلا ہے جس کے خزانہ میں سے علم ومعرفت کے لعل وجواہر تقسیم ہوتے رہے ہیں جس کی عالمگیر روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ جگمگا اٹھا ہے وہ اپنے اخیر زمانہ کے پیرؤوں کو اپنی فیاضی سے محروم رکھے اور اپنے ایک سچّے مناقب وکمالات بیان کرنے والے کی کچھ بھی امداد نہ کرے یہ بالکل قیاس سے باہر ہے میں یقین کرتا ہوں کہ میری تقریر کا روشن عنوان اس مضمون میں خود میری رہبری کریگا اور اگر اور کچھ نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ ایک ایسے اولوالعزم مذہب کے نام لینے ہی سے میری تقریر کی کافی حدتک عزّت کیجاسکے گی۔

یہ بالکل یقینی بات ہے کہ اسلام کے یا اور کسی مذہب کے غیر متناہی فروعات کا احاطہ کرنا اور ہر ایک جُزئے جزئے کو دلائل یا قیاسات سے ثابت کر دکھانا صرف دُشوار ہی امر نہیں بلکہ فضول اور بیکار بھی ہے کیونکہ جب ایک مذہب کے تمام اُصول بروئے عقل وانصاف تسلیم کرلئے گئے تو فروعات اور جزئیات کے ماننے میں انکار کی کوئی گنجایش باقی نہیں رہسکتی اسلئے ہر مذہب وملّت کی جانچ اُس کے اصول اور کلیات ہی کی صداقت سے کیجائیگی اور اُسکی حقانیت کی پڑتال کا یہی بہتر اور آسان ذریعہ قرار پائیگا اسی قید کو ملحوظ رکھکر ہم دیکھنا چاہتے ہیں کہ اسلام کے اصول بلکہ (تنگی وقت کا لحاظ کرکے) اصل الاُصول کہانتک

عقل صحیح اور فطرت سلیمہ کے زیر حمایت ہیں وہ انسان کی فلاح و بہبود کی کس حد تک کفالت کر سکتے ہیں۔ دنیا کے دوسرے شاندار مذاہب سے اُنکو کیا فوقیت اور امتیاز حاصل ہے اُنھوں نے بندوں کے دلوں میں خدا کی کیسی قدر و منزلت قایم کرائی ہے اور پیغمبروں کا کس قسم کا احترام منوانے کی کوشش کی ہے اگر ہم اپنی اس تحقیق میں جس کا مدار محض نیک نیتی پر ہوگا خاطر خواہ کامیاب ہوگئے تو یوں سمجھو کہ ہمنے اپنی زندگی کا ایک بڑا بھاری فرض ادا کر لیا اور بہت سے دوستوں کو جو مجھہ ہی جیسے ہوں سخت محنت اور کد و کاوش اور دوڑ دھوپ سے نجات دیدی اور ہزار ہا بندگان خدا کو تفتیش مذاہب میں ایک طویل جانکاہی سے بچا دیا۔

ہاں یہ بات بار بار یاد دلانے کے قابل ہے کہ اس مختصر تحریر میں جو کچھہ مذکور ہوگا وہ طویل و عریض بیانات نہونگے نہ کثیر التعداد علماء کی رایوں کا استقصا اور موازنہ کیا جاوے گا اور نہ بے انتہا کتابوں کے حوالے درج ہونگے کیونکہ ان مباحث کیلئے ہمنے خود ایک ایسی مبسوط اور مستقل تصنیف کا ارادہ کر رکھا ہے جسکو ہماری اس تحریر سے وہی نسبت ہوگی جو کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمتہ اللہ علیہ کی تقریر دلپذیر کو اُنکی حجۃ الاسلام سے اس تحریر میں جو کچھ خیال ہے وہ صرف اتنا ہی ہے کہ اُصول اسلام کی تشریح میں بعض کارآمد اور مفید عام مضامین نہایت ایجاز کے ساتھ لکھدئے جائیں جن سے ایک طرف تو ہمارے مذہبی خیالات کا عام اندازہ ہو جائیگا اور دوسری طرف اُس مفصل کتاب کے (جسکا قصد میں نے ابھی ظاہر کیا ہے) نوعیت مضامین سے واقف ہونے اور طرز تحریر کے پرکھنے کا بھی مشتاقوں کے واسطے یہ تحریر ایک عمدہ نمونہ بنجائیگی۔

بلا شبہ اس قدر وسیع عنوان (اسلام) کو ان چند اوراق میں کہیا دینا دریا کو کوزہ میں بند کرنے سے ہرگز کم نہیں ہے مگر اسلام کے تعجب انگیز اعجازوں میں سے ایک یہ بھی اعجاز ہے جس پر ڈاکٹر لے بان وغیرہ محققین یورپ نے بھی حیرت ظاہر کی ہے کہ وہ جس قدر طویل ہے اُسی قدر مختصر بھی ہے اور جتنا دشوار ہے اُتنا ہی آسان بھی ہے اور جیسا کہ اُس سے ایک حکیم اور ارسطو وقت فائدہ اُٹھا سکتا ہے ویسے ہی ایک عامی اور افریقہ کا ایک وحشی بھی اپنا کام نکال لیتا ہے۔ اسلام کے برگ و بار اگرچہ بہت دور تک پھیلے ہوئے ہیں مگر اُن سب کی جڑ صرف ایک کلمہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ صلعم ہے ان ہی دو جملوں میں تمام اسلامی معتقدات کا خلاصہ اور لب لباب نکل آتا ہے اور یہی کلمہ شریعت کا عطر

اسلام کا جوہر ایمان کی روح راستی کا نشان ہدایت کی زندہ تصویر اور علوم حقایق کا سرچشمہ ہے۔ اسی کلمہ سے دائمی راحت حاصل ہوتی ہے۔ اسی سے روحی مسرت اور حقیقی آرام ملتا ہے اسی کی بدولت مسلمان خیر الامم کے لقب سے یاد کئے گئے ہیں۔ اور اسی کے چھوڑنے سے آج اُنکو قعر مذلت میں گرا دیا گیا ہے لیکن جبکہ ہمارے نزدیک بلکہ عالم کے نزدیک ایسی نعمت عظمیٰ اور رحمت کبریٰ تصور کر لیا گیا تو نہایت ضروری ہے کہ اسلام پر مضمون لکھنے والا اوّل اسی کی حقیقت کے واضح کرنے میں اپنا وقت صرف کرے اور جب تک اس کی کامل تحقیق سے فارغ نہو جائے اُسی کو اپنا مطمح نظر بنائے رکھے۔ چنانچہ میرا ارادہ بھی اسوقت یہی ہے کہ میں اس کلمہ کی تحلیل و تقسیم کر کے اسکے ہر ہر جُزو پر مستوعب بحث کروں۔

جہانتک غور کیا گیا اس کلمہ کے دو جز نظر آئے اُن میں سے پہلا جزو جسکے معنی یہ ہیں کہ "اللہ کے سوا کوئی چیز معبود بننے کی صلاحیت و استحقاق نہیں رکھتی" فی الواقع تین مضمونوں پر مشتمل ہے۔ خدا کا موجود ہونا۔ اُس کا قابل عبادت ہونا۔ اور اُس کی خدائی میں کسی کا شریک نہونا۔

پہلا مضمون یعنی خدا کا وجود

یہی وہ مضمون ہے جس کی تائید تمام ادیان اور مذاہب نے یک زبان ہو کر کی ہے اور جس پر بلا نکیر اہل ملل کا اجماع منعقد ہو چکا ہے۔ ملاحدہ جن کا دوسرا نام منکرین مذہب بھی ہے زور و شور کے ساتھ اسی مضمون کی تردید پر تلے ہوئے ہیں اور مادیئن (میٹریلسٹ) کے گروہ سے ہماری سب سے بڑی معرکہ آرائی اسی میدان میں ہو سکتی ہے۔ یورپ میں مادّہ پرستوں کی جو جماعت تیار ہوئی ہے اُس نے آجکل مذہبی دنیا میں ایک عام ہلچل ڈال رکھی ہے اور نہایت بیباکی کے ساتھ اسکا اظہار کیا ہے کہ خدا کا وجود ہرگز کوئی واقعی وجود نہیں ہے بلکہ وہ بھی ان وہمی اشیاء میں سے ایک شے ہے جن کو انسانی تخیّل نے بدو فطرت میں قوانین طبعیہ سے مرعوب ہو کر اختراع کر لیا تھا رفتہ رفتہ اس فرضی خدا نے لوگوں کے دماغوں پر ایسا کچھ قبضہ اور اقتدار حاصل کیا کہ اُنہوں نے اپنے تمام اعمال و افعال اور تمام ارادوں بلکہ تمام کائنات کی عنان حکومت اسی کے ہاتھ میں دیدی اور محض اپنی خوش اعتقادی سے یہ سمجھ لیا کہ دنیا میں جو کچھ کرتا ہے خدا ہی کرتا ہے اور جس قدر حوادث پیش آتے ہیں یا واقعات کا ظہور ہوتا ہے یہانتک کہ پتّہ بھی اگر ہلتا ہے اور ایک تنکہ بھی اپنی جگہ سے سرک جاتا ہے تو بغیر اُس کے حکم اور ارادہ

کے نہیں ہوسکتا۔ مادہ پرست کہتے ہیں کہ ان اہل مذاہب سے کوئی پوچھے کہ تمکو ایک ایسی مافوق الفطرت ہستی کے ماننے پر کس چیز نے مجبور کیا ہے کیا عالم میں جو حوادث واقع ہوتے رہتے ہیں یا زمانہ جو پلٹیاں کھاتا ہے یا وجود کی آمد و شد جو اکثر چیزوں میں مشاہدہ کی جارہی ہے تمھارے اس فرضی خدا کے سوا اور کسی سبب سے ربط نہیں کھا سکتے یا مادہ جو مع اپنی حرکت کے ازلی ابدی ہے ان ضرورتوں کو سرانجام نہیں دیسکتا یا خواہی نخواہی تمکو ایک موہوم اور خارج از عقل ہستی کے ساتھ جبہ سائی ضروری معلوم ہوئی۔ اگر ہم سے پوچھو تو یہ سب خیالات ارباب مذہب کی ناواقفیت اور کوتاہ فہمی پر مبنی ہیں کیونکہ زمانہ حال کی تحقیقات نے یہ ثابت کردیا ہے کہ عالم کے تمام سماوی اور ارضی اشیاء کی اصل دو چیزیں ہیں۔ مادّہ اور اُسکی قوت (حرکت) اور ازل سے دونوں تلازم کے ساتھ موجود ہیں یہ ناممکن ہے کہ مادہ اور اُسکی حرکت میں انفصال یا جدائی ہوسکے اور ایک بغیر دوسرے کے پایا جائے۔ مادہ سے وہی اجزاء دیمقراطیسی مراد ہیں جو اس خلاء میں بھرے ہوئے ہیں اور جو اگرچہ ذہنی قسمت قبول کرسکتے ہیں لیکن خارجی تقسیم کا ان میں مساغ نہیں ان ہی ذرات کو شیر(؟) سے تعبیر کرتے ہیں اور انہیں کے دوامی حرکت کی وجہ سے اجرام سماوی یعنی ستارے اور کائنات ارضی یعنی جمادات و نباتات اور حیوانات جو پہلے سے موجود نہ تھے وجود میں آئے ہیں اور ان چیزوں کا مادّہ اور اُسکی حرکت سے بننا بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ کوئی معلول اپنی علت سے بے اختیار بنجاتا ہے چنانچہ ان اشیاء کی پیدایش میں مادّہ اور اُس کی حرکت کو نہ کسی قسم کا ادراک ہوتا ہے اور نہ اُن میں قصد و ارادہ پایا جاتا ہے اور جب ہم کرات عالم اور تمام مخلوقات کے وجود کو مادّہ اور اُس کی حرکت سے منسوب کرسکتے ہیں تو نہ ہمکو کسی فرضی خدا کی حکومت ماننی پڑتی ہے اور نہ اپنے کو مذہبی طوق و سلاسل میں پھانسنے کی ضرورت رہتی ہے۔ غرض ہمارے نزدیک مادّہ بھی قدیم ہے اور اُس کی حرکت بھی قدیم ہے اور جو سلسلہ صورتوں کا مادّہ کے اندر قائم رہتا ہے وہ بھی قدیم ہے اگرچہ صورت شخصیہ علیحدہ علیحدہ حادث ہے۔ اس حالت میں ہمکو خدا کے وجود کی اصلا ضرورت نہیں بلکہ مادّہ اور اُس کے قوانین فطریہ ہی عالم کی ہستی اور بقا کی دلیل ہیں اور پورے طور پر ضمانت کرسکتے ہیں۔

ہم کہتے ہیں کہ بیشک مادیین نے بزعم خود کائنات کے وجود کا ایک خاص سبب پیدا کیا۔ لیکن ابھی تک جس منتظم اور مرتب کائنات کے سبب کی ہمکو تلاش تھی اُس میں کامیابی نہیں ہوئی اُنھوں نے ہمکو ایک

نہایت علیم و حکیم اور بہمہ صفت موصوف خدا سے علیحدہ کر کے ایک ایسے خدا پر قناعت کرنے کی رائے دی جو بالکل اندھا بہرا گونگا اور بےحس و بے شعور ہے جبکا کوئی کام نہ قصد و اختیار سے ہوسکتا ہے نہ مصنوعات میں کسی قسم کی ترتیب او تناسب پیدا کرنے پر وہ قادر ہے۔ نہ اُس میں سمجھ کا مادہ ہے نہ وہ کسی قاعدہ و قانون سے واقف ہے نہ اسکو امور انتظامیہ کی اطلاع ہے۔ حالانکہ جس عالم کے فاعل کا ہمکو کھوج لگانا تھا وہ عالم کائنات کا ایک ایسا مجموعہ ہے جسکے ہر ہر جزو میں بیش قیمت حکمتیں ودیعت رکھی ہوئی ہیں جسکے عجیب و غریب اسرار کا مشاہدہ کرتے کرتے عقل انسانی تھک جاتی ہے اور جس کے بہت تھوڑے حصہ کا تتبع کرنے سے حکمار کو اور خصوصاً ان مادئین کو یہ اعتراف کرنا پڑا ہے کہ مظاہر فطرت کی جسقدر باریکیاں ہم معلوم کرسکے ہیں وہ اُس سے بہت ہی کم ہیں جو ابتک ہمکو معلوم نہیں ہوسکیں۔

علم تشریح۔ علم الافلاک۔ علم الحیوانات۔ علم نباتات اور علم طبقات الارض کے ماہرین سے دریافت کرو کہ جو رازہائے قدرت تمنے موجودات عالم میں آجتک دریافت کیئے ہیں وہ کسقدر ہیں اور اُن کی حفاظت کے واسطے کتنے دفتر اور کتب خانے تم، درکار ہوئے ہیں۔

پھر عالم کے احوال میں جو تفاوت اور حاجتمندی کے آثار پائے جاتے ہیں اس پر بھی ایک نظر ڈالو اور ہر ہر شے کی پستی و ذلت کو (جس سے خدائی تعالی کی حکمت بہرزت کا سبق حاصل ہوتا ہے) بنظر تعمق ملاحظہ کرو تاکہ تمکو یہ معلوم ہو کہ یہ کارخانہ یوں ہی بے سرا و ربخت و اتفاق سے پیدا ہونے کے قابل نہیں ہے۔ آسمان۔ چاند۔ سورج اور ستاروں کو دیکھیئے کہ ایک حال پر قرار نہیں۔ کبھی عروج ہے کبھی نزول۔ کبھی طلوع ہے کبھی غروب۔ کبھی نور۔ کبھی گہن۔ آگ کو دیکھیئے کہ بیقرار ہے تھامے نہیں تھمتی ہوا کا یہ حال ہے کہ کبھی حرکت کبھی سکون اور حرکت بھی ہے تو کبھی شمال کبھی جنوب کبھی پورب۔ اور پچھم کو ماری ماری پھرتی ہے ادھر پانی کا کرہ ہوا کے دھکوں سے کہیں کا کہیں نکلا جاتا ہے۔ اور زمیں کو بھی پستی کے سوا لاچاری اس درجہ کو ہے کہ اس پر کوئی دوڑتا ہے کوئی بھاگتا ہے کوئی کھودتا ہے کوئی بھرتا ہے۔

اسی طرح نباتات کبھی چھوٹے ہوتے ہیں کبھی بڑے کبھی تر ہوتے ہیں کبھی خشک ہوجاتے ہیں۔ اور اس پر باوجود ایک زمین ایک پانی اور ایک آفتاب ہونے کے اس قدر مختلف پھول اور پھل لاتے ہیں کہ ایک دوسرے سے کچھ بھی مناسبت نہیں رکھتا۔ علی ہذالقیاس حیوانات خصوصاً بنی نوع انسان باوجودیکہ سب کے سب اربع عناصر ہی سے مرکب ہیں شکل و شمائل خو۔ بو اور خاصیت مزاج میں اتنے مختلف

معلوم ہوتے ہیں کہ حد ادراک سے باہر ہے اسکے علاوہ بھوک پیاس ۔ صحت ۔ مرض ۔ گرمی ۔ سردی اور حرص و ہوا وغیرہ کے بہت سے موکل ان کے پیچھے ایسے لگا دیئے ہیں کہ جس سے شرف حیات بھی خاک میں ملگیا ۔ اور حضرت انسان کے پیچھے تو اتنا کچھ لشکر کا لشکر خواہشات اور حاجات کا متعین ہوا کہ جس نے اسکی فہم و دانش کو ناچار کر کے تمام شرافت و عزت کو ملیا میٹ کر دیا ۔ دوسرے حیوانات تو صرف کھانے پینے ہی کے محتاج ہیں ۔ لباس ۔ مکانات ۔ سواری ۔ عزت ۔ منصب ۔ جاگیر ۔ بیٹھے ۔ کھٹے ۔ نمکین کی کچھ پرواہ نہیں رکھتے لیکن انسان کو بغیر ان چیزوں کے بھی زندگی بسر کرنا محال یا دشوار ہے بلکہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس چیز میں کوئی خوبی اور کمال زیادہ تر تھا اسی کو اوروں کی نسبت زیادہ قیودات میں پابند کر کے رکھا ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیساکہ بادشاہ اگر غریبوں کو قید کرتے ہیں تو کئی کئی قیدیوں کو ایک محافظ سپاہی کفایت کرتا ہے اور اگر کوئی بادشاہ یا امیر ان کی قید میں آجاتا ہے تو گو اسی تعظیم سے رکھیں لیکن اُسپر بہت بہت پہرے اور بڑے بڑے بہادر حفاظت کیلئے مقرر کیا کرتے ہیں ۔

بہر حال جبکہ ایسے ایسے اشرف جزاء عالم اس ذلت و خواری میں گرفتار ہیں جس کا ذکر اوپر ہوا اور ایسے مجبور ہیں کہ ایک دم کو بھی ان قیودات کے شکنجوں سے وہ علیحدہ نہیں ہو سکتے تو بلا شبہ ان کے سر پر کوئی ایسا منتظم حاکم ہے جو ان سے ہر وقت قیدیوں کی مانند یہ سب بیگاریں لیتا ہے اور چین سے نہیں رہنے دیتا تاکہ یہ مغرور نہ ہو جائیں اور انکو ان پر بے نیازی کا گمان نہ پیدا ہو بلکہ ان کو ایسا ذلیل و خوار دیکھکر یہ خود بھی اور دوسرے لوگ بھی خدا کو پہچانیں ۔ اور سمجھ لیں کہ یہ اسکے انتظام کی خوبی ہے کہ ان سے طرح طرح کے کام لیتا ہے اور ان پر قسم قسم کے احوال بھیجتا ہے اور یہ بعینہ ایسا قصہ ہے جیساکہ ایک بیدار مغز اور مدبر حاکم اپنے ماتحتوں کو فارغ نہیں رہنے دیتا اور اس پر بھی کبھی کہیں کبھی کہیں تبدیل کرتا رہتا ہے ۔

یورپ کا ایک محقق راسین بھی انہیں مناظر قدرت کو دیکھکر کہتا ہے اے آسمانو مجھکو خبر دو ۔ اے دریاؤ مجھکو بتاؤ ۔ اے زمین مجھکو جواب دے ۔ اے بے انتہا ستارو تم بولو کونسا ہاتھ ہے جس نے تم کو افق میں تھام رکھا ہے ۔ او شب چاردہ کس نے تیری تاریکی کو خوبصورت بنا دیا ہے تو کسقدر پُرشان ہے اور کسقدر عظمت مآب ہے ۔ تو خود بتا رہی ہے کہ تیرا کوئی صانع ہے جن نے تجھکو بغیر کسی زحمت کے بنایا ہے اُس نے تیری چھت کو قبہ ہائے نور سے مرصع کیا ہے جس طرح کہ اسنے زمین پر خاک کا فرش بچھایا ہے اور گرد کو ابھارا ہے ۔ او مژدہ رساں سحر ۔ او نیر شگرف ۔ او ہمیشہ روشن رہنے والے ستارے

اوآفتاب درخشاں سچ بتا تو کس کی ادائے اطاعت کے لئے محیط کے پردہ سے باہر آتا ہے اور نہایت ہی فیاضی کے ساتھ اپنی روشن شعاعیں عالم پر ڈالتا ہے۔ اے پُر رعب سمندر اے وہ کہ غضبناک ہوکر زمین کو نگل جانا چاہتا ہے کس نے تجھکو محبوس کر رکھا ہے جس طرح شیر کٹھرہ میں قید کر دیا جاتا ہے تو اس قید خانہ سے بے فائدہ نکل جانے کی کوشش کرتا ہے تیری موجوں کا زور ایک حد معین سے آگے ہرگز نہیں بڑھ سکتا۔

ملین اڈورڈ کہتا ہے کہ انسان اُس وقت سخت حیرت زدہ ہوجاتا ہے جب یہ دیکھتا ہے کہ ان مکرر اور ناطق مشاہدات کے ہوتے ہوئے ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ یہ تمام عجائبات صرف بخت واتفاق کے نتائج ہیں یا دوسری عبارت میں یوں کہنا چاہیئے کہ مادّہ کی عام خاصیت کے نتائج ہیں یہ فرضی احتمالات اور عقلی گمراہیاں جنکو لوگوں نے علم المحسوسات کا لقب دیا ہے علم حقیقی نے اُنکو بالکل باطل کر دیا ہے فزیکل سائنس داں کبھی اس پر اعتقاد نہیں لاسکتا۔ ہربرٹ اسپنسر کہتا ہے کہ "یہ اسرار جو روز بروز زیادہ دقیق ہوتے جاتے ہیں جب ان پر زیادہ بحث کرتے ہیں تو یہ ضرور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کے اوپر ایک ازلی وابدی قوت ہے جس سے تمام اشیاء وجود میں آتے ہیں۔ پروفیسر لینہ کہتا ہے وہ خدائے اکبر جو ازلی ہے جو تمام چیزوں کا جاننے والا ہے جو ہر چیز پر قادر ہے اپنی عجیب وغریب کاریگریوں سے میرے سامنے اس طرح جلوہ گر ہوتا ہے کہ میں مبہوت اور مدہوش ہوجاتا ہوں"۔

اب ان سب کے جواب میں مادّہ پرست کہتے ہیں کہ یہ تمام عمدہ انتظام اور مضبوط قاعدے جو دنیا میں جاری ہیں یہ سب بھی مادّہ اور حرکت کی ہی کارسازیاں ہیں اور مادہ اگرچہ خود نہیں جانتا مگر خود بخود اُس سے بے سوچے سمجھے ایسی ایسی حیرت انگیز قوانین اور اصول بنجاتے ہیں جن کی اس عالم کو ضرورت رہتی ہے اور جس پر نظام عالم کا دارومدار ہے لیکن ان حضرات سے اگر کوئی یہ کہے کہ ہندوستان کے کسی گانوں میں ایک بچہ پیدا ہوا اور پیدا ہوتے ہی اُس نے نہایت فصیح وبلیغ تقریر شروع کی اور وہ علوم ومعارف اُس کی زبان سے ظاہر ہوئے ہیں جن کی خبر نہ ارسطو کو ہوئی تھی نہ افلاطون کو نہ بیکن کا ذہن وہاں تک پہونچا تھا اور نہ نیوٹن کا نہ رازی کو وہ مضامین خواب میں نظر آئے تھے نہ امام غزالی کو تو یہ لوگ ہرگز اُسکے بیان کی تصدیق نہ کرسکیں گے بلکہ جو شخص اس عجوبہ زاقعہ کی تصدیق کریگا اُس کو بھی ان لوگوں کے یہاں سے مجنوں۔ دیوانہ۔ خبطی۔ پاگل کا خطاب ملیگا۔ تو کیا اے عقلمند مادّہ

کی وہ سحر کاریاں اس واقعہ کی ندرت سے کچھ کم حیرت افزا ہیں وہ بچہ جو ایک نامکمل انسان ہے اُن امور کی قدرت نہ رکھے جن کو چند تعلیم یافتہ مرد انجام دیسکتے ہیں اور ایک جماد لایعقل جس کو ذرّہ برابر بھی ادراک وشعور نہیں تمام مخلوقات کی حفاظت اور زینت کے ایسے محکم دستور العمل تیار کرے جنکو دیکھکر دنیا کے عقلا حیران ہیں اور جنکے اسرار وحکمت کی گہرائی کو سب ملکر بھی آجتک معلوم نہیں کرسکے اگر اسپر بھی آپ یہی کہے جاویں کہ نہیں کچھ ہی ہو ان تمام قوانین کے واضع وہی مادہ کی بے اختیاری حرکت ہے تو بقول علامہ حسین آفندی کے ہماری اور آپ کی مثال ٹھیک اُن دو شخصوں کی سی ہوگی جو کسی نہایت رفیع الشان اور مضبوط کوٹھی میں داخل ہوے جس میں متعدد کمرے اور نشستگاہیں پائی جاتی ہیں وہ دروازوں اور جنگلوں سے آراستہ ہو اُس کے برآمدے اور ڈیوڑھیاں بہت اہتمام اور استحکام کے ساتھ بنائی گئی ہوں ان کمروں میں اعلیٰ درجہ کے فرش بچھے ہوئے ہوں بڑے بڑے بلند تخت لگے ہوں نہایت بیش قیمت برتن اُسکے چاروں طرف قرینہ سے رکھے ہوں مختلف گھڑیوں متعدد مقیاس الحرارۃ ومقیاس الہواء کے ذریعہ سے اُس کی دیواروں کی زیبایش کی گئی ہو غرض اُس میں بود وباش کرنے کے لئے جتنے ساز وسامان ضروری ہوں سب ہی کچھ موجود ہوں اُس کی چاروں طرف نہایت خوبصورت سیرگاہیں نظر آتی ہوں گرداگرد ایسی چمن بندی کی گئی ہو جن میں درختوں کا صف باندھکر کھڑا ہونا نگاہوں کو بھلا معلوم ہوتا ہو۔ قسم قسم کی پھولوں کی کیاریاں موقع موقع سے بنائی گئی ہوں اُسکی نہروں اور جدولوں میں پانی شوخی سے بھر رہا ہو اُسکے مستحکم بنے ہوئے حوض لبالب بھرے ہوں خلاصہ یہ کہ عیش وآرام کے سارے سامان مہیّا ہوں کہ جو اُنہیں دیکھے یہی کہے کہ فلاں چیز فلاں حکمت پر مبنی ہے اس چیز سے یہ فائدہ ہے اس کی یہ ضرورت ہے اسکا بنانے والا کیسا ذی اختیار اور خوش تدبیر تھا جس نے کہ جو چیز بنائی ایک قرینہ سے بنائی اور جس شے کے لئے جو مقام تجویز کیا اُس کے لئے وہی مناسب تھا۔

اب ایسے مقام پر پہونچکر ان دونوں شخصوں میں سے ایک تو یہ کہنے لگا کہ صاحب اس میں ذرا شک نہیں کہ اس کا بنانے والا ان ساری عجیب وغریب صناعیوں پر خوب ہی قادر تھا اور اُس کی تالیف وترتیب کے طریقوں سے بھی بڑی واقفیت رکھتا تھا جب اُس نے انتہا درجہ کی حکمت کے موافق اس کو اس قدر مضبوط اور استوار بنایا اور خوبی یہ کہ اُسکے تمامی لوازمات کامل طور پر مہیا کردیے تاکہ یہاں رہنا اور کماحقہ عیش وآرام سے بسر کرنا ممکن ہو اور کوئی امر آسایش وراحت میں مخل

نہونے پاوے اسکے بنانے والے کو اگرچہ ہمنے اپنی آنکھوں سے دیکھا نہیں مگر یہ بالکل یقینی امر ہے کہ اُس میں علم و قدرت تدبیر و حکمت وغیرہ اوصاف جن کی کہ اس کوٹھی کے بنانے میں ضرورت پڑتی ہے سب موجود تھے باقی اس کوٹھی کے ساز و سامان میں اگرچہ بعض چیزیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں جنکی حکمت میری سمجھ میں نہیں آئی لیکن اُن میں کوئی نہ کوئی حکمت ضرور ہوگی اگرچہ میں اُس کو دریافت نہیں کر سکا کیونکہ جن اشیاء کی حکمت میری سمجھ میں آگئی میں نے اُس سے یہ اطمینان کر لیا ہے کہ اُسکا بنانے والا بڑا حکمت والا ہے تو اُس نے انکو بھی خارج از حکمت و مصلحت نہ بنایا ہوگا۔

اب دوسرا شخص اپنے ساتھی سے کہنے لگا کہ اس کوٹھی کے وجود کا سبب جو تمنے بتلایا یہ درست نہیں بلکہ ایک پہاڑی کی طرف (جو اُس کوٹھی کے پاس استادہ تھی اور جسکی جڑ میں ایک پانی کا چشمہ جاری تھا) اشارہ کرکے کہا کہ اس پہاڑی کی چوٹی سے اس قطعہ زمین کی جانب جسمیں یہ کوٹھی واقع ہے ہمیشہ زمانۂ قدیم سے ہوا چلا کرتی ہے یہی ہوا لاکھوں برس تک مٹی اور پتھروں کو پہاڑی سے منتقل کرتی رہی اور وہ سب چیزیں اُس کی وجہ سے مختلف شکلوں پر اس قطعہ زمین میں جمع ہوتی رہیں اور بارش کا پانی ہمیشہ اُس میں کچھ تصرف کرتا رہا کبھی اُسکی شکل کچھ ہوگئی کبھی کچھ۔ اسی طرح کبھی وہ چیزیں مجتمع ہوگئیں اور کبھی پراگندہ۔ اور اُنکی اوضاع و شکلوں میں ہوا اور بارش کی وجہ سے ہمیشہ کچھ نہ کچھ تبدیلی واقع ہوتی رہی یہانتک کہ کروڑوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد اب اس کوٹھی کی باقاعدہ صورت بنگئی جسمیں کمرے اور نشستگاہیں۔ دروازے۔ جنگلے۔ برآمدے۔ راستے۔ حوضیں۔ اور نہریں سبھی کچھ پائی جاتی ہیں۔ رہا نہروں کا جاری ہونا اُس کی یہ صورت ہوئی کہ اس چشمہ سے جو کہ اس پہاڑی کے تلے میں واقع ہے ہمیشہ پانی بہ بہ کر اس قصر کے صحن میں مختلف طریقوں سے جاری ہوا کیا اسلئے پانی سے اُسکی مٹی گلتی رہی ہوا اور بارش کا اثر اُسکے راستہ میں ہوتا رہا۔ شدہ شدہ لاکھوں برس کا زمانہ گذرنے کے بعد باقاعدہ نہریں اور حوضیں جاری ہوگئیں اور اُن میں پانی اس موجودہ انتظام کے ساتھ بہنے لگا۔ اب اُسکے برتن گھڑیوں۔ فرش اور مختلف قسم کے مقیاسوں کو لیجئے۔ اُنکی یہ صورت ہوئی کہ مسافروں کا قافلہ جو کبھی اس پہاڑ پر اس زمین میں اوترا تو قافلہ والوں کی یہ چیزیں اتفاق سے چھوٹ گئیں اور ہوا اُن کو مختلف طرح پر اِدھر اُدھر منتقل کرتی رہی حتی کہ سالہا سال کے بعد یہ نوبت پہونچی کہ فرش باقاعدہ بچھ گئے برتن قطاروں میں آراستہ گھڑیاں اور مقیاس دیواروں پر آویزاں ہوگئیں

یہی حالت اُن درختوں اور پھولوں کی ہوئی جو یہاں کی سیرگاہوں میں باقاعدہ لگے ہوئے ہیں اُنکے تخم ہوا میں اوڑ کر یہانتک پہونچ گئے اور اس زمین پر جم کر اگ آئے۔ اور ہوا کی وجہ سے اِدھر اُدھر منتقل ہوتے ہوتے باقاعدہ طور پر آراستہ ہوگئے اور موجودہ حالت پر نظر آنے لگے"۔

اب وہ شخص جسکے دماغ میں کچھ بھی عقل اور سر میں کچھ بھی انصاف ہے بے لاگ ہوکر ان دونوں بیانات کا فیصلہ کردے اور بے تعصبی کی راہ سے بتلادے کہ اس کوٹھی کے طیار ہونے کا وہ سبب جو پہلے آدمی نے بتلایا ہے عقل کے نزدیک ماننے کے قابل ہے یا دوسرے شخص کی بیہودہ بکواس اور اسی طرح عالم کے پُراسرار ہستی کے واسطے ایک قادر مطلق اور علام الغیوب خدا کا اعتقاد رکھنا زیادہ قرین قیاس ہے یا ایک جاہل اور اپاہج مادہ کا۔

اور ایسی صورت میں اربہا ارب انسانوں کی رائے (جو آدم علیہ السلام کے عہد سے اسوقت تک گذرے ہیں اور جن میں بڑے بڑے حکماء اور اولوالعزم انبیا بھی شامل ہیں) صحت اور واقعیت سے زیادہ قریب معلوم ہوتی ہے یا ہزار دو ہزار غافل اور بدمستوں کی۔ بلاشبہ ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء سے سخت غلطی ہوئی کہ اُنھوں نے ایسے ایسے اعلیٰ درجہ کے قوانین قدرت کو جن سے خدای تعالیٰ کی حکمتوں اور صناعیوں کی بوقلمونی ظاہر ہوتی ہے خدای برتر کی امداد کا محتاج نہیں سمجھا۔ بلکہ صرف ان قوانین میں جو حرکت مادہ سے پیدا ہوئی ہیں باہم توافق۔ تناسب۔ ربط۔ اتحاد پیدا کرنے کے لئے خدا کے وجود کی ضرورت باقی رکھی حالانکہ اس تناسب واتحاد کا باقی رکھنا بھی اُسی مادہ اور حرکت کو کچھ زیادہ مشکل نہیں تھا جس نے ایسی ایسی غامض اور غیر متغیر قوانین عالم میں جاری کردئے ہیں تماشے کی بات یہ ہے کہ جیسا کہ مسلمانوں میں بعض علماء نے مادہ پرستوں کی دھمکی سے مرعوب ہوکر مادہ وغیرہ کو قدیم مان لیا اسی طرح بعض دوسری اقوام کے لیڈروں نے بھی یورپ کے ملحدوں سے ڈرکر قدامت کے مسئلہ کو جزو مذہب بنالیا ہے اور اسی پر مسئلہ تناسخ کی بھی نیو جمانا شروع کردی حالانکہ دنیا کی وہ پرانی کتاب جس پر یہ لوگ نہایت زور وشور کے ساتھ ایمان رکھتے ہیں اور جسکو اہل ہند کی عزت افزائی نے الہامی کتاب بھی بنادیا ہے خوب پکار کر کہہ رہی ہے کہ خدا کی ذات وصفات کے سوا کوئی قدیم نہیں ہے چنانچہ رگوید منتر ۱- اسلوک ۸ ادھیائے ورک ۱۷ کا جو ترجمہ خود سوامی جی مہاراج نے بھاشیہ بھومکا صفحہ ۷۵ میں کیا ہے اُس کی حرف بحرف نقل یہ ہے:-

"جسوقت یہ ذروں سے ملکر بنی ہوئی دنیا پیدا نہیں ہوئی تھی اُسوقت یعنی پیدایش کائنات سے پہلے است (غیر محسوس حالت) تھی یعنی شونیہ اکاشش بھی نہیں تھا کیونکہ اُس کا اُس وقت کچھ کاروبار نہیں تھا اُسوقت (ست پرکرتی) یعنی کائنات کی غیر محسوس علّت جسکو ست کہتے ہیں وہ بھی نہ تھی اور نہ پرمانو (ذرے) تھے وراٹ (کائنات) میں جو اکاشش دوسرے درجہ پر آتا ہے وہ بھی نہ تھا بلکہ اُسوقت صرف پربرہم کے سامرتھ (قدرت) جو نہایت لطیف اور اس تمام کائنات سے برتر پرم (بے علّت) اکارن ہے موجود تھی" - الخ

کیا رگوید کی اس صریح عبارت میں کوئی تاویل چل سکتی ہے کیا کسی تاویل کرنیوالے کے لفظی اُوٹ پھیر کچھ کام دیسکتے ہیں کیا اسکے بعد بھی ان حضرات کے دو اہم اُصول قدامت عالم اور تناسخ کی بیخ وبنیاد قایم رہ سکتی ہے - ہمکو افسوس ہے کہ اس قوم کے لیڈرز کی کوشش جو اُنہوں نے وید کی جدّت طرازی میں کی تھی بالکل رائگاں گئی - اور اُنہوں نے خدا کو لوہار - بڑہی - کمہار کے ساتھ تشبیہ دینے میں فضول اپنا وقت ضایع کیا اُنکا خیال ہے کہ جس طرح بڑہی لوہار ظروف ساز وغیرہ اپنے ہر چیز کے بنانے میں مادّہ کی احتیاج رکھتے ہیں اسی طرح خداوند کارساز کیلئے بھی یہ ممکن نہوگا کہ وہ دنیا کے کارخانہ کو بغیر کسی مادّہ کے بنا دے لیکن ان صاحبوں کو یہ خیال نہیں رہا کہ بڑہی لوہار وغیرہ کو بغیر ہاتھ پاؤں اعضاء جسمانی کے اور لکڑی لوہا وغیرہ سامان اور اوزاروں کے بھی کسی چیز کا بنانا محال ہے حالانکہ خدا کی نسبت خود بھومکا ص۹ میں تسلیم کر لیا گیا ہے کہ اُس کو ان آلات کی ضرورت نہیں - بڑہی لوہار وغیرہ کو جیسا کہ کسی چیز کے بنانے میں مادّہ کی ضرورت ہے ایسے ہی دیکھنے میں آنکھ کی اور سننے میں کان کی اور بولنے میں زبان کی بھی ضرورت ہے - حالانکہ ستیارتھ پرکاشش کی تصریح کے موافق خدای عزّوجل بغیر آنکھوں کے دیکھتا ہے بغیر کانوں کے سُنتا ہے اور بغیر زبان کے کلام کرتا ہے تو ایسی حالت میں معلوم ان حضرات کو ویدک تعلیم کے برخلاف مادّہ کے قدیم کہنے اور اُسپر تناسخ کا خیال باندہنے کی کیا ضرورت پیش آئی کیوں صاف طور پر وہی نہ کہدیا جو مسلمان وغیرہ کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کے سوا سب اشیاء فانی اور حادث ہیں اور سب چیزوں کا وجود خدائی تعالیٰ کے اعتبار سے ایسا ہی عرضی و مستعار ہے جیسا کہ زمین وآسمان اور در ودیوار کا نور آفتاب کے نور سے یا گرم پانی کی گرمی آگ کی حرارت سے اُس خدای واحد نے اپنی قدرت کاملہ اور ارادہ تامہ سے ہر چیز کو نیست سے ہست کیا اور وہی اپنے

اختیار سے جب چاہیگا نیست کردیگا نہ اُس کو مادّہ کی احتیاج ہے نہ اُس پر روح کی حکومت ہے نہ اُسکے اختیارات محدود ہیں اور نہ اُسکا فعل کوئی حکمت سے خالی ہے وہ تمام کمالات کے ساتھ موصوف اور جملہ نقصانات اور عیوب سے پاک ہے۔ کیونکہ تمام کمالات وجود کے تابع ہیں اور وجود ہی اُنکا سرچشمہ ہے اور تمام نقصانات عدمی ہیں اور عدم ہی اُنکا باعث ہوا ہے توجب جب اُسکا وجود غیر محدود اور اُسکا خانہ زاد ہے کسی دوسری جگہ سے آیا ہوا نہیں اور نہ عدم کا اصلا اُس کے ساتھ اختلاط ہوا ہے تو جملہ کمالات بھی اُسکے بیحد و بے پایاں اور غیر مستعار ہونگے اور مخلوقات میں سے کسی مخلوق کے اندر جو کوئی بھی خوبی اور حسن ہوگا وہ سب اُسکے محاسن اور صفات کا پرتو ہوگا۔ پس جب ایسی ذات ستودہ صفات نے اپنے اختیار و قدرت سے دنیا کو بنایا ہے تو یقیناً اُسکی ایجاد اور ابقا میں بے انتہا حکمتیں صرف ہوئی ہونگی اور بے شبہ بنانے سے پہلے ہی خدای تعالیٰ کے علم میں اُسکا مرتب نقشہ اور ابتدا سے انتہا تک ہر ہر چیز کا اندازہ اور پیمانہ موجود ہوگا جسکو غالبًا اہل اسلام لفظ تقدیر سے تعبیر کرتے ہیں اور یہ تعبیر اس اعتبار سے بالکل موزوں ہے کہ لغت میں اس لفظ کے معنی اندازہ ہی کرنے کے ہیں۔ بہرحال ابتک جو کچھ ہمنے لکھا اُس میں اگرچہ اثبات صانع عالم کے متعلق وہ زبردست استدلالات نہیں لکھے گئے جنکی تفصیل ہمارے متکلمین نے اپنی مبسوط تصانیف میں کی ہے یا جن کو انشاء اللہ اُسی مفصل کتاب میں ہم درج کرینگے جسکا وعدہ پہلے ہوچکا ہے لیکن تاہم ایک سچی دلنشین اور عام فہم طریقہ سے جسقدر اس مختصر تحریر میں گنجایش تھی عالم کے واسطے ایک جامع الکمالات فاعل کا ہونا ضروری قرار پاگیا اور یہی وہ مُدعا تھا جسکو ہم ثابت کرنا چاہتے تھے اب جو کچھ گفتگو باقی ہے وہ اسمیں ہے کہ اتنی بڑی کائنات کے لئے کیا تنہا ایک ہی خدا کا وجود کافی ہوسکتا ہے اور اُس سے ہماری سب حاجتیں پوری ہوسکتی ہیں یا ہمکو مختلف ضروریات کے واسطے در در بھٹکنا پڑیگا اور بہت سے خودمختار بادشاہوں کے سامنے گردن جھکانا ہوگی۔

توحید

یہی وہ بحث ہے جسکے ضمن میں اسلام کے چمکتے ہوئے امتیازات ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی وہی مقام ہے جسمیں آکر تمام مذاہب کے قدم لغزش کھاگئے ہیں اور یہی وہ موقعہ ہے جہاں پہونچکر دین

برحق کے کارناموں کی آزمایش ہوتی ہے مگر قبل اسکے کہ ہم اس بارہ میں مذہب اسلام کی خصوصیات کو نہایت جلی حرفوں سے اندر ظاہر کریں یہ لازم خیال کرتے ہیں کہ جملہ مذاہب سے علیحدہ ہوکر محض عقلی حیثیت سے اس مسئلہ کو سمجھیں اور خدائی کامل کے دریافت کرنیوالی عقلوں سے دریافت کریں کہ آیا فی الواقع ایک ہی خدا ساری دنیا کا بلامشقت انتظام کرسکتا ہے یا اسکو اپنی حکومت کے برقرار رکھنے میں کسی یار و مددگار کی بھی ضرورت ہے۔

جہانتک فکر کی گئی اس سوال کا جواب حکیم الامۃ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ پُرمغز اور جامع کسی نے نہیں دیا اور مصنفین میں غالبًا اس قسم کی فلسفیانہ بحث کو اسقدر سلیس زبان میں کوئی نہیں سمجھا سکا چنانچہ مولانا کے اُن مضامین کا ماحصل جو تقریر دلپذیر میں ہے درج ذیل ہے۔ شعر

مطرب از گفتۂ حافظ غزل نغز بخواں   تا بگویم کہ ز عہد طربم یاد آمد

"جناب من دُنیا کے پیدا کرنیوالے اگر دو یا دو سے زائد خدا ہونگے تو ہرگز کوئی چیز بھی وجود میں آئیگی اور یہ سارا قدرتی کارخانہ بالکل درہم و برہم ہوجائیگا کیونکہ یہ بات تو یقینی طور پر تسلیم کیجا چکی ہے کہ جس چیز کو خدا کہا جائے اُس میں کسی طرح کی کمی اور نقصان نہ ہونا چاہیئے اگر ایسا ہو تو عام بندوں اور اُس میں کوئی فرق نہیں رہ سکتا اسلئے کہ بندے خدا بننے سے اسلئے محروم ہیں کہ اُن میں قسم قسم کے نقصانات پائے جاتے ہیں اور وجود کی باگ اُن کے قبضہ میں نہیں ہے کہ جو خوبی اور جو کمال چاہیں اپنے واسطے موجود کرلیں اب اگر خدا بھی ایسا ہی مجبور و ناقص ہو تو اُس کو کیا استحقاق ہے کہ وہ ہمارا خدا بن بیٹھے جب یہ بات قرار پاگئی تو اب یہ تو کبھی نہیں ہوسکتا کہ آدھی مخلوق ایک خدا کی اور آدھی ایک کی ورنہ ہر خدا میں نصفا نصف خدائی کی کمی اور کسر ہوگی۔ اس بنا پر یہی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک خدا پوری خدائی کا مالک ہے۔ مگر اس صورت میں جیسا وہ کامل ہوگا دوسرے پر اُس کی تاثیر بھی کامل ہی واقع ہوگی کیونکہ ممکنات اور خالق کی ایسی مثال ہے جیسے آفتاب یا چاند اور زمین و آسمان وغیرہ کی آفتاب سے آفتاب کی طرح کا اور چاند سے چاند کی طرح کا نور پھیلتا ہے اور زمین و آسمان در و دیوار کوہ و اشجار وغیرہ میں سے ہر ایک شے کو حسب قابلیت منور کردیتا ہے اور چیزیں تو فقط نظر ہی آنے لگتی ہیں لیکن آئینہ کا اوتنے ہی نور سے کچھ اور حال ہوجاتا ہے وہ خود بھی منور ہوتا ہے اور دوسری چیزوں کو بھی روشن کردیتا ہے۔ الغرض جتنا چاند و سورج میں فرق ہے اوتنا ہی اُنکی شعاعوں میں اور اور چیزوں کے

منور ہونے میں فرق ہے۔ تو جب خدا کا وجود بڑا ہی کامل ٹھہرا اور مخلوقات کے موجود کرنے میں اُس کی تاثیر بھی کامل ہوئی اب اگر ایسے ایسے دو یا کئی خدا ہونگے اور مخلوقات مشترک ہوگی تو ہر طرف سے کامل ہی کامل وجود ہر مخلوق کے پیمانہ اور حوصلہ کے موافق آئیگا گز میں گز بھر اور بالشت میں بالشت بھر اور ہم دیکھتے ہیں کہ ایک سانچہ میں دو چیزیں اور ایک سیر بھر کے برتن میں دو سیر اناج اور ایک جوتی میں ویسے ویسے دو قدم اور ایک اچکن میں اُسکے موافق دو بدن اور ایک نیام میں اُسی مقدار کی دو تلواریں اور ایک مکان میں اُسی کی گنجایش کے موافق دو چند اسباب نہیں سما سکتا اور دھینگا دھینگی سے ایک میں دو کو ڈالنے لگتے ہیں تو وہ سانچے اور برتن وغیرہ ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح اگر دونوں خداؤں کی طرف سے پورا پورا وجود ایک مخلوق میں سمانے لگے تو بیشک وہ مخلوق معدوم اور نیست و نابود ہو جائیگا۔ ہاں اگر خدا کے وجود کا کامل ہونا ثابت نہوتا بلکہ اُس میں نقصان اور کمی کا احتمال ہوتا تو یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ جیسے دو چراغوں کا نور ملکر کامل نور ہو جاتا ہے دو خدا کے وجود کا پرتو ملکر کمال کو پہونچ جاتا ہوگا۔ مگر اس کو کیا کیجے کہ خدائی کے واسطے کامل الوجود اور اور تام الصفات ہونا لازم ہے اور تمام اہل مذاہب کو اُس کا اعتراف کرنا پڑا ہے۔ اس کے علاوہ ہم کہتے ہیں کہ وہ دو وجود جو دو خداؤں کی جانب سے مخلوق کو عطا ہوئے اگر ایک ہی خدا کے خزانہ میں ہوتے اور جو زور و قوۃ اور شوکت و حشمت دوسرے کو حاصل ہے وہ سب بھی اسی ایک خدا کے پاس ہوتے تو بلا شبہ یہ سب ملکر اس ایک تنہا خدا کی انفرادی قوۃ میں بہت کچھ اضافہ ہو جاتا۔ اس سے ثابت ہوا کہ ہر ایک خدا کے وجود میں فی الجملہ کوتاہی اور نقصان ہے جسکی مکافات دوسرے کے وجود سے کیجا سکتی ہے باوجودیکہ اس کا اقرار کیا جا چکا ہے کہ خدای پاک کی ذات ہر قسم کے قصور و فتور سے مبرا ہے وہ بے عیب و بے نقصان ہے سب چیزیں اُسکے بھروسہ پر قایم ہیں وہ کسی کے سہارے کا محتاج نہیں وہ سب کی اصل ہے اور سب اُس کی فرع ہیں اور کیوں نہو جس سلسلہ کو دیکھئے ایک ہی اصل پر قرار پکڑتا ہے نور آفتاب اگرچہ ہزاروں مکانوں اور ہزار ہا روشندانوں میں جدا جدا جلوہ گر ہے لیکن ان سب متفرق انوار کو اُسی ایک آفتاب کے ساتھ رابطہ ہے عدد کا سلسلہ گو ایک سے الی غیر النہایۃ پھیلا ہوا ہے۔ کہیں دو ہیں کہیں تین کہیں چار کہیں پانچ۔ کہیں دس کہیں بیس کہیں سو۔ کہیں ہزار اور لاکھ کہیں جذر کہیں مجذور۔ کہیں حاصل ضرب کہیں مضروب فیہ کہیں حاصل قسمت کہیں مقسوم کہیں مقسوم علیہ وغیرہ

لیکن ان سب کی اصل وہی ایک عدد ہے اگر ایک نہو تو یہ سارا سلسلہ اعداد کا نیست ونابود ہو جائے موجوں اور حبابوں کے کارخانہ کو دیکھئے تو سب کی اصل وہی ایک پانی ہے شاخوں کو دیکھئے تو سب کی اصل وہی ایک جڑ ہے آدمی وغیرہ کو دیکھئے تو سب کے سب ایک اصل میں جسے انسانیت وغیرہ کہتے ہیں مشترک ہیں۔ اسی طرح جہاں نظر پڑتی ہے کوئی ایسا سلسلہ نظر نہیں آتا جسکا کوئی سرمنشا نہو اور پھر اُن سرمنشاؤں کو دیکھئے تو اُن کا کوئی اور سرمنشا ہے وھلم جرا مثلاً ہم۔ تم۔ ہندو۔ مسلمان۔ یہود ونصاریٰ وغیرہ میں آدمیت سرمنشا ہے اسی طرح گھوڑوں میں کوئی اور سرمنشا ہے اور گدھوں کی اور اصل ہے اور کتوں کی اور اصل ہے ان سب اصلوں کی اصل جاندار ہونا ہے ادھر نباتات کی علیحدہ اصل ہے اور اُنکا جدا ہی سلسلہ اور جدا ہی سرمنشا ہے پھر اُن کی اصل اور جانداروں کی اصل جسمیت کی زیر حکومت ہے اسی طرح اوپر تک چلے چلو آخر میں جاکر سارے عالم کا اشتراک وجود میں نکلتا ہے لیکن چونکہ شے مشترک عین اشیاء متعددہ نہیں ہوسکتی اس لئے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ وجود عین عالم اور عین موجودات نہیں (جیساکہ اپنے موقعہ میں دلائل سے ثابت ہوچکا ہے) بلکہ بایں لحاظ کہ ایک شے کبھی موجود ہوسکتی ہے کبھی معدوم یہ کہا جائیگا کہ وجود عالم ایک خارجی اور عارضی چیز ہے اصلی اور ذاتی نہیں جیساکہ پانی اپنی ذات سے گرم نہیں ہے اور آگ کی حرارت سے جوکہ اُس کی اصلی اور ذاتی صفت ہے اُس میں عارضی گرمی پیدا کرسکتے ہیں۔ یا صاف وشفاف آئینہ کا نور جو آفتاب کے مقابل ہو اصلی نہیں بلکہ آفتاب کا فیض ہے جس کا نور اصلی اور ذاتی ہے ٹھیک اسی طرح عالم کے وجود عارضی کے لئے بھی ضرورت ہے کہ وہ کسی ایسے موجود اصلی سے مستعار ہو جسکا وجود عرضی ومستعار نہو پھر جیسے آفتاب سے گو ہزارہا جگہ دھوپ پھیلے پر سب کی سب ایک ہی آفتاب کا فیض ہے یوں یقین کرنا چاہئے کہ تمام عالم کا وجود بھی ایک موجود حقیقی اور اصلی کا پرتو ہے اُسی کو ہم خدا سمجھتے ہیں اور اُسی کی نسبت ہمارا یہ خیال ہے کہ اسمیں تعدد کی گنجایش نہیں اب یہاں پہونچکر آپ شاید یہ بول اُٹھیں کہ ہمنے مانا کہ موجودات کے وجود میں باہم اس طرح کا فرق نہیں جیسے دھوپ میں اور چاند کی چاندنی میں سب کا وجود ایسا ہی یکساں نظر آتا ہے جیسے اس میدان کی دھوپ اور اُس میدان کی دھوپ جس طرح ہر جگہ کی دھوپ کو خواہ وہ میدان وسیع اور جنگل میں ہو یا صحن مکان میں دھوپ ہی کہا جاتا ہے اسی طرح ہر چیز کے وجود کا نام بھی خواہ وہ زمین وآسمان کا ہو یا چاند سورج کا یا

انسان وحیوان کا وہی وجود رہتا ہے لیکن اگر فرض کریں کہ آسمان پر ایسے ایسے کئی آفتاب ہوں تو جس طور پر بہت سے ستاروں کا نور ملکر رات کو یکساں نظر آتا ہے بالیقین اُن آفتابوں کا نور بھی ملکر یکساں نظر آئیگا پس اگر عالم کے واسطے کئی صانع ہوں اور سب کے وجود کا پرتو ملکر اسی طرح یکساں دکھائی دیتا ہو تو کیا بعید ہے۔ اس شبہ کا جواب اوّل تو وہی ہے جو اس تقریر کے شروع میں معلوم ہو چکا ہے کہ جس کارخانہ کو دیکھئے وہ کسی ایک چیز پر منقطع ہوتا ہے اور جس سلسلہ کو دیکھئے کسی ایک پر منتہی ہو جاتا ہے چنانچہ دُھوپوں کا آفتاب پر۔ سلسلہ اعداد کا ایک پر۔ موجوں کے قصہ کا پانی پر تمام ہونا اور چند مثالیں اِن کے سوا پہلے بیان ہو چکی ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ جہان میں جتنے پھیلاؤ ہیں وہ کسی ایک شے کی طرف سمٹے چلے جاتے ہیں اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ پانی اور آفتاب وغیرہ اشیاء مذکور کی وحدت (یعنی ایک ہونیکی صفت) بھی منجملہ موجودات کے ایک شے موجود ہو اوران اشیاء میں وحدت کا وجود بھی عارضی طور پر ہے کیونکہ آفتاب اور پانی وغیرہ کے بہت سے ٹکڑے ہو سکتے ہیں اگر اُنکی وحدت اصلی اور ذاتی ہوتی تو وہ اُن سے کسی طرح زائل نہ ہو سکتی یعنی نہ اُن میں تقسیم جاری ہوتی اور نہ کثرت کی کسی نہج گنجایش نکل سکتی اس سے ظاہر ہوا کہ جیسا عالم کا وجود عارضی ہو وحدت بھی اُسکی عارضی ہوگی اور یہ وحدت بھی اُسی موجود اصلی کا فیض ہوگا جسکا فیض خود وجود عالم ہو اور اس کی وحدت بھی اسی طرح اصلی ہونی چاہئے جس طرح اُس کا وجود اصلی ہے۔ اس موقعہ پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ جیسا کہ وحدت اقسام وجود میں سے ہے ایسی ہی کثرت بھی ہے اور عالم کا ہر قسم کا وجود عارضی ٹھہرا اور خدا کے وجود کا پرتو ہوا تو لازم آئیگا کہ وصف کثرت بھی خدا کے اندر پایا جاوے اور وہ اُسکے واسطے وصف اصلی اور ذاتی ہو۔ لیکن یہ مغالطہ تمکو اس وجہ سے لگا کہ وحدۃ کے مانند کثرت کو بھی تمنے اقسام وجود میں شمار کر لیا حالانکہ کثرۃ کا مبنی عدم پر ہے۔ دیکھو ہم جانتے ہیں کہ نور آفتاب ایک شے واحد ہے لیکن اگر کسی دیوار میں ایک مکان کے دُو روشندان برابر برابر ہوں تو درمیان میں اندھیرا ہونیکی وجہ سے ہر روشندان کا نور علیحدہ علیحدہ معلوم ہوگا غرض یہ کثرت اندھیرے کے سبب سے معلوم ہوتی ہے اگر اِدھر اُدھر نور اور بیچ میں اندھیرا نہو مثلاً دیوار کو مکان میں سے اُٹھا ڈالیں تو سب جگھ نور ہی نور ہو جائیگا۔ اور یہ فرق وامتیاز اور تعدد جسکا نام کثرت ہے ذرا بھی باقی نرہیگا اب چونکہ اندھیرا نور کے نہونے کو کہتے ہیں اور نہونا ہی عدم ہے تو معلوم ہوا کہ کثرت عدم کے باعث پیدا ہوئی ہو وجود کے اقسام میں سے نہیں بہرکیف اس تقریر سے یہ ثابت ہوگیا کہ جو

اوصاف وجودی ہیں اور عالم میں پائے جاتے ہیں وہ ضرور ہے کہ خدائے تعالیٰ میں بھی ہوں اور جو اوصاف عدمی ہیں وہ لازم ہے کہ خدا میں نہوں۔ اور یہ بھی ثابت ہوا کہ جو موجود اصلی ہوگا اُس میں کسی قسم کی تقسیم کی گنجایش نہ ہوگی ورنہ وحدۃ جو اوصاف وجود میں سے ہے جیسا کہ ابھی مذکور ہوا اُس میں اصلی نہ رہیگی حالانکہ یہ محال ہے کہ وجود تو اُسکا اصلی ہو اور سب قسم کا وجود مخلوقات کو اُس سے پہونچے اور ہر طرح کے وجود کا منبع اور معدن ہو اور پھر اُس میں بعض انواع وجود کے اصلی نہوں اور یہ بھی ثابت ہوا کہ وجود اُسکا عین ذات ہے اور ذات اُسکی عین اوصاف ہے اور اوصاف اُسکے عین وجود ہیں ورنہ وحدۃ اصلی اور موجودیۃ ذاتی باقی نہیں رہ سکتے۔

اسوقت گو میں یقین کرتا ہوں کہ جو شبہ تمکو تعدد صانع کے متعلق پیش آیا تھا اُسکا حل کافی حد تک ہوگیا ہے بلکہ اُسکے ضمن میں اور بہت سی گراں قدر فوائد بھی اختصار کے ساتھ حاصل ہوگئے لیکن میری یہ رائے ہے کہ ابھی اس مضمون کی کچھ اور تشریح کروں اور توحید کے بارہ میں جو کچھ بھی شبہات ہوں اُن کو بیخ و بن سے اوکھاڑ ڈالوں بگوش ہوش سُنئے۔

میں کہتا ہوں کہ اگر کم از کم دو صانع ایجاد عالم میں شریک ہونگے تو وہ دونوں جیسا کہ صانع ہونے اور موجود اصلی ہونے میں شریک ہونگے ایسے ہی کسی نہ کسی امر میں علیحدہ بھی ہونگے کیونکہ جہاں اشتراک کیساتھ تعدد پایا جائے تو وہاں لازمی بات ہے کہ کسی حیثیت سے ایک کو دوسرے سے علیحدہ اور ممتاز بھی سمجھا جائے مثلاً دو آدمی باوجودیکہ آدمیت میں شریک ہیں مگر بعض اوصاف میں مختلف بھی ہیں جیسا کہ شکل و صورت قد و قامت۔ مکان و زمان رنگ و روپ خاصیت مزاج وغیرہ میں اگر یہ علیحدگی اور فرق نہ ہوتو تعدد ہرگز نہ ہو وہی ایک آدمی رہے اس وجہ سے ضروری قرار پایا کہ جو دو چیزیں کسی امر میں شریک ہوں تو اُن میں سے ہر ایک کے اندر بعض ایسے خصوصیات ہونی چاہئیں جو دوسری میں نہ پائے جائیں ان ہی خصوصیات کے مجموعہ کو ہم اپنی اصطلاح میں ذات سے تعبیر کرتے ہیں مگر ذات بے وجود کے معدوم محض ہے۔ کیونکہ دنیا کی ہر ایک چیز وجود کے ذریعہ سے ہی موجود کہلاتی ہے البتہ خود وجود کو اپنے موجود ہونے میں کسی دوسرے وجود کی حاجت نہیں اور یہ بالکل اسی طرح جیسا کہ ہر شے کو اپنے روشن ہونے میں نور کی حاجت ہے مگر خود نور کو اپنے نورانیت میں دوسرے نور کی حاجت نہیں۔ اب اگر دو یا کئی صانع ہوں اور وہ دونوں وجود میں اشتراک رکھتے ہیں تو اُن دونوں کی ذات (یعنی وہ خصوصیات خاصہ جن سے ایک کو دوسرے سے

امتیا ہنحاصل ہی) وجود کے ماسوا کوئی اور چیز ہوگی اور چونکہ وجود کے سوا سب چیزیں اصل سے معدوم ہیں اسلئے ہر ایک خدا فی حد ذاتہ وجود سے بالکل خالی ہوگا اور اُن پر وجود اسی طرح عارض ہوگا جس طرح زمین و آسمان وغیرہ سب چیزیں جو فی نفسہ تاریک اور مظلم تھیں مگر آفتاب کے نور نے اُن سب کو روشن کردیا۔ اس صورت میں ہم دونوں خداؤں کو کسی طرح موجود اصلی نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ دونوں بھی کسی ایسے موجود اصلی کے محتاج ہونگے جس کا وجود خود اُسکی ذات کے اندر داخل ہو اور ہمارا مقصد بھی توحید سے صرف اتنا ہی تھا کہ موجودات کا سلسلہ ایک موجود اصلی پر ختم ہوتا ہے چنانچہ یہ بات اس تقدیر پر بخوبی حاصل ہوگئی کیونکہ جب موجودات دو خداؤں سے مثلاً پیدا ہوئی اور وہ دونوں ایک موجو اصلی میں شریک اور اصل سے معدوم ٹھہرے تو یہ معنی ہوئے کہ موجود اصلی کا فیض ان دونوں کیواسطے سے اوروں کو پہونچتا ہے جیسے پرنالہ کے وسیلے سے چھت کا پانی نیچے آتا ہے اور آتشی شیشہ کے طفیل آفتاب کی سوزش دوسری چیزوں کو پہونچتی ہے اور قلعی دار آئینے کے صدقہ سے آفتاب کا نور اُن در و دیوار کو پہونچتا ہے جو آفتاب کے مقابل نہیں ہوتے ان تمام صورتوں میں سب کو معلوم ہے کہ چھت کا پانی پرنالہ کی راہ سے آتا ہے پرنالہ سے پیدا نہیں ہوتا آفتاب کی سوزش آتشی شیشہ کی راہ سے آتی ہے آتشی شیشہ میں کچھ حرارت نہیں آفتاب کا نور آئینہ کی راہ سے اور اشیاء کو پہونچتا ہے آئینہ میں ذرہ برابر نور نہیں تو ایسی طرح سے اگر بہت سے موجود اصلی اور بکثرت صانع موجود ہوں تو توحید میں کچھ رخنہ نہیں پڑسکتا بلکہ اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوجاتی ہے کیونکہ فلک اور زمانہ جو باعتبار شہرت کے وقائع عالم کا فاعل گنا جاتا ہے یا انسان وحیوان وغیرہ جو ظاہر بینوں کو افعال اختیاریہ کے خالق معلوم ہوتے ہیں یا دوا اور دُعا وغیرہ جو بہ نسبت اپنی تاثیروں کے موثر حقیقی سمجھے جاتے ہیں یہ سب چیزیں اسوقت بحیثیت اپنے فیوض کے وسیلہ فیض اور واسطۂ ایجاد سمجھی جائیگی اور اُن کے خالق ہونے کا شبہ جو بعض ظاہر پرستوں کو پڑا ہوا ہے بے محنت حل ہوجائیگا اور اسوقت ہم بآواز دہل یہ ندا دیسکیں گے کہ ماسوا خالق بزرگ کے جو چیزیں ظاہر میں مصدر افعال یا مصدر تاثیرات نظر پڑتی ہیں وہ سب خدائے اکبر کے سامنے ایک کاریگر کے آلات کی طرح ہیں بادی النظر میں اُن چیزوں سے کام ہوتا ہے اور حقیقت میں خدا کرتا ہے۔ اعلیٰ طبقہ کے حضرات جیسے نبی ہوں یا ولی اور ادنےٰ درجہ کے مثلاً دیو ہوں یا پری۔ اوتار ہو یا فلک دوار۔ دوا ہو یا دعا۔ پتھر ہو یا کوئی جاندار چیز۔ زمانہ ہو یا مکان۔ چاند ہو یا سورج۔ ستارے

ہوں یا اور کچھ سب کے سب خدا کے سامنے ایسے ہیں جیسے بڑھی کے سامنے بسولہ نہانی برما وغیرہ فرماں بردار ہوتے ہیں کہ بے ہلائے اُسکے نہیں ہلتے اور بغیر اُسکی مرضی کے کوئی کام نہیں کرسکتے اور اس سارے سلسلہ عالم کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشینوں اور کلوں کے کارخانہ اور گھڑیوں وغیرہ میں بہت سی کلیں اور پُرزے آگے پیچھے ہوتے ہیں پھر اگر کوئی کام لینا منظور ہوتا ہے اوّل کو ہلاتے ہیں اور پھر سب کلیں بہ ترتیب ہلتی ہیں اور آخر میں جو کام مقصود ہوتا ہے وہ آخیر کی کل سے حاصل ہوتا ہے اب ظاہر ہے کہ یہ کلیں خود بخود نہیں ہلتیں کیونکہ وہ بیحس وحرکت جمادات میں سے ہیں اُنکے واسطے جب تک کوئی ذی عقل اور صاحب ارادہ اور کام لینے والا نہ ہوگا ہرگز کام نہ چلیگا۔ اسی طرح سلسلہ عالم کے واسطے علت العلل اور فاعل حقیقی ایک خدای تعالیٰ ہے کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ فعل اور حقیر سے حقیر سی چیز بھی اُسکے ارادہ اور مشیت کے بغیر وجود میں نہیں آسکتی اور کسی شے کو اُسکی سطوت وحکومت کے آگے دم مارنیکی مجال نہیں جو کچھ وہ چاہے اُس میں کوئی مزاحمت نہیں کرسکتا اور مقرب سے مقرب بندہ بھی اُسکے دربار میں بغیر اُسکی اجازت کے لب نہیں ہلا سکتے یہی وہ عقیدہ ہے جسکی طرف اسلام نے نہایت زور وشور کے ساتھ دعوت دی ہے یہی خیال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا سنگ بنیاد ہے اور اسی مضمون کی اشاعت تمام انبیاء کی بعثت کا مقصد اولین ہے۔

اس میں شک نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں توحید کی فی الجملہ جھلک پائی جاتی ہی اور جن مذاہب میں شرک صریح کی تعلیم موجود ہے وہ بھی توحید کے بالکلیہ ترک کرنے پر راضی نہیں ہوتے بلکہ توحید کے چھوڑنے سے یہ بہتر سمجھتے ہیں کہ شرک کو توحید کے ساتھ جمع کرلیا جاوے اگرچہ یہ اجتماع اجتماع نقیضین ہے کیوں نہ ہو۔ لیکن یہ عزت خاص مذہب اسلام کو حاصل ہے کہ اُسنے بالکل خالص اور بی لوث توحید کی طرف لوگوں کو رجوع کیا اور شرک جلی یا خفی کا تسمہ باقی لگا نہیں رکھا۔ اس جہالت اور تاریکی کے زمانہ میں جبکہ دنیا میں خالص توحید سے بڑھکر کوئی گناہ نہ تھا ہزاروں بندگان خدا کو توحید سے مانوس بنادیا اور آجتک کڑوڑہا کڑوڑ انسانوں کے دلوں سے شرک فی الذات شرک فی الصفات اور شرک فی العبادۃ کی ظلمتوں اور کدورتوں کو دھوڈالا۔ کیا اسلام کی اس بے غل وغش توحید کا مقابلہ اس قوم کی توحید کرسکتی ہے جس نے خدا کے سوا ہر اینٹ پتھر کے سامنے گردن ڈالدی اور آگ۔ پانی وغیرہ کو بھی قابل پرستش سمجھا اور اپنے ہاتھوں سے بنائی ہوئی مورتوں کو حاجت روا

اور مشکل کشا تصور کرلیا۔ یا اُس قوم کی جن کے خدا کی تکمیل مادہ اور روح سے ہوتی ہے اور اُنکا کمزور خدا ان دونوں کے منشاء کے خلاف نہ کبھی کوئی کارروائی کرسکتا ہے اور نہ اُن سے بگاڑ کر ایک دم اپنی خدائی کو قایم رکھ سکتا ہے۔ یا اُس قوم کی جنکا مثلث خدا اپنی کرسی عظمت سے اوتر کر تمام انسانی حوائج اور بشری خصوصیات کا محکوم بنا اور بنی آدم کی خطائیں معاف کرنے کے واسطے اُسکو سخت تکالیف اور مشقتیں برداشت کرنا پڑیں۔ یا اُس قوم کی جنکا خدا خلقت کے بے سوچے سمجھے پیدا کرنے پر سخت نادم ہوا اور دنیا میں طوفان آجانے سے اُسے بیحد ملول ہونا پڑا یہانتک کہ روتے روتے اُسکی آنکھیں سوج گئیں اور ملائکہ کو اُسکی عیادت کرنا پڑی اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے جب اُسکی کُشتی ہوئی تو اُنھوں نے اُسکو زمین پر پٹک دیا۔

کیوں مُنصفو! کیا ایمان سے کہہ سکتے ہو کہ آج صحیح اور مکمل توحید انہیں سے کسی مذہب کی بدولت دنیا میں نظر آرہی ہے۔

نبوّت

ان تمام مراحل کے بعد جو ہمنے یہاں تک طے کئے ہیں سب سے زیادہ ضروری اور معرکۃ الآراء بحث جو باقی رہجاتی ہے وہ نبوت کی بحث ہے اور افسوس کہ جسقدر وقت اس بحث کیلئے ہمکو درکار ہے اُسکا عشر عشیر بھی ہمارے پاس موجود نہیں لیکن اس پر بھی ہمنے یہ کسی حال مناسب نہیں سمجھا کہ اسلام کے اتنے بڑے رکن اعظم کو بالکلیہ قلم انداز کردیا جاوے ہاں یہ ممکن ہے کہ یہاں پر ایک اجمالی بحث اِسکے متعلق لکھکر تفصیل تام کو اُسی ضخیم کتاب کے اوپر اُٹھا رکھیں جسکی اُمید ہم پہلے دلاچکے ہیں۔ تاکہ ہمارے سامعین کے دلوں میں اگر کوئی گھبراہٹ اور تشویش پیدا ہو تو وہ اُس سے اپنی تسکین کرلیں۔

نبوّت کا عقدہ حل ہونے سے پہلے ہر انسان پر یہ فرض ہے کہ وہ اسباب اطاعت پر غور کرے یعنی یہ کہ ایک آدمی کی اطاعت دوسرے پر عقلاً کن حالتوں میں اور کن وجوہات سے ضروری سمجھی جاتی ہے اس بارہ میں جہانتک تامل سے کام لیا گیا کُل تین سبب اسکے متعین ہوئے۔ جلب منفعت۔ دفع مضرت اور عشق و محبت چنانچہ نوکر اپنے آقا کی اطاعت ملازمت کی اُمید پر اور رعیت اپنے حاکم کے اندیشہ تکالیف سے اور عاشق اپنے محبوب کے بتقاضاء محبت کرتا ہے اور اطاعت کی کوئی ایک فرد

بھی ایسی نظر نہیں آتی جو ان تینوں وجوہات سے خالی ہو اب اگر یہ تینوں سبب ایک ہی شخص میں جمع ہوجائیں تو فطرت انسانی یقیناً اُسکی خدمت و اطاعت کو فرض عین سے بھی بڑھکر فرض عین قرار دیگی۔ پس جبکہ پچھلے اوراق میں حقتعالیٰ شانہ کی نسبت مدلل طریقہ سے یہ طے ہوچکا ہے کہ دنیا کے تمام کام اُسی کے ارادہ اور اختیار سے انجام پاتے ہیں اور ہر قسم کی داد و ستد سلب و عطا اور نفع و ضرر اُسی کے ہاتھ میں ہے اور ہر قسم کا کمال اور حسن و خوبی اُسی کی ذات اقدس میں موجود ہے اور اُسکے سوا کوئی عالم کا مربی اور محسن ہی نہیں ہے تو بے شبہ عقل کے نزدیک ایسے خدا کی اطاعت سے سرمو انحراف جائز نہوگا اور یہ لازم ہوگا۔ کہ اُس کی خدمت گذاری میں آدمی مصروف رہے اُسی کا ہر دم دھیان رکھے۔ اور اُسی کی محبت میں اپنے کو دیوانہ بنائے۔ جئے تو اُسی کے نام پر جئے اور مرے تو اُسی کا کلمہ پڑھتا مرے۔ غرض کسی حالت میں اُس سے جُدا نہووے۔ اور ظاہر و باطن میں اُسی کا تابع فرمان بنا رہے باطن کی فرمانبرداری تو یہی ہے کہ دل میں خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ یقین ہو کہ ہماری ہستی اُسکی ہستی کے سامنے بالکل حقیر اور اُسکا وجود ہر طرح سے پُر عظمت اور کامل و مکمل ہی ہمارے ہر قسم کے نفع و نقصان کا اختیار اُسی کو ہے وہ ہمارا حاکم ہم محکوم ہیں۔ اُس میں اعلیٰ درجہ کی شان محبوبیت موجود ہے اور ظاہری فرمانبرداری وہ افعال و حرکات ہیں جن سے ہمارے اُنہیں اندرونی جذبات اور باطنی اعتقادات کا سُراغ ملتا ہو اور خدا کی حکومت اور محبوبیۃ کا خیال اُن سے مترشح ہوتا ہو مثلاً خدائے تعالیٰ کے سامنے اُس کی خاص تجلّی گاہ کی طرف ہاتھ باندھکر کھڑا ہونا اُس سے اپنے حال کے متعلق عرض و معروض کرنا اُدھر سے کوئی حکم آجائے پر سر نیاز جُھکا دینا۔ اور اُسکے آستانہ پر اپنے کو ذلیل و حقیر سمجھکر ناک اور پیشانی رگڑنا یہ سب آثار محکومیت اور آداب شاہی کے قائم مقام ہیں۔ علیٰ ہذا القیاس اپنے مال و دولت کو خدا کے بتلائے ہوئے مصارف میں خرچ کرنا اور ہر آمد و صرف میں اُس کے حکم کا منتظر رہنا۔ یہ بھی سراپا اطاعت ہونے کے لوازمات میں سے ہے پھر اگر خدائے تعالیٰ کو محبوب حقیقی سمجھتا ہے تو اُس کے قرب و وصل کی فکر میں ہر ایک ماسواء سے بیزار ہوجانا آب و طعام اور لذت جماع کو (جو کہ خلاصہ تمام کائنات کا ہے) ترک کردینا اُسکے بعد تجلّی گاہ ربانی کی طرف پابرہنہ سر برہنہ لبیک لبیک کھتے ہوے دوڑنا اور وہاں پہونچکر کبھی حالت شوق و وجد میں اُس تجلّی گاہ کے گرد گھومنا کبھی جنگلوں میں بھٹکتے پھرنا کبھی دشمن محبوب کے خاص مکان پر سنگ باری کرنا۔ اور کبھی جان و مال سے فدا ہونیکے لئے

طیار رہنا یہ سب محبت قلبی کی علامات اور عشق حقیقی کے ظاہری نشانات ہوں گے۔
الغرض یہ امر تو اب عقلاً پایہ ثبوت کو پہونچ گیا ہے کہ دل سے زبان سے ہاتھ پانوں سے جسطرح بھی بن پڑے آدمی اپنے خالق کی اطاعت کی طرف متوجہ رہے اور ہرگز اپنا روی نیاز کسی دوسری جانب نہ پھیرے۔ لیکن سخت مشکل یہ تھی کہ کسی کی اطاعت بغیر اسکے متصور نہیں کہ ہمکو اُسکی پسندیدہ اور ناپسندیدہ باتوں کا علم ہو اور خدائی تعالیٰ کی نسبت یہ دریافت کرنا کہ وہ کن امور سے خوش اور کن امور سے ناخوش ہوتا ہے ہر شخص کی قدرت سے باہر تھا کیونکہ محض اپنی عقل سے اگر ہمنے چند احکام معلوم کر لئے تو اوّل تو تمام احکام کی تفصیل اُس سے معلوم نہیں ہوسکتی دوسرے یہ کہ خدائے تعالیٰ شانہ ہماری عقل کا ہر بات میں پابند بھی نہیں ہوسکتا۔ اس بنا پر خدائے تعالیٰ کی اطاعت وعبادت بغیر اسکے ممکن نہیں کہ خود خدائے برتر اپنی رضا وعدم رضا سے بندوں کو مطلع فرمائے اور یہ خوب معلوم ہے کہ جب سلاطین دنیا اس تھوڑی سی نخوت وتکبر اور ذرا سے استغنا پر ہر دوکان دوکان اور مکان مکان اپنے احکام سُناتے نہیں پھرتے اور نہ اُنکو یہ گوارا ہے کہ ہر کس وناکس کو اپنے مافی الضمیر کی اطلاع کیواسطے شرف ہمکلامی بخشیں تو کیا وہ احکم الحاکمین وراء الوراء ثم وراء الوراء جسکو تمام عالم سے بالکل استغناء اور سب چیزوں کو اُس کی احتیاج ہے ہر ایک عام وخاص اور ہر ایک رند وباری کو مُنہ لگانا اور اپنی حضوری یا ہمکلامی سے باریاب فرمانا پسند فرمائیگا۔ جب ایسا نہیں تو بیشک خدا کے یہاں بھی کچھ لوگ ایسے خاص ہونگے جیسے کہ بادشاہوں کے یہاں وزیر یا نائب السلطنتہ یا ویسرائے اور جیسا کہ تمام سرکاری احکام رعایا کے پاس انہیں صاحبوں کے توسط سے پہونچتے ہیں ایسے ہی خدا کے پیام اور اوامر ونواہی اُن معتمدین کے ذریعہ سے ہم تک موصول ہونگے ہم انہیں معتمدین کو انبیاء رسول اور پیغمبر کہتے ہیں اور ہمارا خیال ہے کہ جس زمانہ میں خدائے تعالیٰ ضرورت سمجھتا ہے ایسے رسولوں کو اُس زمانہ کے مناسب ہدایات دیکر مبعوث فرما دیتا ہی یہاں پر تمکو شاید یہ شبہ گذرے کہ مختلف قرون میں جب انبیاء علیہم السلام تشریف لاوینگے اور ظاہر ہے کہ اُن میں سے موخر کی شریعت مقدم کی شریعت کیواسطے ناسخ ہوگی تو وہم یہ ہوتا ہی کہ پہلے نبی کے بھیجنے میں شاید خدائے تعالیٰ سے کچھ سہو ہوگیا تھا یا بھول چوک سے اُسکو نامناسب احکام دیدئے تھے جو دوسرے نبی کے ذریعہ سے اُس غلطی کی اصلاح کرائی گئی مگر یہ شبہ آپکا سراسر کم فہمی اور نادانی پر مبنی ہے۔ نسخ کے معنی صرف تبدیل احکام کے ہیں یہ آگے آپکا قیاس ہے کہ وہ تبدیل پہلی غلطی کی

اصلاح کی وجہ سے واقع ہوئی ہوگی خدائے برتر کی نسبت ایسا خیال باندھنا سخت گستاخی ہے آپ نے بارہا دیکھا ہوگا کہ طبیب اگر کسی مریض کو مسہل دینا چاہتا ہے تو اسکے لئے پہلے منضج کا نسخہ تجویز کرتا ہے۔ چند روز بعد وہ نسخہ بدل کر مسہل کا نسخہ پلاتا ہے تو کیا آپ نے اس طبیب کی نسبت بھی یہی رائے قائم کی ہے کہ اس سے منضج کا نسخہ دینے میں غلطی ہوگئی تھی جسکی مکافات وہ دوسرے نسخہ سے کر رہا ہے۔ جب یہاں آپ نے ایسا نہیں سمجھا تو خدائے تعالیٰ کے معاملہ میں آپ کو کس چیز نے مجبور کیا ہے کہ بلا وجہ ایک ایسا مہمل خیال پیدا کرلیں کیوں یہ نہیں مان لیتے کہ اس نے بھی ہر زمانہ کی طبیعت اور مزاج کا اندازہ کرکے اس کے موافق مختلف احکام جاری کردئے ہیں اور اسمیں کچھ مضائقہ نہیں باقی یہ خلجان کہ کیا خدائے برتر اس پر قادر نہ تھا کہ ابتدائے عالم میں ہی کوئی ایسی مکمل کتاب ہدایت کیلئے نازل فرما دیتا جسمیں ہر زمانہ کے تغیّرات کی رعایت کریجاتی اور اسکی حاجت نہ رہتی کہ بار بار وہ اپنے سچّے الہام میں دست اندازی کرے اس کی بابت میں عرض کرتا ہوں کہ بیشک اگر خدا اس پر قادر تھا تو کیا اس پر قادر نہ تھا کہ بغیر نطفہ اور خون بننے۔ رحم مادر میں پرورش پانے اور بتدریج نشو نما کرنے کے ایک کامل ومکمل انسان دفعۃً پیدا کردیتا (جیسا کہ آریہ سماج اپنے چار رشیوں کی نسبت کہتے ہیں) یا بغیر تخم ریزی اور آبپاشی وغیرہ سامان زراعت کے خود بخود تمام نباتات کو زمین سے اوگا دیتا۔ اگر اسنے باوجود قدرت کے ان جسمانیات میں (نعوذ باللہ) یہ دردسری اٹھائی تو روحانیات میں بھی اسکو اپنی اسی عادت سے معذور سمجھنا چاہئے اور اگر وہاں اس تدریجی ترقی میں کچھ خاص حکمتیں اور مصلحتیں متعلق ہوسکتی ہیں تو یہاں اسی قسم کی مصلحتوں کا لحاظ کرنے سے کون چیز مانع ہے۔

بہرکیف اس میں کچھ حرج نہیں بلکہ عین حکمت اور رحمت ہے کہ حق تعالیٰ سبحانہ ان مختلف تخم ہائے اخلاق کے (جو ازل سے قلوب بنی آدم کی زمینوں میں ڈالدئے گئے ہیں) تربیت اور نشو ونما کیواسطے اپنی رحمت کے بادل بھیجے اور ان بادلوں کے برسنے سے جس زمین میں جیسا کچھ اچھا یا برا بیج بویا گیا ہے۔ اسکو ترقی اور نشو نما حاصل ہو وہ ابر ہائے رحمت جیسا کہ بلال رضؓ وسلمان رضؓ کے کھیتونکو سرسبز وشاداب کریں ایسے ہی ابوجہل وغیرہ کے دلوں میں جو کفر وشقاوت کا بیج بکھیرا گیا ہے اس میں بھی جان تازہ ڈالدیں ان ہی سحابہائے معارف کو انبیاء کہا جاتا ہے ان کے اثر کو تقویت پہونچانے والوں کا نام ملائکہ ہے اور انکی تدابیر میں رہزنی کرنے والوں کو شیاطین کا لقب دیا جاتا ہے۔ (باقی آیندہ)

موجبِ فخرِ متکبر عطیّہ

مخصوص و مقبول بندگان خدا کی توجہ و عنایت ایک ایسی بیش بہا نعمت ہے جس کے مقابلہ میں دنیا کے تمام مال و دولت ہیچ ہیں کیونکہ یہ ایک بہت بڑی علامت ہے رضائے و خوشنودی حق تعالیٰ کی۔ الحمد للہ کہ رسالہ **القاسم** کو یہ دولت ابتدا ہی سے حاصل ہے اور اُس کے ناظرین و معاونین میں ایک معقول تعداد علما صلحا و فقرا کی موجود ہے جو اپنی تحریر و تقریر و دُعا سے للّٰہی محبّت و توجہ کا اظہار فرماتے رہتے ہیں۔

اس وقت ہم جس عطیّہ کا فخر کے ساتھ اظہار کرتے ہیں وہ ہمارے رسالے کے مخدوم و محترم سرپرست حضرت مولانا **حاجی محمد اشرفعلی** صاحب مدظلہم کی مالی امداد ہے۔

گو حضرت مولانا کی قلبی اور قلمی امداد (جس سے ناظرین واقف ہیں) کچھ کم نہ تھی لیکن مولانا ممدوح نے مبلغ ساٹھ روپیہ بمد **اعانت القاسم** مرحمت فرماکر مزید توجہ و عنایت کا اظہار فرمایا ہے۔ جس سے رسالہ القاسم کے بڑے اور چھوٹے متعلقین کو اس درجہ مسرت ہوئی ہے کہ شاید ہی کسی عطیہ سے ہو۔

اس کے علاوہ مولانا مدظلہم نے جمعیتہ الانصار اور درجۂ تکمیل میں بھی سات سات روپیہ مرحمت فرماکر اُس کے کارکنوں کی ہمت افزائی فرمائی ہے۔ فجزاھم اللہ وابقاھم۔

دیگر حضرات معاونین رسالہ القاسم

جناب حاجی سید نور الحسن صاحب رئیس رتھیڑی ضلع مظفر نگر	صہ/
جناب شیخ محمد حسن صاحب تعلقدار و ناظم عدالت سمیان نارائن پور ضلع حیدرآباد دکن	صہ/

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱۔ یہ رسالہ ماہوار شائع ہوگا اور ہر قمری مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲۔ کسی ماہ کا رسالہ ۳۲ صفحے سے کم نہ ہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرتِ مضامین اس سے بڑھ جائے گا چنانچہ ماہ شعبان کا پرچہ اس مقدار سے بدرجہا زیادہ ہے۔

۳۔ یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصول ڈاک دو روپئے آٹھ آنے (عہ۸) پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اسی قدر زیادہ لیا جائے گا جس قدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۴۔ جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچ روپیہ اس سے زیادہ مرحمت فرماویں گے وہ رسالے کے معاونین خاص میں شمار ہوں گے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شائع ہوتی رہے گی۔

۵۔ سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کیخدمت میں پہلا پرچہ وی۔پی بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلیو اضافہ کر کے عہ۹ کا وی۔پی روانہ ہوگا۔

۶۔ جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائے گا جب تک وہ قیمت ادا نفرمائیں گے یا وی۔پی کی اجازت ندیں گے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائے گا۔

۷۔ جو صاحب دو چار ماہ کے بعد خریدار ہوں گے اُن کی خدمت میں بھی شعبان ۱۳۲۸ھ سے کُل پرچے بھیجکر اُن کو ابتدا ہی سے خریدار سمجھا جائے گا۔ البتہ جو حضرات خاص طور سے تصریح و تاکید فرمادیں گے اُن کو گزشتہ پرچے لینے پر مجبور نہ کیا جائیگا۔

۸۔ نمونے اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں اُن کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کئے جائیں گے جو اُصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں

۹۔ جملہ خط کتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم

بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم" دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۱۰ | بابت ماہ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت جمادی الاولیٰ ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شائع ہوتا ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مدرسہ عالیہ دیوبند
کے
کارناموں میں روز افزوں اضافہ

مدرسہ کے حالات سے باخبر حضرات کو معلوم ہے کہ عظیم الشان جلسہ دستار بندی کے اجلاس میں عالیجناب مولوی حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ نے اپنی مبسوط تقریر (زرین ماضی مستقبل) میں مدرسہ کے گذشتہ حالات کے ساتھ اُن مفید تجاویز کا اعلان بھی فرمایا تھا جو خدام مدرسہ کو پیش نظر ہیں اور جنکے اجراء کے بعد مدرسہ دیوبند جو فی الحقیقت مذہبی ضروریات کا مرکز اور مسلمانوں کا مرجع ہے مکمل صورت میں نظر آنے لگے گا۔

اسوقت تک گو ان تجاویز پر پوری طرح عملدرآمد نہیں ہوسکا جسکی بڑی وجہ یہ ہی کہ اُنکے اجراء و تکمیل کیلئے جسقدر سرمایہ کی ضرورت ہے بہم نہیں پہونچا۔ تاہم جسقدر گنجایش ملتی گئی اُنکو عملی صورت میں لانیکی پوری کوشش کیگئی۔ اور نہایت مسرت سے اسکا اظہار کیا جاتا ہے کہ گو کل تجاویز کا ظہور نہیں ہوا تاہم اکثر اجزاء کا ظہور ہونا شروع ہوگیا۔

اُن تجاویز میں اہم اور مفید تر کام جو خاص مدرسہ دیوبند کے اصلی فرائض میں سے ہے اشاعت اسلام ہے۔ بحمد اللہ اس سال اس صیغہ کا قیام مضبوطی سے شروع ہوگیا۔

اشاعت اسلام کے مفہوم میں چند اجزاء داخل ہیں۔

(۱) جاہل اور کم علم مسلمانوں کو احکام شریعت سے واقف کرنا۔
(۲) خیالات کی اصلاح۔
(۳) اغیار کے حملوں اور دست برد سے مسلمانوں کی حفاظت۔
(۴) اسلام پر بیجا حملے کرنیوالوں سے تحریری یا تقریری مناظرہ۔
(۵) تصنیف و تالیف کے ذریعہ سے صحیح خیالات کی اشاعت۔
اِن تمام شعبوں میں عملی حصہ لینے کے واسطے امور ذیل پر عمل کیا گیا۔

(۱) مولوی سیّد ہادی حسن صاحب قدیم سند یافتہ مدرسہ ہذا خاص اس کام کیلئے مقرر کئے گئے کہ دیہات و قصبات میں دورہ کرکے اپنے وعظ و نصائح سے مسلمانوں کو احکام اسلام سے واقف کریں۔ رسوم خلاف شریعت سے روکیں اور جس جگہ ضرورت ہو وہاں جاکر اِس دینی خدمت کو انجام دیں۔

خادمان مدرسہ اعلان کرتے ہیں کہ جہاں کہیں ضرورت ہو حسب الطلب اہل اسلام مولوی سیّد ہادی حسن صاحب وہاں پہونچکر مذہبی خدمت انجام دینگے۔

(۲) مولوی حافظ عبد السمیع صاحب قدیم سند یافتہ مدرسہ ہذا ذی استعداد عالم اور خوش بیان واعظ ہیں۔ مولوی صاحب موصوف کے پُر اثر بیانات سے اکثر موقعوں پر اہل اسلام نہایت محظوظ ہوتے ہیں۔ امسال کئی انجمنوں میں آپکی تقریریں اور وعظ ہوئے۔ بالخصوص خاص بجنور میں ایک ماہ سے زائد آپکا قیام ہوا اور وہاں کے مسلمانوں نے اُنکے موثر بیانات سے محظوظ ہوکر خادماں مدرسہ سے درخواست کی کہ اُنکو خاص بجنور میں زیادہ قیام کی اجازت دیجائے۔

(۳) اکثر اسلامی جلسوں میں اور انجمنوں میں دیوبند سے مقرّر اور واعظ بھیجے گئے جنکی تقریروں اور مواعظ حسنہ سے مسلمان بیحد محظوظ و متأثر ہوئے اور کئی مقامات کے جلسوں کے منتظماں نے خاص شکریہ کی تحریریں دفتر مدرسہ میں بھیجیں۔

اِن مواقع میں جلسۂ منگلور۔ بریلی۔ بلند شہر۔ دربھنگہ۔ مونگیر۔ سنبھل ضلع مرادآباد۔ دہپہ ضلع میرٹھ وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

(۴) بہت سہل اور عام مفید طریقہ اشاعت خیالات و تصحیح عقائد کا تصنیف و تالیف ہے جو

دو حصوں پر منقسم ہو سکتا ہے۔

(۱) موقت۔ (۲) غیر موقت۔

غیر موقت الشیوع تصانیف کا سلسلہ ایک حد تک پہلے سے جاری تھا۔ مگر موقت الشیوع رسالہ مدرسہ کی طرف سے کوئی ایسا نہ تھا جس سے مسلسل طور پر مسلمانوں کو ہر قسم کے فواید پہونچتے۔

اَلحَمدُ لِلّٰہ کہ اس مفید تر ضرورت کو رسالہ القاسم نے پورا کر دیا۔

یہ رسالہ اہل اسلام کیلئے نہایت مفید ثابت ہوا۔ اور اسمیں ایسے سچّے اور صحیح مضامین خواہ متعلق احکام ہوں یا اعتقاد یا تاریخ و سیر۔ شایع ہوتے ہیں جن پر ہر ایک خواندہ و ناخواندہ مسلمان آنکھ بند کر کے یقین لا سکتا اور عمل کر سکتا ہے۔ اور ایسے ہی علمی رسالے کی ہندوستان بھر کو ضرورت تھی۔

ہم یہ نہیں کہتے کہ ہر طبقہ کے مسلمان خواہ مخواہ اُسکو پسند ہی کریں یا کرتے ہیں کیونکہ خیالات مختلف ہیں۔ ممکن ہو کہ بعض طبایع پسند نکرتی ہوں۔ کیونکہ مذاق عام طور پر بگڑ چکے ہیں ذایقے اس درجے خراب ہو چکے ہیں کہ میٹھی چیز بھی تلخ معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہم یہ ضرور کہیں گے کہ جو مسلمان حق کے طالب اور صحیح خیالات کے متجسس ہیں جو سلف کے طریقے پر مضبوطی سے قایم ہیں یا قایم رہنا چاہتے ہیں اُنکے واسطے یہ رسالہ نہایت ہی مفید ثابت ہوا اور جبکہ اُسکی اشاعت کی راہ سے وہ رُکاوٹیں زائل ہو جاوینگی جو ابتک حائل رہیں تو اُسوقت اُسکا فائدہ اضعاف مضاعف ہو جائیگا۔

زرّیں ماضی مستقبل ہیں بزرگان اسلام کو مدرسے کے موجودہ کتب خانہ کی تکمیل و توسیع کی طرف بھی توجہ دلائی گئی تھی۔ الحمد للہ یہ استدعا بے اثر نرہی اور اس ایک سال کے اندر کتب خانہ میں قابل قدر اضافہ ہو گیا۔ جو جدید کتابیں اس قریب زمانہ کے اندر کتب خانہ میں داخل ہوئیں۔ اُن میں طبقات ابن سعد مطبوعہ لندن اور دائرۃ المعارف مطبوعہ بیروت قابل ذکر ہیں۔

اور نہایت مسرت اور شکر گذاری کا موقعہ ہے کہ ہماری اس خواہش پر کہ اکثر علمی خاندانوں میں جو ذخیرے نادر کتابوں کے موجود ہیں اگر انکو مدرسہ میں بھیجدیا جاوے تو مدرسہ میں نادر کتابونکا لاثانی ذخیرہ جمع ہو جاوے اور کتابیں بھی محفوظ ہو جائیں عالیجناب شاہ احسان اللہ صاحب رئیس غازی پور نے خاص توجہ فرمائی اور اپنا تمام کتب خانہ مع الماریوں کے مدرسہ کو مرحمت فرمایا۔

کتب خانہ مذکور میں ہر قسم کی کئی سو جلدیں ہیں۔

جناب شاہ صاحب موصوف الصدر نے علاوہ اس بیش قیمت امداد کے وظایف طلبہ کی مد میں ماہ مئی ۱۹۱۱ء سے مبلغ چھ روپیہ ماہوار بھی جاری فرمائے ہیں جزاہم اللہ خیر الجزاء وکثر فی المسلمین امثالہم۔

ہندوستان کے بے شمار علمی خاندان ایسے ہیں جنہیں نادر الوجود کتب خانے موجود ہیں جن سے تمتع اور استفادہ کی کوئی صورت نہیں بلکہ یا تو نہایت محفوظ صندوق اور الماریوں میں رکھے ہوئے ہیں۔ اور اُنکی کافی نگرانی کیجاتی ہے یا بالکل بے قدری کے ساتھ پڑے ہوے دیمک کی نذر ہو رہے ہیں۔ اُن سے استفادہ کی صورت ہے تو یہی ہے کہ ایسے قابل قدر ذخیروں کو علمی مرکز کے اندر جمع کردیا جاے۔ کیا ہی خوب ہو کہ ایسے جملہ حضرات جناب شاہ ممدوح صاحب کی تازہ مثال کی پیروی فرماویں۔ اور اپنے اس مسلّم علمی مرکز کی بیش بہا علمی خدمت سے تائید فرماویں۔

جن حضرات نے قریب کے چند سالوں میں اپنے مستقل کتب خانے مدرسہ کو مرحمت فرمائے اُنکا تذکرہ اس موقع پر کردینا مناسب ہے۔

(۱) جناب مولوی سکندر علی صاحب مرحوم مقیم بمبئی۔	آپنے وصیت فرمائی تھی کہ میرا تمام کتب خانہ مدرسہ اسلامیہ دیوبند میں بھیجدیا جاے۔ اس کتب خانہ میں کئی سو کتابیں ہر علم وفن کی موجود ہیں جن سے علما وطلبہ فائدہ اُٹھا رہے ہیں۔
(۲) جناب مولوی حافظ عابد حسین صاحب مرحوم وکیل جونپور۔	آپ جس کتب خانہ کو نہایت ہی محبت وقدر سے رکھتے تھے رفتہ رفتہ وہ سب مدرسہ کے کتب خانہ کو عطا فرماکر اجر دارین حاصل فرمایا۔
(۳) جناب کنور لطافت علیخاں صاحب رئیس سعد آباد۔	جناب کنور صاحب نے مدرسہ سعد آباد کیلئے کافی ذخیرہ کتب کا جمع کیا تھا آپنے یہ سب کتب خانہ مدرسہ کو عطا فرمایا۔
(۴) جناب مولوی نظام الدین صاحب ڈپٹی کلکٹر بلیا۔	جناب موصوف نے اپنے قدیم کتب خانہ کا جسمیں عجیب قلمی کتابیں بھی ہیں بڑا حصہ مدرسہ کو عطا فرمایا اور باقی حصہ بھی عنقریب عطا فرماوینگے
(۵) جناب مولوی عبد الرحمٰن صاحب مرحوم ساکن ناصری گنج ضلع آرہ۔	مولوی صاحب مرحوم نے اپنا کل کتب خانہ جسمیں چھ سو دس کتابیں تھیں مدرسہ دیوبند میں بھیجنے کیلئے اپنی زوجہ محترمہ کے سپرد کیا۔ مگر مولوی صاحب مرحوم کے شاگرد مولوی جمال الدین صاحب نے ابتک کتابیں مدرسہ میں نہیں پہنچائیں
(۶) جناب شاہ احسان اللہ صاحب رئیس غازی پور	شاہ صاحب کے عطیہ کی تفصیل اوپر مذکور ہو چکی ہے۔

علاوہ حضرات مذکور الصدر کے اور بھی اکثر بزرگ مختلف اوقات میں علمی تائید فرماتے رہے۔ جنکی مفصل فہرست کسی وقت شایع کی جاویگی۔

طلبہ کی آسایش و راحت و اطمینان کے خیال سے مطبخ قایم کرنے کا خیال عرصہ دراز سے چلا جاتا تھا اور اس ضرورت کو مدرسہ کی گذشتہ رودادوں میں بوضاحت ظاہر کرکے یہ بھی عرض کردیا گیا تھا کہ قیام مطبخ کی صورت میں خرچ اور انتظام کی ذمہ داری دونوں بڑھجاوینگی۔ بالآخر بنام خدا محرم ۲۸ھ میں مختصر پیمانہ پر مطبخ قایم ہوگیا۔ اور ایک مقدار قلیل طلبہ کو مدرسہ میں کھانا کھلانیکا انتظام ہوگیا۔ رفتہ رفتہ طلبہ کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اور انتظام میں بھی توسیع ہوتی گئی۔ شروع شوال ۲۸ھ میں جو داخلہ کا وقت ہی طلبہ کی بہ نسبت سنین گذشتہ بہت زیادہ کثرت ہوئی۔ اور اسلیئے مطبخ کے انتظام میں بھی بہت کچھ وسعت دیگئی۔ اسوقت قریب ۷۵ اطلبہ کے لیئے کھانا پکتا ہے۔ مگر تاہم ابھی بہت سے طلبہ ایسے ہیں جنکا انتظام دوسری طور سے ہے۔ بعض کو نقد وظیفہ ملتا ہی۔ اور بعض شہر میں کھانا کھاتے ہیں۔ خیال ہی کہ شروع شوال ۲۹ھ سے اسکو اور زیادہ وسعت دیجائے۔ مگر جیسا خیال تھا خرچ بہت زیادہ بڑھ گیا۔ کچھ تو اس وجہ سے کہ اس صورت میں بڑہنا لازمی امر تھا اور کچھ اس وجہ سے کہ فی حد ذاتہ طلبہ کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔

مدرسہ کی سالانہ رودادوں میں ظاہر کیا گیا تھا کہ مد وظائف طلبہ میں علاوہ نقد امداد کے یہ صورت بہت سہل اور نافع ہے کہ زمیندار و کاشتکار فصل پر غلہ کی امداد فرماویں۔ اس تجویز پر خاص قصبہ کٹھور ضلع میرٹھ اور اسکے قریب کے مواضع میں بتوجہ و سعی جناب مولوی حکیم محمد اسحق صاحب و جناب منشی عبد القیوم صاحب و دیگر حضرات دو سال سے عملدرآمد تھا اور مدرسہ کو معقول تعداد غلہ و نقد کی وصول ہوتی رہی مگر امسال اس طریقہ حسنہ پر بہت سی جگہ عملدرآمد شروع ہوگیا۔ ذیل کے نقشہ سے اجمالی حال معلوم ہوسکتا ہے۔

مقام	اسماء گرامی ساعیاں
دیورہ ضلع گیا	جناب شاہ رمضان علی صاحب۔ و جناب مولوی شاہ ولایت حسین صاحب۔
حسن پور ضلع مرادآباد	جناب نواب حاجی احمد حسین خانصاحب۔ و جناب نواب محمد ابراہیم خانصاحب

"	وجناب نواب احمد سعید خانصاحب۔ وجناب نواب عبد المجید خانصاحب۔ و جناب نواب عبد الرحیم خانصاحب۔ وجناب مولوی احمد شاہ صاحب وغیرہ۔
کٹھور ضلع میرٹھ	جناب مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب۔ وجناب مولوی فیض الحسن صاحب۔ وجناب منشی عبد القیوم صاحب و دیگر حضرات۔
کاندہلہ ضلع مظفر نگر	جناب متولی محمد اسمعیل صاحب وجناب مولانا مولوی صدیق احمد صاحب وجناب مولوی حکیم رضی الحسن صاحب وجناب قاضی ابو محمد صاحب۔ وجناب مولوی حکیم محمد عقیل صاحب۔
کیرانہ ضلع مظفر نگر	جناب مولوی حکیم محبوب الٰہی صاحب وجناب حافظ عظیم اللہ صاحب وجناب مولوی فیض الحسن صاحب۔
بجنور	جناب مولوی عبد الحی صاحب وجناب مولوی عبد الواسع صاحب وجناب مولوی حکیم مشیت اللہ صاحب۔
مظفر نگر	جناب حاجی عبد العزیز خاں صاحب وجناب منشی محمد مصطفےٰ خانصاحب۔

الانصار کے عملی کام

اکثر حضرات جمعیۃ الانصار کے قواعد و مقاصد سے روشناس ہو چکے ہیں۔ اور گذشتہ نمبر القاسم میں بے نظیر اجلاس موتمر الانصار واقع مراد آباد کی مختصر کیفیت ہدیہ ناظرین ہو چکی ہے۔

نہایت خوشی کا مقام ہے کہ الانصار کی مفید تجاویز کی عملی ابتدا ہو گئی۔ یہ تو اکثر حضرات کو معلوم ہے کہ درجہ تکمیل جو الانصار کے مقاصد میں سے نہایت اہم اور مفید مقصد ہے چند ماہ ہوئے اُسکا افتتاح ہو چکا ہے۔ گو ابھی یہ درجہ ابتدائی حالت میں ہے۔ لیکن آثار یہ بتلا رہے ہیں کہ بہت جلد وسعت کے ساتھ اُسکو استحکام نصیب ہو گا۔

موتمر الانصار مراد آباد میں جو مفید تجاویز ارکان الانصار کے روبرو پیش ہو کر منظور ہو چکی ہیں۔ اُنکی عملی ابتدا بھی انشاء اللہ تعالیٰ خاص مراد آباد سے ہی بہت جلد ظہور پذیر ہو گی۔

خاص مراد آباد میں قاسم المعارف کی ایک شاخ باضابطہ قایم ہو گئی۔ اور اُسکے اراکین و

کارکن سب تجویز ہوچکی۔ انشاء اللہ تعالی کسی دوسرے نمبر میں ہم اُسکی مفصل روداد شائع کرینگے۔

القاسم کی اشاعت

اور

مطبع کا اجراء

القاسم کو جاری ہوے ابھی دس ماہ ہوئے ہیں اور بحمداللہ اُسنے اس قلیل عرصہ میں بہت کچھ مقبولیت حاصل کرلی ہے۔ اور کرتا جاتا ہے۔ لیکن اُسکے عام مقبول ہونے اور بکثرت اشاعت پذیر ہونے میں اشاعت کی بے ترتیبی اور تاخیر مانع ہوتی تھی۔ جسکی بڑی وجہ یہ تھی کہ خاص دیوبند اور قرب وجوار دیوبند میں کوئی ایسا مطبع نہ تھا جسمیں اُسکے طبع کا بندوبست کیا جاتا۔ اس کام کیلئے مطابع میں بہترین مطبع احمدی پریس علیگڈہ منتخب کیا گیا۔ اور ہم نہایت مشکور ہیں جناب مولوی رشید احمد صاحب مالک احمدی پریس کے کہ آپنے نہایت مہربانی کے ساتھ القاسم کو عمدہ لباس پہنانے میں پوری توجہ فرمائی۔ اور اُسکی ظاہری صفائی وخوبصورتی صرف مولوی صاحب کی عنایت کا نتیجہ ہے۔ مگر دیوبند سے علیگڈہ جاکر طبع کرانے اور اہتمام کرنے میں لابدی اسباب کی وجہ سے دیر ہونا لازمی امر تھا۔ اسی بنا پر اُن حضرات کو جو القاسم سے خاص دلچسپی رکھتے تھے اس خیال نے بے چین بنا رکھا تھا کہ دیوبند میں مطبع قایم ہوجاے۔ یہ ضرورت منتظمین القاسم کو بھی پیش نظر تھی اور وہ برابر اسی فکر میں تھے مگر اُس کا کوئی سامان نہ تھا۔

جناب مولوی عبدالرحمن صاحب مدرس بیڑ علاقہ اورنگ آباد دکن نے اس معاملہ میں زیادہ سرگرمی فرمائی۔ اور بار بار اس مضمون کی تحریریں بھیجیں کہ مطبع جلد اور بہت جلد قایم ہونا چاہیے۔ آپنے محض زبانی ہی ہمدردی پر قناعت نکی۔ بلکہ چند ارباب ہمت واہل خیر کو اس طرف متوجہ کیا کہ اجراء مطبع میں مالی امداد بھی فرمائیں۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف کی وساطت سے اصحاب ذیل نے اجراء مطبع میں امداد فرمائی۔ جسکا دلی شکریہ ادا کرنا منتظمین القاسم پر لازم وضروری ہے۔

(۱) جناب مولوی حاجی محمد رفیع صاحب وکیل اورنگ آباد۔ صـ ۹ ر

(۲) جناب حضرت باباشاہ غلام محمود صاحب قبلہ سجادہ نشین پنچکی اورنگ آباد۔ عـ ۵ ر

خدا تعالیٰ کا شکر ہے کہ مطبع کے اجراء کا مکنون خیال پورا ہوگیا۔ اور ۷ ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۲۹ھ سے خاص دیوبند میں مطبع جاری ہوگیا۔ القاسم نمبر ۸ متعلق ماہ جمادی الاول ۲۹ھ خاص دیوبند کا طبع شدہ آپکے پاس پہونچتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ اگر کوئی خاص مانع اور عائق پیش نہ آیا تو اب اُسکی اشاعت بروقت ہوتی رہیگی۔

مطبع کا قایم و جاری ہونا سہل امر نہ تھا لیکن اس بارہ میں عالیجناب مسٹر فرگسن صاحب بہادر کلکٹر و مجسٹریٹ سہارنپور کی ہمدردی و خاص مہربانی قابل شکرگذاری ہو کہ آپنے از روے رعایا پروری اُسکے اجراء میں ہر قسم کی سہولتیں پیدا فرمادیں اور ہمیں یہ موقع ملا کہ ہمنے بلاکسی قسم کی زحمت و کلفت کے مطبع کو جاری کر دیا۔ علیٰ ہذا رسالہ القاسم کی اشاعت میں بھی خاص آپکی توجہ مبذول رہی اور ہے۔

خدام مدرسہ اسلامیہ دیوبند کلکٹر صاحب بہادر موصوف الصدر کا شکریہ اپنی طرف سے اور تمام مسلمانوں کی طرف سے ادا کرتے ہیں اور اُنکے لئے ہر قسم کی ترقی و کامیابی کی خواہش رکھتے ہیں۔

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۸ ملاحظہ فرمائیے)

اس واقعہ اور اسی قسم کے دوسرے واقعات سے جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں وقتاً فوقتاً پیش آئے ایک نہایت اہم فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ وہ یہ کہ رحم دلی اور نرمی۔ استقلالِ رائے۔ پختگی اور صلابت دینی کے منافی نہیں ہے۔ امور دینی کے بارہ میں سختی اور شدت جسکو ہم تصلب فی الدین سے تعبیر کرتے ہیں۔ نرمی۔ رحم دلی۔ فروتنی۔ خاکساری اور مصلحت اندیشی کی ضد نہیں۔ ایک کامل و مکمل شخص میں دونوں قسم کے اوصاف بدرجۂ کمال جمع ہو سکتے ہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے بارہ میں ارشاد ہے اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ (میری امت پر سب سے زیادہ مہربان ابوبکر رضی اللہ عنہ ہیں) لیکن باوصف اسقدر رحم دلی اور نرم خوئی کے وہ معاملات دینی میں ایسے سخت اور پختہ رائے ہیں کہ تمام صحابہ ایک جانب ملکر کوئی رائے قایم فرماتے ہیں اور خلیفۂ اوّل تنِ تنہا سب کی مخالفت پر تُلے ہوئے کسی قسم کی مداہنت اور ظاہری مصلحت اندیشی کو دخل دینا گوارا نہیں فرماتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات سے چند روز قبل حضرت اُسامہ بن زید کو ایک لشکر کا سردار بنا کر روانگی کا حکم دیا۔ اُنہوں سے تیار ہو کر شہر سے باہر ڈیرہ ڈالدیا مگر آپ کی علالت شروع ہو جانیکی وجہ سے روانگی کو ملتوی رکھا اور اسی اثنا میں وفات سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا حادثہ عظیم پیش آگیا اور فوراً عرب میں چاروں طرف اختلاف کی آگ بھڑک اُٹھی۔ تمام صحابہ کی رائے متفق تھی کہ ایسے وقت جبکہ مسلمان نہایت پریشان اور بے سروسامان ہیں چارطرف کی مخالفت کے اندر گھرے ہوئے ہیں۔ اس لشکر کا جسمیں جلیل القدر صحابہ مہاجرین و انصار ہیں مدینہ منورہ سے دُور چلا جانا دور اندیشی کے خلاف اور خاص اہل مدینہ کیلئے نہایت خوفناک صورت ہے۔ خود حضرت اُسامہؓ کی بھی رائے تھی کہ منتخب اور بڑے درجہ کے مسلمان میرے ساتھ ہیں۔ میں مطمئن نہیں ہوں کہ اس لشکر کی روانگی کے بعد خلیفہ اور امہات المومنین اور مسلمانوں کے اہل و عیال کو کن دقتوں کا سامنا ہو۔ بالآخر حضرت عمرؓ نے خود جاکر امیرِ لشکر اور مسلمانوں کے خیال کا اظہار کیا۔ مگر خلیفۂ اوّل نے

ایک نہ سُنی اور فرمایا لو خطفتنی الکلاب والذئاب لا نفذ تہ کما امر بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولا ارد قضاء اقضے بہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولو لم یبق فی ھذہ القری غیری لا نفذ تہ (اگر کتے اور بھیڑیے بھی مجھکو اچک لیجائیں تب بھی اس لشکر کو روانہ کرونگا اور جو فیصلہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اُسکو رد نکرونگا۔ اور اگر ان بستیوں میں میرے سوا کوئی بھی نرہے تب بھی اس لشکر کو روانہ کرونگا۔) آخر حضرت اُسامہ تشریف لیگئے اور خلیفہ اول کا یہ عزم واستقلال تدبیر ظاہری کی صورت میں ظاہر ہوکر مخالفت کے بڑے حصّہ کو دبانے کے واسطے کافی ہوگیا۔ بہت سے لوگ یہ سمجھکر کہ اگر مسلمانوں کے پاس کافی قوت اور بڑی جمعیت نہوتی تو انکا اتنا بڑا لشکر دار الخلافت کو غیر محفوظ چھوڑکر نہ نکلتا۔ مخالفت سے رُک گئے۔

بہت سے صحابہ حضرت اُسامہ کی نوعمری کو دیکھکر یہ خیال کرتے تھے کہ ایسے بڑے لشکر کی سرداری جسمیں خود حضرت عمر کے درجہ کے صحابہ داخل تھے کسی معمّر اور تجربہ کار کے سپرد کیجائے تو اچھا ہے۔ حضرت عمرؓ نے انصار کا یہ خیال حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کی خدمت میں ظاہر فرمایا جسکو سُنکر غصہ میں کھڑے ہوگئے اور جھنجلاکر فرمایا ثکلتك اُمك یا ابن الخطاب استعملہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتامرنی ان اعزلہ (اے خطاب کے بیٹے تمہاری ماں تمکو گم کرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکو حاکم بنایا تھا اور تم کہتے ہو کہ معزول کردوں) دوسری جانب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی نسبت ارشاد ہے وَاَشدُّھُم فی امر اللہ عمرؓ (احکام خداوندی کے معاملہ میں سب سے زیادہ سخت عمرؓ ہیں) حضرت عمرؓ کے معاملات دینی میں تشدد وسخت گیری اور تصلب کی کیفیت یہ تھی کہ ادنیٰ بات خلاف شرع اور خلاف ارشاد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جائز نرکھتے تھے۔ اپنے صاحبزادے پر حدّ شرعی جاری کرنے میں کوئی خیال مانع نہوا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وفات ہوگئی تو چند عورتیں بطور نوحہ گری گریہ وزاری میں مشغول تھیں۔ حضرت عمرؓ نے منع فرمایا مگر وہ نہ رُکیں۔ بالآخر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی بہن کو بُلاکر دُرّہ سے دھمکایا تب سب عورتیں متفرق ہوگئیں اور نوحہ کا سلسلہ منقطع ہوا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب لوگوں کو کسی بات کی ممانعت کرتے تھے تو اپنے خاندان کے آدمیونکو جمع کرکے فرمادیا کرتے تھے کہ دیکھو میں نے اس امر کی ممانعت کی ہے۔ اگر تم میں سے کوئی اُسکا مرتکب ہوا تو اُسکو دوچند سزا دیجاویگی مگر اس شدّت وصلابت دینی کے ساتھ رحم دلی بھی اعلیٰ درجہ کی تھی۔

حضرت عمر کے خادم اسلم فرماتے ہیں کہ ایکدفعہ حسب معمول رات کے وقت حرّہ داقم (جگہ کا نام ہی) کی طرف تشریف لیگئے۔ میں بھی ساتھ تھا۔ دور سے آگ جلتی دیکھی آپنے وہاں جاکر سلام کیا اور دیکھا کہ ایک عورت نے ہنڈیا کو چولہے پر چڑھا رکھا ہے اور چند بچّے اُسکے پاس چلا رہے ہیں۔ آپ نے اُس عورت سے اُس جگہ اُترنے آگ جلانے اور بچوں کے رونے کا سبب دریافت فرمایا۔ عورت نے جواب دیا کہ رات ہوگئی تھی اسلئے یہاں اُتر پڑی اور سردی سے بچنے کیلئے آگ جلائی ہے بچے بھوک کی وجہ سے رو رہے ہیں۔ آپنے پوچھا ہنڈیا میں کیا پکتا ہے۔ اُس نے کہا کہ کچھ بھی نہیں۔ صرف ان کو بہلانے کیلئے خالی ہنڈیا چڑھا دی ہے۔ حضرت عمر دوڑتے ہوئے واپس ہوئے اور ایک بورے میں بہت سا آٹا اور کچھ کھجوریں بھر کر خود اپنے کاندھے پر اُٹھا کر وہاں لائے اور اپنے ہاتھ سے اوّل ہنڈیا پکائی اور اُس عورت سے فرمایا کہ میں روٹی پکاتا ہوں تم انکو کھلاتی رہو۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں دیکھتا تھا کہ حضرت عمر جب آگ میں پھونک مارتے تھے تو دھواں اُنکی ڈاڑھی میں کو نکلتا تھا۔ یہ غایت رحم دلی تھی کہ اپنے ہاتھ سے پکا کر کھلایا بچّے یا تو رو رہے تھے یا ہنسنے کھیلنے لگے۔ حضرت عمر اللہ تعالےٰ کا شکر ادا کرتے ہوئے واپس ہوئے۔

فتنۂ ارتداد کی غامض حکمتیں۔ قبائل عرب کا یکلخت مرتد ہوجانا اور ملک عرب میں فتنہ کی آگ کا بھڑک اُٹھنا بظاہر نہایت ہی ہولناک قصّہ ہے جس سے ایک طرف تو ظاہر بینوں اور کوتاہ اندیشوں کو یہ خلجان پیش آتے تھے کہ اگر قبائل عرب بزور مسلمان نہ بنائے گئے تھے تو اُنکے مرتد ہونیکی کیا وجہ تھی۔ اس خلجان کی تردید بحمداللہ مذکورہ بالا بیان سے بخوبی ہوچکی۔ دوسری جانب خود صحابہ کو اپنی حالت کو سنبھالنا اور حفاظت کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ صحابہؓ کی خطرناک حالت کا اندازہ ذیل کے الفاظ سے ہوسکتا ہے۔

وارتدت العرب اما عامة اوخاصة من کل قبیلة وظهر النفاق واشرأبت الیهود والنصرانیة وبقی المسلمون کالغنم فی اللیلة المطیرة لفقد نبیهم و قلتهم وکثرة عدوهم

(عرب کے قبائل مرتد ہوگئے۔ یا تو قبیلہ کا قبیلہ یا ہر ایک قبیلہ میں سے خاص لوگ اور منافق جنکا وجود ابھی باقی تھا ظاہر ہوگئے۔ یہودیت اور نصرانیت نے سر اُبھارا اور مسلمان اپنے نبی کی وفات پانے اور اپنی قلت اور دشمنوں کی کثرت کی وجہ سے ایسے بے یار و مددگار رہگئے جیسے بکریوں کا ریوڑ اندھیرے اور بارش کی رات میں بغیر چرواہے کے رہجاتا ہے۔

حضرت ابوبکر صدیق کے حزم و استقلال۔ دوربینی صحابہؓ کی بروقت مستعدی اور تندہی سے یہ فتنہ جیسی سرعت کے ساتھ پھیلا تھا اُسی سرعت کے ساتھ فرو ہوگیا۔

لیکن ارتداد عرب کا قضیہ جیسا کہ ناگوار رنجدہ اور بغایت شوش تھا ویسے ہی اُسمیں بہت سی حکمتیں بھی مکنوں تھیں۔

مسلمانوں کے اکثر کام تائید غیبی سے بنتے اور درست ہوتے تھے اُنکی ہر تدبیر اسی وجہ سے مفید ہوتی تھی کہ تائید الٰہی اُنکے شامل حال تھا۔ عرب کے جاہل اور بگڑے ہوے بدّو بھی جو فوری جوش میں برسر مقابلہ آگئے تھے آخرکار اس نکتہ کو سمجھ گئے اور زبان سے بول اُٹھے کہ ایسے لوگوں سے کیونکر مقابلہ ہوسکتا ہے جنکے کام بغیر تدبیر کے بنتے ہیں۔

واقعۂ ارتداد میں بھی فی الحقیقت بہت بڑی غیبی امداد اور تائید تھی۔ ایک فہمیدہ اور غائر نظر تھوڑے سے تامل سے معلوم کرسکتا ہے کہ مذہب اسلام فقط اہل عرب ہی کے واسطے مخصوص تھا بلکہ دنیا بھر کا مذہب تھا اور مسلمان مامور تھے کہ ہر ایک ملک والوں کو دعوت اسلام پہنچائیں مسلمانوںکو سرزمین عرب سے قدم نکالکر سب اہل مذاہب کو مذہب کی خوبیوں سے واقف کرنا لازمی امر تھا۔ اور اس صورت میں ضروری تھا کہ اپنی اندرونی حالت سے بیفکر اور مطمئن ہوکر پوری قوت کے ساتھ قدم نکالیں تاکہ معرکہ آرائی کے موقعہ پر اُس قوت سے کام لے سکیں۔

لیکن عرب کی یہ حالت تھی کہ اُن میں بہت سے گو بظاہر مسلمانوں میں داخل ہوگئے تھے۔ مگر حقیقۃ مسلمان نہ تھے اور وہ کسی موقعہ کے منتظر تھے اور بہت سے لوگ گو مسلمان تو ہوگئے تھے مگر حقیقی اسلام کے ذائقہ سے واقف نہ ہوے تھے فیض صحبت اُٹھایا نہ تھا۔ حُب جاہ و ریاست دلمیں موجود تھی آزادی اور مطلق العنانی کے لطف کو بھولے نہ تھے۔ احکام شرعیہ کی تقلید اور محاصل شرعی کی قیود سے خوگر نہ ہوے تھے۔ منافق موجود تھے یہود جو سب سے زیادہ مسلمانوں کے دشمن تھے اُن کی جڑیں قایم تھی۔ اس حالت میں قبائل عرب کو بگڑنے اور مخالفت کرنیکے واسطے ایک بھانہ کی ضرورت تھی۔ اور جو مادہ خلاف اور عداوت یا حُب جاہ و ریاست یا طلب آزادی و مطلق العنانی کا اُن میں مخفی تھا اُسکا ظاہر ہونا ضروری تھا۔ ایسی مخدوش حالت میں کہ اہل عرب میں یہ فاسد مادہ اندر ہی اندر پکتا رہتا۔ مسلمان سرزمین عرب سے باہر قدم نکالتے تو اُنکے لئے چند دقتوں کا سامنا

تھا۔ اوّل تو خود اُن کی جماعت میں ایسی قلت ہوتی کہ کسی قوم کے سامنے اُنکے پیام وسلام کا کچھ بھی اثر نہوتا اور درصورت مقابلہ اُنکو عہدہ برآ ہونے اور اپنی محافظت کی کوئی صورت نہوتی۔ دوسرے اُنکے باہر نکلتے ہی عرب کی اندرونی مخالفت ظہور پذیر ہوتی۔ اور خلیفۂ وقت دارالخلافت اور مسلمانوں کے اہل وعیال سب دشمنوں کے نرغے میں آجاتے۔ اور وہ ایسی بے اطمینانی کیحالت میں کچھ بھی نکر سکتے بلکہ خود اندرونی اور بیرونی دشمنوں میں محصور ہوکر فنا ہوجاتے۔

ارتداد کے قصّے نے ان سب خطروں کا قلع قمع کردیا۔ عرب قبائل نے مخالفت کرکے دل کی ہوس نکال لی اور صحابہ کے ساتھ اختلاط ہونے اور اُنکے احوال کے مشاہدے سے اُنکو محقق ہوگیا کہ دین اسلام حق ہے اُسکا مقابلہ کوئی نہیں کرسکتا اور جنہوں نے مقابلہ کیا وہ فنا ہوگئے۔ سرزمین عرب سارے موجودہ اور متوہم فتنوں سے پاک وصاف ہوگئے اور وہی لوگ جو مخالفت پر آمادہ اور مسلمانوں کی بیخ کنی کو اپنا پہلا فرض سمجھتے تھے۔ اسلام کی حمایت کرنے اور داد شجاعت دینے کے واسطے وطن کو چھوڑ کر لشکر اسلام کے ساتھ ہوئے اور وہ کام کر دکھائے جس سے تاریخ عالم کے صفحات بھرے پڑے ہیں۔ طلیحہ اسدی۔ عمرو بن معدی کرب اور ان جیسے ہزاروں شجاعان اسلام کے نام تاریخوں میں ملینگے۔ یہ وہی لوگ ہیں جو مرتد ہوکر مسلمانوں سے برسرپیکار ہوئے تھے۔ مسلمان ایسے اطمینان سے اشاعت اسلام میں مشغول ہوئے کہ اُنکی طویل غیبت میں ایک ناگوار واقعہ بھی کسی اندرونی مخالفت کا سارے مُلک عرب میں پیش نہ آیا۔

ارتداد کی اس حکمت بالغہ کو سمجھ لینے کے بعد ہر شخص بجائے اسکے کہ اسمیں کچھ شبہ یا خلجان پیدا کرے یہ سمجھ لیگا کہ اس واقعہ کا پیش آنا سراسر مصلحت اور اشاعت اسلام کیلئے ضروری امر تھا۔

صحابہ کا اشاعت وتبلیغ اسلام میں مشغول ہونا۔

فتنہ ارتداد سے فارغ اور مطمئن ہوجانے کے بعد صحابہ تبلیغ اسلام میں مشغول ہوئے۔ اور سرزمین عرب سے باہر قدم نکالکر بہت تھوڑے عرصہ میں اسلام کی برکات سے دنیا کو بھردیا۔ اسمیں شک نہیں کہ اسلام ایک سچّا اور صاف مذہب تھا اسکی ذاتی خوبیاں۔ پُرزور تاثیر۔ قوتِ جاذبہ ایسی تھیں جنکی بنا پر جب کوئی شخص صاف دلی سے اُسکی طرف متوجہ ہوتا بغیر متاثر ہوئے اور اُسکی حقانیت کو تسلیم کئے نہ رہتا۔ مگر اسلام کے اسقدر جلد پھیلنے اور اقلیموں کے ساتھ دلوں کو مسخر کرلینے میں زیادہ تر صحابہ کے اوصاف اور محاسن اخلاق کو دخل

تھا۔ صحابہ اسلام کا نمونہ بنکر نکلے تھے۔ اُنھوں نے دنیا کو دکھلا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض صحبت سے اُن میں وہ قوت پیدا ہوگئی ہے جس سے ایک عالم کو اپنا گرویدہ اور اسلام کا سچا فرمانبردار بنا سکتے ہیں۔ اگر اُنکے اندر یہ خوبیاں نہوتیں یا کسی قسم کا نقص ہوتا تو اسلام کی واقعی خوبیاں بھی دل پر اثر نکرتیں۔ اسلام کے سچے عقائد اور پاک تعلیمات کے ساتھ جب صحابہؓ کے حالات کو دیکھا جاتا تھا تو ہر شخص خود بخود اُس کا حلقہ بگوش بنجاتا تھا۔

یہیں سے یہ بات بھی معلوم ہوگئی کہ زبانی تعلیم سے فیض صحبت کی تاثیر قوی اور مستحکم ہوتی ہی یہی وجہ ہے کہ صحابہ ایک گھڑی کے فیض صحبت کی بدولت تمام دنیا اور ہر طبقہ کے مسلمانوں سے افضل و اعلیٰ ہوگئے اور بعد کے مسلمان گو علم و زہد۔ حالات و معاملات میں کسی مرتبہ کو پہنچ جائیں مگر صحابہ کی ہمسری نہیں کرسکتے۔

صحابہ کی کیفیت یہ تھی کہ اُنکے تمام اقوال و افعال احوال و معاملات کو دیکھنے سے اوّل نظر میں معلوم ہوجاتا تھا کہ اُنکو دنیا سے کوئی لگاؤ اور اُسکی نعمتوں سے کسی قسم کا تعلق نہیں ہی اُنکو سوائے رضاء خداوندی و اتباع احکام شریعت کوئی امر مطلوب نہیں۔ صحابہ دنیا کے تمام معاملات کرتے تھے۔ تجارت۔ زراعت۔ صنعت و حرفت میں مشغول تھے۔ تعلقات خانہ داری اور معاشرتِ احباب و اخوان کے حقوق پوری طرح سے ادا کرتے تھے مگر اُنکے قلب میں سوا محبتِ خدا و رسول اور کوئی امر نہ تھا۔ اُنکی یہ حالت تھی کہ دِن میں مثل دوسرے لوگوں کے کاروبار میں مشغول دیکھے جاتے تھے مگر کسی کو دنیا طلبی کا گمان اُن پر نہوتا تھا۔ جنگ اُحد میں رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے تیراندازوں کی جماعت کو ایک معیّن جگہ پر مامور فرما کر ارشاد فرمادیا کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلنا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی کفار مکہ شکست کھا کر بھاگے تو اسلامی لشکر مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوا۔ اس جماعت نے یہ سمجھکر کہ فتح تو ہو ہی چکی اب یہاں کھڑے رہنا کچھ ضروری نہیں ہی۔ جگہ چھوڑ دی اور مال غنیمت میں حصّہ لینے کے واسطے چلے گئے۔ مال غنیمت میں حصّہ لینا شرعاً منع نہ تھا بلکہ اُسکی اجازت تھی مگر اس جماعت پر محض اسوجہ سے کہ بلا اجازت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جگہ چھوڑ دی عتاب ہوا اور یہ آیات نازل ہوئیں مِنكُم مَّن يُرِيدُ الدُّنْيَا وَمِنكُم مَّن يُرِيدُ الْآخِرَةَ (تم میں سے بعض ایسے ہیں جو دنیا کو طلب کرتے ہیں اور بعض ایسے ہیں جو آخرت کو طلب کرتے ہیں۔)

اِس پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ما علمت انّ احدًا من اَصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ یرید الدنیا حتی نزلت الآیۃ (اِس آیت کے نزول سے پہلے مجھے یہ معلوم نہیں تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ میں سے بھی کوئی دنیا کا طالب ہے۔)

یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود بھی دنیا میں تھے۔ ضروریات زندگی کو پورا کرتے تھے۔ اپنے سواء دوسرے صحابہ کو بیع وشراء اور ہر قسم کے دنیوی کاموں میں مشغول اور تمام معاشرتی و تمدنی ضروریات کی تدبیریں کرتے دیکھتے تھے۔ پھر با اینہمہ اُن میں سے کسی کی طرف طلبِ دنیا کا گمان نہونیکی کیا وجہ تھی۔ صرف یہی کہ دل میں سواء اللہ تع اور رسولؐ کے کسی چیز کی محبت نہ تھی۔ اُنکے رگ و ریشہ میں خون کی طرح اطاعت خدا و رسول سرایت کئے ہوئے تھی۔ دنیا کے کاروبار جو کچھ بھی تھے ضروریات زندگی پورا کرنیکی غرض سے تھے یہی وہ بات ہے جو دیندار کو دنیادار سے جُدا کرتی ہے۔ صحابہ باوجود ہر قسم کے کاروبار دنیا میں مشغول اور بے انتہا ثروت و غنا حاصل ہونیکے طالب دنیا کیوں نہ کہلائے اور ایک معمولی حیثیت کا شخص جو پیٹ پالنے کی فکر میں لگا ہوا اور اُسکی تدبیروں میں منہمک ہے مگر اُسکو صحابہؓ کے غنا کا عشر عشیر بھی حاصل نہیں مگر دنیا اور طالب دنیا کے خطاب سے مخاطب کیا جاتا ہے۔ اسی مضمون کو عارف رومؒ نے ادا فرمایا ہے۔ ؎

چیست دنیا از خدا غافل بودن ۔۔۔ نے قماش نقرہ و فرزند و زن

رہی یہ بات کہ اس آیت میں بعض صحابہ کو طالب دنیا فرمایا گیا ہے۔ سو اسمیں کوئی خلجان کی بات نہیں۔ لغزش اور زلہ تو بڑوں سے بھی ہوتی۔ بعض صحابہ کا یہ فعل رائے کی غلطی سے صادر ہوا۔ انھوں نے یہ سمجھ لیا کہ اب یہاں کھڑے رہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہاں کھڑے رہنے کی ضرورت کو محسوس کرنے کے ساتھ مال غنیمت کی طرف متوجہ ہوتے تو بیشک دین کے مقابلہ میں دنیا کو ترجیح دینا ہوتا لیکن فی الواقع ایسا نہ تھا۔ ہاں صورتًا طلب دنیا تھا اسلئے اُنکو اس زلہ پر تنبیہ کیلئے آیت مذکورہ نازل ہوئی۔ خواص کو تھوڑی سی غلطی پر بھی سخت تنبیہ کیجاتی ہے۔

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

انقلابات اُمّت کی اصلاح

متعلق

بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

آپ کے جو احسانات وعنایات اُمت کے حال پر متوجہ و مبذول ہیں اُنکی کمیت وکیفیت پر نظر کرکے یہ حکم یقینی ہے کہ آپکے حقوق اُمت کی گردن پر اسقدر کثیر ہیں کہ قیامت تک اُن سے سبکدوشی قریب بہ محال ہے۔ لیکن باوجود کثرت کے وہ سب حقوق تین کُلّی کے احاطہ میں آئے ہوئے ہیں۔ ایک محبّت۔ دوسرے متابعت۔ تیسرے عظمت۔ اور ہر چند کہ اِن تینوں میں اپنی اصل حقیقت کے اعتبار سے باہم ایسا تعلق اور تلازم ہے کہ ایک کا وجود بغیر دوسرے کے ممکن ہی نہیں۔ لیکن بلا خیالِ معنی اگر صرف صورت کے درجہ کا لحاظ کیاجاوے تو یہ تینوں کہیں کہیں علیحدہ علیحدہ بھی خیال میں آسکتے ہیں اور اسوقت چونکہ اکثر طبیعتیں محض صورت پر قناعت کئے ہوئے ہیں اسلئے اُن امور کا جُدا جُدا موجود ہونا بکثرت واقع ہو رہا ہے۔ اور اس معاملہ میں یہی بڑا جدید انقلاب ہے جس سے سلف صالح مُبرّا تھے چنانچہ اُن حضرات کے تاریخی واقعات کو جو کہ مشہور اور کتب احادیث وسیر میں مذکور ہیں۔ اسوقت کے اکثر مسلمانوں کے معاملات کے ساتھ (جنمیں سے کچھ بطور نمونہ کے ذیل میں بعنوان کوتاہی مرقوم ہوتاہے) موازنہ کرنے سے اس حکم کی صحت بداہۃً معلوم ہوسکتی ہے اور اس مضمون سے ایسی

انقلاب پر تنبیہ اور اسکی اصلاح کی طرف ترغیب توجہ مقصود ہے۔ حاصل اسکا اختصار کے ساتھ یہ ہے کہ جو طبائع زمانہ کے جدید رنگ میں رنگے گئے ہیں۔ اُن میں تو یہ کوتاہی مشاہد ہے کہ وہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صرف اسقدر دلچسپی رکھتے ہیں۔ کہ دوسرے اقوام یا مذاہب سے مقابلہ کی گفتگو کے موقع پر آپکی سوانح عمری میں سے یا آپکے بعض اقوال وافعال کی حکمتوں میں سے (خواہ اُنکی حقیقت تک انکے ذہن کو رسائی ہو یا نہ ہوئی ہو) صرف وہ حصہ جسکو تمدن سے تعلق ہی محض اس غرض سے بیان کر دیتے ہیں کہ آپکی عظمت اور آپکے قانون کی عزت ظاہر ہو جاوے اور اسی کو اسلام کی خدمت اور آپکے ادائے حقوق کے لئے کافی سمجھتے ہیں۔ باقی نہ اتباع کو ضروری سمجھتے ہیں نہ محبت کا کوئی اثر پایا جاتا ہے بلکہ اتباع کو تعصب اور محبت کو وحشت سمجھتے ہیں اور سبب خفی اسکا یہ ہے کہ اس زمانہ میں سب سے بڑا مقصد جاہ وعزت کو قرار دیا گیا ہے جسکے مطلوب ہونیکا ہمکو بھی انکار نہیں۔ مگر کلام اسمیں ہے کہ آیا وہ مطلوب بالعرض ہے یا خود مطلوب بالذات ہے۔ بہر حال چونکہ اسکو کمال بالذات سمجھا جاتا ہے اسلئے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے لاتعد ولاتحصی کمالات حقیقیہ عظیمۃ الشان میں سے اُنکی نظر اسی کا انتخاب کرتی ہے اور دوسرے کمالات کا مثل محبت الٰہی وخشیت وزہد وصبر وتربیت روحانی ومجاہدہ وشغل بحق ودیگر فضائل علمیہ وعملیہ کا کبھی اُنکی زبان پر نام بھی نہیں آتا جسکا خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ گویا آپ خاص اسی غرض کیلئے مبعوث فرمائے گئے تھے کہ ایک جماعت کو قوم بنا کر اُسکو دُنیوی ترقی کے وسائل کی تعلیم فرماویں تاکہ وہ دوسری قوموں پر سابق وفائق رہکر دنیا میں شوکت کے ساتھ زندگی بسر کر سکیں۔

کیا قرآن مجید وحدیث میں گہری نظر کرنیوالا آپ کی تعلیم کا یہ خلاصہ نکال سکتا ہے۔

ان صاحبوں کو اپنی اصلاح کے لئے اسکی سخت ضرورت ہے کہ علماء محققین وعرفاء محققین کی طول صحبت وملازمت کا التزام کریں اور اُنکی خدمت میں کچھ عرصہ تک بالکل سکوت اختیار کر کے رہیں۔ خود اُنکے اقوال متفرقہ وارشادات مختلفہ سے انشاء اللہ تعالیٰ ایک بڑی فہرست خیالات کی درست ہو جاویگی۔ اسکے بعد جو شبہات رہ جاویں اُنکو ادب کے ساتھ اُنکی حضور میں پیش کریں اور توجہ وانصاف کے ساتھ جواب سنیں۔ اُنکو اس زمانۂ سکوت میں جو اصول وقواعد سُننے اور ذہن نشین کرنیکا اتفاق ہوا ہے وہ اصول ان جوابوں کے سمجھنے میں نہایت مُعین ہونگے اور اطمینان وشفائے کُلی میسر

ہوگی اس طریق اصلاح کو جو حکمی مجرب ہے سرسری خیال نہ فرماویں اور نیز حدیث میں کتاب الرقاق و ابواب الزہد کا بار بار مطالعہ فرماویں ۔ یہ کلام تو اُن لوگوں کے مذاق پر تھا جو نئی روشنی کے تابع ہو رہے ہیں ۔
اب باقی دوسرے حضرات کی کیفیت معروض ہے کہ اُن میں سے بعض میں محبت کے ظاہری آثار بھی پائے جاتے ہیں مثلاً حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں اشعار مدحیہ پڑھنا یا شوق سے سُننا اُن سے متاثر ہونا کیفیت طاری ہوجانا ۔ کبھی رو پڑنا کبھی نعرہ لگانا ۔ کثرت سے آپ کے ذکر مبارک کی مجالس منعقد کرنا و مثل ذلک ۔ لیکن اُن میں یہ کوتاہی دیکھی جاتی ہے کہ اسکو کافی سمجھکر حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ احکام کی بجاآوری اور متابعت کے اہتمام کو ضروری نہیں جانتے ۔ اوّل تو خود ان اعمال مذکورہ میں بھی جنکو وہ محبت کے عنوان سے اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے ۔ پھر دیگر اعمال و معاملات میں تو نہ عنوانِ محبت رہتا ہے نہ اعمال محبت ۔ کسی کو نماز کا یا جماعت کا اہتمام نہیں ۔ کسی کو رشوت وظلم سے باک نہیں ۔ کوئی مُسکرات اور حرام لذّات میں مبتلا ہے ۔ کوئی شرکیّات و بدعیّات کو دین سمجھکر کر رہا ہے سبب اسکا بے علمی یا کم علمی ہے یا غلط علمی ۔
اِسکی اصلاح یہ ہے کہ کتب حدیث میں سے ابواب الایمان و ابواب العلم و باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ و ابواب الفتن و ابواب صفۃ جہنم و احوال القیامۃ کو مُدت تک مطالعہ میں رکھیں ۔ اور ان ابواب کے مطالعہ سے علماء متبعین سنت سے محبت اور اُنکی شناخت ہوجاویگی اُسوقت ایسے حضرات کی صحبت اختیار کرنا اس اصلاح اور علاج کی تکمیل اور پختگی ہوگی ۔
اب صرف ایک جماعت اور رہگئی کہ جنکو احکام کی متابعت کا ضروری ہونا پیش نظر ہے اور کم وبیش اُسکا اہتمام بھی ہے مگر کوتاہی اتنی ہے کہ اُن میں کیفیت خشوع[1] اور لین کی نہیں آئی جو غلبۂ محبّت کو لازم ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ ابھی ان میں اتباع کی حلاوت جو کہ محبّت خاصہ کا اثر ہے پیدا نہیں ہوئی ۔
پس انکا طرز عمل بالکل ایسا ہے جیسے کسی نوکر کو اپنے آقا سے صرف ضابطہ کا تعلق ہو کہ خدمات مفوضہ میں تو فرو گذاشت نہیں کرتا مگر وقت پورا کر دینے کے بعد نہ ایک منٹ ٹھرتا ہے نہ کبھی کوئی زائد خدمت کرتا ہے نہ آقا کا کبھی ذکر خیر کرتے ہوئے دیکھا گیا نہ آقا کے اہل وعیال کا ادب و احترام کرتا ہے نہ اپنے خواجہ تاش لوگوں سے کوئی واسطہ سلام کلام کا رکھتا ہے یہ تو خشکی ہی تھی ۔ اس سے بڑھکر یہ کرتا ہے کہ بجز اپنے

---

[1] تواضع اور نرمی ۱۲

سب خواجہ تاشوں کو نافرمان اور حقیر سمجھکر اُن سے لڑتا بھڑتا ہے اور اپنی بجا آوری خدمت پر ہمیشہ ناز اور فخر کرتا ہے اور اسوجہ سے سب سے اوجھتا اور جنکی فہمایش کرنیکا آقا نے نرمی کے ساتھ حکم دیا ہی اُن سے یہ سختی کرتا ہے اور جن کوتاہیوں سے آقا درگذر کر دیتا ہے یہ اُن میں بھی مدعی بنکر کسی کو مارتا ہے کسی کو گالی دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں یہ نوکر آقا کی نظر سے گرجاویگا اور ان بداخلاقیوں کی بدولت جوکہ آقا کی مرضی کے بھی خلاف ہیں اسکی خدمت کا اثر اور ثمرہ بھی نہایت ضعیف ہو جاویگا۔ بعینہ یہی حالت اُن لوگوں کی ہے جو کسی قدر نماز روزہ اور بعض معاملات بھی درست کرکے اپنے کو مقدس اور متبع اور تمام دنیا کو فاسق بدعتی کافر جہنمی سمجھ بیٹھتے ہیں۔ اور خفیف خفیف امور میں اُن سے اوجھتے ہیں اور ہر شخص سے فساد و فتنہ کرتے ہیں۔ اور بعضے انمیں عوام سے گذرکر علماء اور بعض ائمہ اعلام یا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کی شان میں بدگمانی کرکے بدزبانی کرنے لگتے ہیں اسی کو دین کی بڑی حمایت اور خدمت سمجھتے ہیں اور اور جس ذات مقدسہ کے اتباع کا دعویٰ ہے خود آپ کے ساتھ یہ برتاؤ ہے کہ آپکا نام مبارک ادب سے لیتے ہیں نہ کبھی آپکا ذکر مبارک شوق سے کرتے ہیں نہ کبھی ذکر مبارک سُنکر گداختہ ہوتے ہیں نہ درود شریف کا کوئی معمول اُنہوں نے ٹھرایا ہے نہ آپ کے محبوبوں (یعنی علماء و صحابہ و اہل بیت) سے اُن کو کوئی تعلق محبت و احترام کا معلوم ہوتا ہے۔

ان امور میں بعض تو موجب خسران و عصیان ہیں اور بعض سبب حرمان[۱] ہیں۔ کیونکہ اخلاق ظاہرہ و باطنہ کی اصلاح فرائض میں سے ہے جسمیں خلل اندازی عصیان ہے۔ اسی طرح آپکے وارثان علوم سے عظمت و احترام کا تعلق اور آپکی اُمت سے شفقت و رحمت کا تعلق رکھنا بھی واجب ہے جسکا ترک یقینی خسران ہے۔ باقی جو آداب خاصہ و حقوق محض عبادتِ نافلہ کے درجہ میں ہیں اُنکی کمی میں بھی خاص برکات سے محرومی تو ضروری ہے۔

اس کوتاہی کی اصلاح کاملین اہل اللہ کی صحبت اور کتب سیر نبویہ و حقوق مصطفویہ مثل شفاء قاضی عیاض رحمہ اللہ وغیرہ اور کتب اخلاق و سلوک کا مطالعہ اور اُن پر عمل کرنیکا اہتمام ہے۔

ہر اُمتی کو یہ سمجھنا چاہئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہمارے چند تعلقات ہیں۔ ایک[۱] تعلق یہ کہ آپ نبی ہم اُمتی۔ دوسرا[۲] یہ کہ آپ حاکم ہم محکوم۔ تیسرا[۳] تعلق یہ کہ آپ دارین میں محسن

[۱] یعنی بہت بڑے مراتب اور ثواب سے محرومی کا باعث ہیں ۱۲

ہم زیر بارِ احسان۔ چوتھا تعلق یہ ہے کہ آپ محبوب ہم محب اور انہیں سے ہر تعلق جب کسی کے ساتھ ہوتا ہے تو اُسپر خاص خاص حقوق وآداب کا مرتب ہونا معلوم اور مسلّم اور معمول ہی پس جب آپکی ذات بابرکات میں سب تعلقات مجتمع ہوں اور پھر سب اعلیٰ اور اکمل درجہ کے تو آپ کے حقوق بھی ظاہر ہے کہ کسقدر اور کس درجہ کے ہونگے اُن سب کے ادا کرنیکا دل سے اور التزام سے ایسا اہتمام کرنا چاہیئے کہ وہ کثرت عادت اور استحضار اُلفت سے شدہ شدہ طبعی ہوجاویں اور پھر بھی آپکے حقوق کے مقابلہ میں اپنی اس خدمت کو کہ درحقیقت اُسکا نفع اپنی ہی طرف عاید ہے ناتمام سمجھے۔

یہ مختصر مضمون ختم ہوا اور اسکے ختم ہونیکے وقت یاد آیا کہ احقر نے ایک رسالہ **نشر الطیب** متوسط حجم کا سیر نبویّہ میں لکھا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ اس مختصر کی شرح کیلئے کافی اور بقصد اعتقاد وعمل اُسکا مطالعہ میں رکھنا ان سب اصلاحات کیلئے انشاء اللہ تعالیٰ کافل ہوسکتا ہے۔ دُعائے اشاعت[1] فرمائے والسلام۔

کتبہ **اشرف علی** - ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۲۹ھ

---

[1] رسالہ عنقریب چھپنا شروع ہوگا ضخامت چونکہ پندرہ سولہ جز ہوگی لہذا دو چار ماہ سے کم میں تیار نہیں ہوگا تیار ہونے کے بعد فوراً القاسم میں اعلان کردیا جائیگا۔ لہذا ابھی سے استفسار کے خطوط بھیجکر حضرت مولانا مدظلہم کو پریشان نکیا جائے ۱۲ فقیر اصغر حسین معتمد القاسم۔

اَلْاِسْلَامْ

(سلسلہ کیلئے القاسم بابت ماہ ربیع الثانی ملاحظہ ہو)......

ملائکہ اور شیاطین کا لفظ سنکر بعض منکرین کو شاید ہم پر غصہ آجائے اور وہ اس قصور پر کہ ہم نے اُن کے نزدیک چند فرضی چیزوں کا نام لے دیا ہے کہیں ہمارے تمام سابق بیانات کو واقعیت سے دور نہ سمجھ بیٹھیں اسوجہ سے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں لفظوں کی بھی کچھ مختصر تشریح کردیجائے۔

یہ خوب یاد رہے کہ باجماع اہل عقل جسم انسان کی ترکیب چند ایسے مختلف عنصروں سے دیگئی ہے جنمیں سے ایک عنصر کی تاثیر دوسرے سے مخالف اور متضاد ہے مثلاً بدن انسان میں گرمی کے آثار پائے جانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے قوام میں کوئی حصہ آگ کا موجود ہے اور سردی کی کیفیات محسوس ہونے سے جُزو ہوائے کا تیقن ہوتا ہے۔ اور خشکی سے جزو خاکی کا ثبوت اور تری سے جز آبی کا پتہ چلتا ہے گویا کہ مٹی پانی ہوا اور آگ میں سے ہر ایک کا بقدر مناسب حصہ لیکر جسم انسان کا خمیر بنایا گیا ہے۔ اُسکے بعد جب حکماء نے دیکھا کہ جو آدمی پیدا ہوتا ہے اُس میں یہ چاروں اجزاء ضرور ملے ہوئے ہوتے ہیں تو انہوں نے ایسے چار خزانوں کا کھوج لگایا جن میں یہ چاروں چیزیں الگ الگ بافراط موجود ہوں اور جنمیں سے تھوڑا تھوڑا لیکر خدای تعالیٰ نے آدم کے بدن کو ترکیب دیا ہو اس قسم کے چار خزانوں کے نام اُنھوں نے کرۂ ارض۔ کرۂ ہوا۔ کرۂ ماء۔ کرۂ نار تجویز کئے اور اُن میں سے ایک ایک کو حرارت۔ برودت۔ رطوبت۔ یبوست کا منبع اور معدن قرار دیا۔ ٹھیک اسی طرح روح انسان کی ترکیب اور اُس کا امتزاج ایسے دو متضاد اور متعارض اجزاء سے واقع ہوا ہے جسکی بنا پر کبھی انسان نیکی کی طرف مائل ہوتا ہے اور کبھی بدی کی طرف اُسکو رغبت ہوتی ہے کیونکہ جس طرح کسی نے خدائے تعالیٰ کو آدم کا خمیر بناتے نہیں دیکھا بلکہ صرف یہ سمجھکر کہ رطوبت اور یبوست مثلاً دو متضاد اثر ایک ہی چیز سے پیدا نہیں ہوتے یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ یقیناً جسم کی ترکیب آب و خاک وغیرہ سے ہوئی ہے اسی طرح طاعت و معصیت کی طرف میلان جو ایک ہی آدمی سے متفرق اوقات میں مشاہدہ کیا جاتا ہے اسکے بغیر جوڑ نہیں کھاتا کہ روح کی ترکیب بھی دو مختلف قسم کی اشیاء سے مانی جاوے اور جب یہ ہے تو جیسا کہ حصص جسم کیلئے علحدہ علحدہ چار مخزن تسلیم کرلئے گئے تھے ایسے ہی اگر ان دونوں

روحانی جزوں کیواسطے بھی مخلوقات میں دو مخزن مان لئے جاویں تو کیا استبعاد ہے پس خدا کی وہ مخلوق جسمیں ہمیشہ امور خیر اور نیکی ہی کی طرف توجہ پائی جاوے اور اُنکا طبعی اقتضا وطاعت ہی ہو اور اُنکی صرف یہی شان ہو کہ لا یعصون اللہ ما امرھم ویفعلون مایؤمرون اُسی مخلوق کو ہم ملائکہ اور فرشتوں سے تعبیر کرتے ہیں اور اُن کے مقابلہ میں وہ گروہ جسکی طبیعت میں معصیت ہی معصیت رکھی ہو اور طاعت وعبادت سے اُنکا پیمانہ بالکل خالی ہو اور اُن کی حالت محض وکان الشیطان لربہ کفورا ہی سے ادا کیجا سکتی ہو ایسے گروہ کو ہم شیاطین کا لقب دیتے ہیں۔ اس پر بھی اگر ہم سے کوئی مہربان آریہ یہ دریافت کریں کہ گو عقلی دلائل سے ایسی چیزوں کا وجود ثابت ہو سکتا ہے مگر ہمنے اور کسی نے آجتک اُنکو نہیں دیکھا اور رجماً بالغیب ایمان لانیکو ہمارا دل گوارا نہیں کرتا تو ہم اُن حضرات کی خدمت میں باادب گذارش کرینگے کہ آپ نے وہ تین حصہ بذات خود روشن دنیا کے جو ہماری دنیا سے بالکل علحدہ ہیں اور جنکا ذکر یجر وید کے تیسرے منتر میں موجود ہے کب اور کسوقت اور کس جگہہ مشاہدہ کئے ہیں اور اگر کئے ہیں تو کیا آپ دوسرے لوگوں کو اُنکا مشاہدہ کرانے کے لئے طیار ہیں دیکھئے اب آپ خود اُس منتر کا ترجمہ بھاشیہ بھومکا صفحہ میں ملاحظہ فرمائے کہ ”گذشتہ وآیندہ وموجودہ جسقدر کائنات ہے اُس سب کو اُسی پرش کے مہا یعنی عظمت کا نشان سمجھنا چاہئے“ یہاں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ محدود کائنات کو اُسکی عظمت کا نشان بنانے سے اُس کی عظمت محدود ہو جاتی ہے اسکا جواب اسی منتر میں آگے دیتے ہیں کہ ”اُسکی عظمت اس پر محدود نہیں بلکہ اُس سے بھی زیادہ اور غیر محدود ہے پرکرتی سے لیکر زمین تک تمام (لطیف وکثیف) کائنات اُس غیر متناہی قدرت والے ایشور کے ایک پہلو میں قایم ہے اُسی کی ذات پرنور میں امرت (عالم غیر فانی یا موکش کا سکھ) موجود ہے یعنی تین حصہ کائنات عالم لطیف وروشن میں موجود ہے گویا غیر روشن دنیا ایک حصہ ہے اور بذات خود روشن دنیا اُس سے تگنی ہے اور وہ ایشور عین راحت موکش سوروپ حاکم کل معبود کل عین مسرت اور سب کو روشن کرنے والا ہی“۔ اس عبارت کے سُننے کے بعد بھی کیا ہندوستان کی پرجوش سوسائٹی کا کوئی ممبر جن وملک یا بہشت ودوزخ کے وجود سے انکار کر سکے گا۔

نبی کی علامات

منکرین کے شبہات کا حل کرنے میں چونکہ اب ہم اپنے اصلی مقصد سے دور نکل گئے ہیں اسلئے ہمکو اسی طرف پھر عود کرنا چاہئے اور یہ بتلانا چاہئے کہ کسی شخص کو رسول برحق ماننا کن شرائط پر موقوف ہے آیا جو کوئی بھی نبوۃ کا دعویٰ زبان سے کرنے لگے یا جو کوئی بھی دنیا کو چند عجیب وغریب تماشے دکھلاوے یا جو کوئی بھی دو چار ہزار مرید جمع کرے اُسی کو ہم نبی اور پیغمبر مان لیں یا نبوت کیواسطے کوئی خاص معیار ایسا تجویز کیا گیا ہے جسکے ذریعہ سے ماہر طبیبوں کو اشتہاری حکیموں سے جدا کیا جاسکے رہبر اور رہزن کے پہچاننے میں دھوکا نہ لگے اور محافظوں کی جماعت پر لٹیروں کا اشتباہ نہو بلا شبہ غور کرنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جبکہ انبیاء علیہم السلام خدا کے معتمد اور وکیل اور اُس کے راز دار اور اُس کے نائب ہیں تو اُن کی ذات میں ایسے پاکیزہ اوصاف اور حقیقی خوبیاں مجتمع ہونی چاہئیں جو ایک ایسے بڑے باخبر شہنشاہ اعظم کی قربت حاصل کرنے کے لئے درکار ہیں ہم دیکھتے ہیں کہ سلاطین دنیا بھی جن کو کچھ عقل ہو باوجود اس مجازی حکومت کے اپنی مسند قرب پر اُن لوگوں کو نہیں بٹھلاتے جو بے عقل کج خلق پست حوصلہ یا حکومت کے دشمن ہوں چہ جائیکہ خدائے برتر اپنے منصب وزارت کیلئے ایسے لوگوں کا انتخاب کرے جن کی اخلاقی حالت نہایت پست عملی حیثیت نہایت ذلیل اور عقلی قوتیں نہایت کمزور ہوں وہ بجائے ہدایت پھیلانے کے گمراہ کرنے میں زیادہ مشاق ہوں اور لوگوں سے بمقابلہ خدا کی عبادت کرانے کے اپنی پرستش کے زیادہ متمنی ہوں اگر نعوذ باللہ خدائے عزوجل ایسا کرے تو یوں کہو کہ وہ خدا بالکل سفیہ اور جاہل اور بندوں سے عداوت رکھنے والا ہے جسکو اتنی بھی خبر نہیں ہو کہ میں جس شخص سے جو کام لینا چاہتا ہوں وہ اُس کی اہلیت نہیں رکھتا تو اس صورت میں یہ واجب ہوا کہ انبیاء علیہم السلام کے دلوں میں اولاً تو خدا کی محبت اور اخلاص اس درجہ ہو کہ ارادہ معصیت کی گنجایش ہی نہ نکلے دوسرے یہ کہ اخلاق پسندیدہ جو اعمال حسنہ کی جڑ ہیں اُن کے اندر فطرتی طور پر راسخ ہوں تاکہ جو کام بھی وہ کریں قابل اقتدا اور جو فعل بھی اُن سے سرزد ہو باعث ہدایت سمجھا جائے۔ تیسرے یہ کہ فہم و فراست اُن کی تمام انبیوں کے اعتبار سے اعلیٰ درجہ کی ہو کیونکہ کم فہمی فی نفسہ عیب ہونے کے علاوہ اس وجہ سے بھی اُن کے حق میں مضر ہے کہ کلام خداوندی کے اسرار غامضہ کا سمجھنا اور دقیق علل پر مطلع ہونا اور ہر ایک

ذکی وغبی کو احکام الٰہی دلنشین طریقے سے سمجھا دینا بغیر عقل صحیح اور فہم کامل کے ہرگز متصور نہیں۔

یہ ہی تین اصول ہیں جو ایک مدعی نبوت کی صداقت کا ہمکو ایک ایسے زمانہ میں پتہ دیسکتے ہیں جسمیں کسی نبی کے بعثت کا احتمال ہوسکتا ہو باقی معجزات وہ اگرچہ اصل نبوت کے اعتبار سے ضروری نہیں لیکن مدعی نبوت سے انکا صادر ہونا بیشک اُسکی راستبازی کی دلیل ہے۔ کیونکہ اگر ایک شخص مثلاً سلطان روم کے روبرو لوگوں سے یہ کہے کہ میں سلطان کا معتمد اور محبوب ہوں اور اُس کی دلیل یہ بیان کرے کہ دیکھو جس طرح میں کہونگا برابر وہ اُسی کے موافق کرینگے اور جو فرمایش کرونگا اُس کو پورا کرکے دکھلائینگے یہ کہکر سلطان کو کھڑا ہونیکی طرف اشارہ کرے اور وہ کھڑے ہوجائیں پھر اُن سے بیٹھنے کو کہے اور وہ معًا بیٹھ جائیں پھر اسی طرح لگاتار بہت سے کاموں کی خواہش ظاہر کرتا رہے اور وہ بھی ایک ذرہ اُسکا خلاف نہ کریں اور فرض کرو کہ وہ سب کام سلطان کی عادت مستمرہ اور مزاج کے خلاف بھی ہوں تو کیا کسی جاہل اور معاند کو بھی ایسی حالت میں اُس شخص کے دعوے کی تصدیق میں کچھ تردد رہیگا اور کیا کوئی بیوقوف بھی یہ حجت کریگا کہ دعویٰ تو اُسکا محبوب اور معتمد ہونیکا تھا اور اُسکے معتمد ہونے اور سلطان کے کھڑے ہونے میں کوئی مناسبت نہیں اسلئے اُس پر کوئی استدلال نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ سلطان اپنی زبان سے اُسکے معتمد ہونیکا اقرار نہ کرلے۔

ایسے محل سے کہنا چاہیئے کہ تصدیق دعوے دو طرح پر ہوتی ہے ایک حالی اور ایک مقالی تو گو اِس جگہہ زبانی اور قولی تصدیق سلطان کی جانب سے نہیں پائی گئی مگر حالی تصدیق جو اُس سے بھی بڑھکر ہے حاصل ہوگئی۔ یہی حال بعینہٖ انبیا علیہم السلام کے معجزات کا ہوتا ہے کہ وہ اپنی نسبت خدا کا وزیر اور معتمد ہونیکا دعویٰ کرتے ہیں اور خدا ہر وقت اور ہر جگہہ اُنکے دعوے کو سُنتا ہے پھر وہ عادت اللہ کے خلاف بہت سے کاموں کی فرمایش کرتے ہیں تاکہ اُنکے دعوے کی سچائی دنیا پر ظاہر ہوجاوے۔ اور خدائے تعالیٰ برابر اُنکے حسب مدعا فرمایشوں کو پورا فرماتا رہتا ہے۔ تو کیا منجانب اللہ یہ اُنکے دعوے کی حالی تصدیق نہیں ہوئی اور ظاہر ہے کہ جھوٹے آدمی کی تصدیق کرنا خود جھوٹ کی ایک قسم ہے تو اِس سے (اُس مدعی کے کاذب ہونیکی صورت میں) خدائے برتر کا کذب ثابت ہوا (نعوذ باللہ) حالانکہ خدا تعالیٰ کا خالق کذب ہونا تو ضروری لیکن قولاً وعملاً کاذب ہونا محال ہے۔

اب اگر کسی کو یہ وہم گذرے کہ یہ سب تقریر اُسوقت قابل تسلیم ہے جبکہ معجزہ یا خوارق عادات کا وجود

ممکن ہو حالانکہ اُسکا امکان ابھی تک محل تردد میں ہے تو میں کہتا ہوں کہ ہم معجزہ اُسی کو کہتے ہیں جو عقلاً محال نہو لیکن خلاف عادت ہو اور خلاف عادت کے بھی یہ معنی ہیں کہ عام عادت کے خلاف ہو کیونکہ معجزہ بھی ہمارے نزدیک خدا کی خاص عادت ہے جو خاص خاص اوقات میں خاص خاص مصلحتوں سے ظاہر ہوتی ہے اور جیساکہ زید مثلاً ہمیشہ سے قمیص پہننے کا عادی ہو مگر عید کے روز ہمیشہ اچکن پہنا کرے تو گو اچکن پہننے کو یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ زید کی عام عادت کے خلاف ہے مگر ایک حیثیت سے یہ بھی اُسکی عادت میں داخل ہے اسی طرح آگ سے کسی چیز کا جلا دینا اگرچہ خدائے تعالیٰ کی عام عادت ہے لیکن بعض مواقع میں جبکہ کسی نبی کی تصدیق یا اور کوئی مصلحت ملحوظ ہو تو آگ سے وصف احراق کا سلب کر لینا بھی اُسکی عادت ہے کیونکہ یہ ثابت ہو چکا کہ تمام اسباب و مسببات میں جو کچھ تاثیر ہے وہ خدا کے ارادہ سے ہے۔ وہ جب چاہے سبب کے وجود کو مسبب سے اور مسبب کے وجود کو سبب سے علیحدہ کر سکتا ہے تو جب مشاہدہ سے یا نہایت ثقہ راویوں کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جائے کہ ایک شخص نے دعویٰ نبوت کا کیا اور بہت سے معجزات دکھلائے اور تمام عمر میں کسی ایک بات میں بھی اُسکے کہنے کے خلاف نہوا تو بیشک و شبہ ایسے شخص کو نبی سمجھنا چاہئے۔ کیونکہ نبی کاذب کی تصدیق خدائے تعالیٰ قولاً یا عملاً ہرگز نہیں کر سکتا۔ اور وہ اگر ایسا کرے تو دین منجملہ رحمت نہوگا۔ مجھکو افسوس ہے کہ ہمارے زمانہ کے بعض عقلاء کو معجزات کے ممکن الوقوع ہونے سے انکار ہے اور طرفہ تماشا یہ کہ وقوع کی صورت میں وہ اُن کے نزدیک دلیل نبوت بھی نہیں ہو سکتا کیونکہ اُنکو ابتک یہ معلوم نہیں ہوا کہ موسیٰؑ کے نبی ہونے اور لاٹھی کے سانپ بن جانے میں کیا تعلق پایا جاتا ہے جو ایک سے دوسرے پر استدلال ہو سکے (فاعتبروا یا اولی الابصار)۔

میرا قصد تھا کہ اس بحث کو نہایت تفصیل کے ساتھ لکھتا اور ان عقلاء کے خیالات کی پوری جانچ کرتا مگر تنگیٔ وقت سے مجبور ہو کر اس مسئلہ کو بھی دوسرے مسائل کی طرح سے اُسی کتاب موعود کے حوالہ کرتا ہوا خاص سرور کائنات آقائے نامدار محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور ختم رسالت کے متعلق کچھ تھوڑا سا لکھنا چاہتا ہوں۔

حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت

اُس بدیہی معیار رسالت کے مان لینے کے بعد جو میں ابھی عرض کر چکا ہوں حضور سرور عالم صلی اللہ

علیہ وسلم کی رسالت کا ثبوت بالکل آسان ہوجاتا ہے کیونکہ آپ کے بیشمار علمی وعملی کارنامے اسوقت بھی دنیا کی آنکھوں سے اوجھل نہیں ہیں اور نہ تمام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے معجزات ملکر آپکے معجزات کی ہمسری کرسکتے ہیں آپ کے فہم واخلاق کا موافق ومخالف کو اعتراف کرنا پڑا ہے اور چاردانگ عالم میں آپ کی صداقت کا سکہ بیٹھ گیا ہے اور دنیا کے ہر خطہ میں آپ کا آفتاب فیض لمعہ افگن ہے۔

جب ایک غیر متعصب اور عقلمند آدمی آپکے اصول کا انبیاء سابقین کے احوال سے اور آپ کی تعلیم کا اُن کی تعلیم سے اور آپ کی قوت وہمت کا اُن کی قوت وہمت سے مقابلہ کریگا تو یہی اُسکے لئے ضروری ہوگا کہ آپ کی صداقت کا نہیں بلکہ رسالت کا اور رسالت کا نہیں بلکہ ختم رسالت کا زبان دل سے اقرار کرے۔

عرب کی جہالت درشت مزاجی گردن کشی کو کون نہیں جانتا جس قوم میں ایسی جہالت ہو کہ کوئی کتاب اُن کے پاس آسمانی ہو نہ زمینی اور اُن کے اخلاق کا یہ حال کہ قتل وغارت وغیرہ ایک معمولی حرکت ہو عقل وفہم کی یہ کیفیت کہ پتھروں کو اٹھالائے اور پوجنے لگے اور گردن کشی کی یہ صورت کہ کبھی کسی بادشاہ کی اطاعت قبول نہ کریں جفاکشی کی یہ نوبت کہ ایسے مُلک میں شاد وخرم عمر گذار دیں ایسے جاہلوں اور خودسروں کو راہ پر لانا ہی دشوار تھا چہ جائیکہ علم الٰہیات علم معاملات علم عبادات علم اخلاق اور علم سیاست مدن میں رشک حکماء نامدار بنادیا یہانتک کہ دنیا نے اُن کی اور اُنکے شاگردوں کی شاگردی کی۔ ڈاکٹر لیبان کہتا ہے "اس پیغمبر اسلام اس نبی اُمّی کی بھی ایک حیرت انگیز سرگذشت ہے جسکی آواز نے ایک قوم ناہنجار کو جو اسوقت تک کسی ملک گیر کے زیر حکومت نہیں آئی تھی رام کیا اور اُس درجہ پر پہونچایا کہ اُس نے عالم کی بڑی بڑی سلطنتوں کو زیروزبر کردیا اور اسوقت بھی وہی نبی اُمّی اپنی قبر کے اندر سے لاکھوں بندگان خدا کو کلمۂ اسلام پر قایم رکھے ہوئے ہے۔"

اگر انصاف کرو تو آپ کے حسن اخلاق کا اندازہ کرنے کیلئے یہی کافی ہو کہ آپ نہ کہیں کے بادشاہ تھے نہ بادشاہ کے گھرانے میں پیدا ہوئے تھے نہ کچھ زیادہ مال ودولت آپ نے جمع کر رکھا تھا نہ باپ دادا نے کوئی اندوختہ میراث میں چھوڑا تھا نہ آپکے پاس تنخواہ دار فوج تھی نہ اہل وطن آپ کے ہمراہ تھے نہ قبیلہ والوں کو آپ کے مذہب سے ہمدردی تھی ایسی بیکسی اور بےبسی کی حالت میں آپ نے اُن تندخو گنواروں کو ایک ایسی صدائے نامانوس سے مخاطب کیا کہ جس سے بڑھکر اُسوقت ساری دنیا میں کوئی مکروہ آواز

نہ تھی اور نہ ایسے صدا دینے والے سے زیادہ اُن کے نزدیک کوئی شخص اُنکا دشمن اور بدخواہ سمجھا جاسکتا تھا۔
یہ وہی لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کی آواز تھی کہ جس نے دفعتہً تمام عرب میں تہلکہ ڈالدیا جس سے باطل معبودوں کی حکومت میں بھونچال آنا شروع ہوگیا اور جسکی چمک سے اُس کفر و جہالت کی تاریکیوں میں بجلی سی کوند گئی گویا وہ ایک زور شور کی ہوا تھی جسکے چلتے ہی شرک و بُت پرستی کے بادل چھٹ گئے اور آفتاب توحید ابر کے پردہ سے باہر نکل آیا۔ یا ابابیل رحمت تھی جسکی بوچھار نے مخلوق پرستی کے سیاہ ہاتھیوں کے پرخچے اوڑا دئے۔ اور خدا کے گھر کو اُن کی زد سے بچا لیا۔ غرضکہ ایک ایسے بے یار و مددگار نے ایسی سخت قوم کو ایسی ظلمت کے زمانہ میں ایسے اجنبی مضمون کی طرف اوبھارا اور چند عرصہ میں اُن سب کو ایسا مسخر اور گرویدہ بنالیا کہ جہاں آپکا پسینہ گرے وہاں خون گرانے کیلئے طیار ہوگئے گھربار کو ترک کردیا زن و فرزند سے بگاڑلی مال و دولت کو سنگریزوں سے زیادہ حقیر سمجھا اپنے بیگانوں سے آمادۂ جنگ و پیکار ہوگئے کسی کو آپنے مارا کسی کے ہاتھ سے آپ مارے گئے پھر دو چار روز کا ولولہ نہ تھا بلکہ آپ کے بعد بھی اُسی حالت پر استقلال کے ساتھ جمے رہے یہانتک کہ قیصر و کسریٰ کے تخت اولٹ دئے فارس و روم کو تہ و بالا کردیا اور اس پر معاملات میں وہ شایستگی رہی کہ کسی لشکری نے سوائے مقابلہ جہاد کسی کی ایذا رسانی یا ہتک ناموس کو گوارا نہ کیا یہ تسخیر اخلاق تبلائے اس سے پہلے زمانہ میں بھی کسی سے ظاہر ہوئی اس پر بھی اگر کوئی یہی کہے کہ نہیں اسلام بزور شمشیر ہی پھیلا ہے تو فی الواقع اُس سے زیادہ کورچشم اور تنگ دل متعصب کوئی نہیں ہوسکتا۔ کاش کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کو یہ لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھتے اور وہ اپنے اسلام کا واقعہ ان کے سامنے بیان فرماتے یا سلمانؓ فارسی سے جاکر اُن کی داستان سُنتے یا عبداللہؓ بن سلام کی خدمت میں اپنا اعتراض پیش کرتے اور وہ اُنکو اس کا جواب سمجھاتے۔

مگر یہ تو آپ کے اخلاق کی حالت تھی باقی آپکے علم و فہم کا نشان سب سے بڑا یہی ہے کہ آپ بذات خود اُمّی محض جس ملک میں پیدا ہوئے جہاں ہوش سنبھالا بلکہ ساری عمر گذاری علوم سے یکلخت خالی نہ وہاں علوم دینی کا پتہ نہ علوم دنیاوی کا نشان پھر اُسپر ایسا دین ایسا آئین ایسی کتاب لاجواب اور ایسی ہدایات بینات لائے کہ آجتک بڑے بڑے حکماء اور اُسکا جواب نہیں لاسکے بلکہ بڑے بڑے مدعیان عقل و تہذیب نے اُسکی داد دی قرآن جیسا زندہ اور علمی معجزہ کس پیغمبر کو دیا گیا۔ جسکا مقابلہ کیا

باعتبار فصاحت وبلاغت کے اور کیا باعتبار علوم ومضامین کے اور کیا باعتبار تحریف وتبدیل سے محفوظ رہنے کے دنیا کی کوئی کتاب نہیں کر سکتی اور نہ انشاء اللہ کر سکیگی قرآن کے حق میں ہم اس سے زیادہ اور کیا کہہ سکتے ہیں جو خود قرآن تیرہ سو برس سے پکار پکار کہہ رہا ہی یعنی یہ کہ جسمیں ہمت ہو وہ میرا جواب لکھدے مگر آجتک کسی کا حوصلہ نہوا اور نہ ہوگا کہ اسکی ایک چھوٹی سی سورۃ کی بھی نظیر پیش کر سکے۔

اب میں اسکے سوا کیا کہوں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسا کہ اپنی عادات واخلاق میں تمام انبیا علیہم السلام سے فائق تھے ایسے ہی علوم کے بھی سارے مراتب آپ پر تمام کردئے گئے تھے۔کیونکہ انبیائے سابقین میں نہ ایسا اعجاز علمی کسی کو دیا گیا اور نہ انکے اتباع میں کسی نے ان علوم کے دریا بہائے جو اہل اسلام نے بہائے ہیں۔اور جبکہ صفت علم تمام ان صفات کے خاتم ہے جو مربی عالم ہیں تو جسکا اعجاز علمی ہوگا گویا اس پر تمام کمالات علمی کا خاتمہ کردیا جائیگا اور اسی کو ہمارے نزدیک خاتم الانبیاء کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور چونکہ اسکا دین قیامت تک رہیگا اسلئے اسکی کتاب کا بھی تاقیامت باقی رہنا ضروری ٹھریگا۔

باقی قرآن کے سوا آپ کے جو اور علمی اور عملی معجزات ہیں ان کے بیان کی اسوقت بالکل گنجایش نہیں رہی اور نہ میں قلت وقت کیوجہ سے توریت وانجیل وغیرہ کی بشارات آپ کی نبوت کے متعلق نقل کر سکا جس کسی کو شوق ہو اوّل مضمون کے واسطے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی حجۃ الاسلام اور دوسرے کیلئے علامہ ابن القیم کی ہدایۃ الحیاری کا مطالعہ کرے ہاں البتہ اس اخیر موقع پر اتنا اور ضروری ہے کہ آپ کے بعد جو علوم وفنون دنیا میں مسلمانوں کے ذریعہ سے پھیلے اور تمدن کے شعبوں کو ترقی ہوئی اسکا بھی قدرے اندازہ غیروں کی زبان سے ہم سامعین کو کرادیں تاکہ جو لوگ مسلمانوں کو علم اور تمدن کا دشمن بتاتے ہیں اور پھر اس دشمنی کو انکے مذہبی تعلیمات کا نتیجہ سمجھتے ہیں وہ بھی اپنی کم فہمی اور کوتاہ نظری سے کچھ شرمائیں۔

ترقی علوم وفنون کے متعلق انسائکلوپیڈیا میں لکھا ہے جسکا خلاصہ نقل کرتا ہوں "۱۷۹؁ء خلفاء عباسیہ کے عہد میں علم ادب وفنون حکمت کا ظہور ہوا اور المنصور ۷۵۴؁ء کی ایام حکمرانی سے ہارون رشید ۷۸۶؁ء تک بڑی فیاضی سے اس کی ترتیب ہوئی بہت سے ملکوں سے اہل علم طلب کئے گئے اور بادشاہانہ سخاوت سے ان کی بہت کچھ داد ودہش کیگئی۔اہل یونان وشام ایران قدیم کی عمدہ عمدہ کتابیں عربی میں ترجمہ ہوکر شایع اور مشتہر ہوئیں خلیفہ مامون نے سلطان روم کو ساڑھے بارہ من سونا دینا اور ہمیشہ کیلئے

صلح اس شرط پر منظور کی کہ لیو فیلسوف کو اجازت دیجاوے کہ چند عرصہ کیلئے وہ یہاں آکر ماموں کو فلسفہ وحکمت سکھلاجاوے فلسفہ حاصل کرنے کے لئے ایسی زرخطیر صرف کرنیکی بہت کم مثال ملیگی اس ماموں کے زمانہ میں بغداد۔ بصرہ۔ بخارا۔ اور کوفہ میں بڑے بڑے مدرسوں کی بنا پڑی اور اسکندریہ۔ بغداد اور قاہرہ میں عظیم الشان کتب خانے بنائے گئے اسپین میں مدرسہ اعظم مقام قرطبہ کا بغداد کی علمی شہرت کی ہمسری کرتا تھا اور عموماً دسویں صدی میں جہاں دیکھو وہاں مسلمان ہی علوم کے حافظ اور سکھلانیوالے نظر آتے تھے۔ فرانس اور ممالک فرنگستان کے جوق جوق طالب علم اندلس کو آنے لگے اور ریاضی اور طب عربوں سے سیکھنے لگے اندلس میں چودہ مدرسے اور بڑے بڑے کتب خانے تھے جنمیں سے حاکم کے کتب خانہ میں چھ لاکھ کتابیں جمع ہوئیں یہ کیفیت ترقی علم کی جبکہ اُس زمانے سے ملائی جاوے جو قبل زمانہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم گذرا تو ثابت ہوتا ہے کہ جیسا کہ عرب فتوحات میں سبقت کرتے تھے ایسے ہی ترقی علم میں بھی یہ لوگ تیز رفتار تھے جغرافیہ۔ تاریخ۔ فلسفہ۔ طب۔ طبیعات اور ریاضی میں مسلمانوں نے بڑا ہی کام کیا ہے اور عربی الفاظ جو ابتک علوم حکمیہ میں بولے جاتے ہیں اور بہت سے ستاروں کے نام وغیر ذالک اسبات کی دلیل ہیں کہ یورپ کے اکتساب علوم پر قدیم سے مسلمانوں کو بہت دخل وتصرف ہوا ہے مگر بعد کے زمانہ میں اس سے زیادہ جغرافیہ کا علم بہت کچھ یورپ کو حاصل ہوا ایشیاء اور افریقہ میں جغرافیہ کی بہت اشاعت ہوئی اور علم جغرافیہ میں پورانی عربی کتابیں اور سفر وسیاحت کے رسالے تصنیفات ابوالفداء۔ ادریسی۔ لیو افریقالوس ابن بطوطہ ابن فصلان ابن جبیر البیرونی المنجم اور اُنکی تحریریں ابتک مفید اور گرامی قدر ہیں۔ علم تاریخ بھی محنت سے حاصل کیا گیا اور قدیم عربی مورخ جس کا حال ہمکو ملتا ہے محمد الکلبی ہے جو ۸۱۹ء میں مرگیا مگر اسی زمانہ میں اور کئی ایک مورخ گذرے اور دسویں صدی کے شروع سے تو عرب نے علم تاریخ پر بہت توجہ کی اور جن لوگوں نے تمام جہان کی تاریخ لکھنے کا ارادہ کیا اُن میں اوّل مسعودی طبری۔ ہمزہ صفہانی اور برطبکیوس بطریق اسکندریہ ہیں۔ (مسعودی کی تاریخ کا نام مروج الذہب اور معدن الجواہر ہے) اسکے بعد ابوالفرج اور جارج الماقین (ہر دو عیسائی) اور ابوالفداء وغیرہ ہیں۔ نویری نے جزیرہ سیقلیہ کی تاریخ ایام سلطنت عرب کی لکھی بہت سے ابواب عربی تاریخوں کے جنمیں عیسائیوں کی جنگ مقدس کا بیان ہے فرانسیسی زبان میں ترجمہ ہوئی ہیں اور اندلس میں مسلمانوں کی سلطنت کے حالات ابوالقاسم قرطبی تمیمی وغیرہ نے متعدد کتابوں میں لکھے ہیں

جس کسی کو ان کے حالات دریافت کرنیکا زیادہ شوق ہو تو قطر بیر کی تصنیفات خصوصاً وان ہمیر کی کتابوں پر رجوع کرے۔ عرب کے فلسفہ کو جو یونانی الاصل تھا قرآن سے وہی نسبت ہے جو اوسط زمانہ کی معقولات کو عیسائیوں کے کتب مقدسہ سے تھی یعنی فلسفہ کو دینیات کا خادم سمجھا جاتا تھا عربوں نے ارسطاطالیس کی تصنیفات کو بہت پڑھا اور اسپر انکی بہت شہرت ہوئی اور بالآخر تمام فرنگستان میں عربی زبان سے لاطینی زبان میں ترجمہ کے ذریعہ سے اسکی اشاعت ہوئی گو عرب کو خود ہی عہد عباسیہ میں ترجمہ کے وسیلہ سے حاصل ہوا تھا منطق اور علم مابعد الطبیعۃ پر زیادہ توجہ ہوئی اور مسلمانوں میں اہل فلسفہ یہ لوگ ہوئے ہیں۔ الکندی البصری جو نویں صدی عیسوی میں تھا۔ الفارابی جس نے ۹۵۴ء میں اصول میں کتاب لکھی۔ ابن سینا جس نے منطق اور علم مابعد الطبیعۃ اور طب کو جمع کیا اور علم کیمیا اور تشخیص امراض وشناخت ادویات بنانے میں بڑی ترقی کی ابن یحییٰ جسکی تحقیق کی بڑی شہرت ہوئی۔ الغزالی جس نے کتاب تہافتہ الفلاسفہ تصنیف کی۔ ابوبکر بن طفیل جس نے اپنے حی بن یقظان میں انسانوں کا حیوانوں سے ظہور میں آنیکا مسئلہ بیان کیا اور اسکا شاگرد ابن رشد جو ارسطاطالیس کے مفسر ہونے میں بڑا مشہور اور گرامی قدر تھا ان لوگوں کا اور انکے مسلک کا بیان شموسدرس اور رٹر کی کتابوں میں مفصل ملیگا۔ بہت سے ان عرب فیلسوفوں میں طبیب بھی تھے انکے علم خواص ادویہ میں مہارت کامل حاصل کرنیکو نیولسٹ نے معلومات جغرافیہ سے منسوب کیا ہے علم طب اس حیثیت سے کہ وہ ایک علم ہے عرب ہی کی ایجاد ہے جنکو نہایت قدیم اور وسیع ماخذ یعنی ہندی طبیب شروع ہی سے ملگئے تھے معجون بنانیکی کیمیائی ترکیب عربوں ہی نے ایجاد کی اور دواؤں کے مرکب کرنے اور نسخہ لکھنے کی ایجاد بھی انہیں سے ہوئی اور مدرسہ سلرنو کے ذریعہ سے یہ علم فرنگستان جنوبی میں پھیل گیا دواسازی اور قرابادین کی وجہ سے علم نباتات اور کیمیا کی حاجت پڑی اور تین سو برس تک کثرت سے ان علوم کی تحصیل ہوتی رہی اور جندسابر۔ بغداد۔ اصفہان۔ فیروزآباد۔ بلخ۔ کوفہ۔ بصرہ اسکندریہ۔ قرطبہ وغیرہ میں فلسفہ اور طب کے مدرسے جاری ہوگئے اور طبابت کے ہر صیغہ میں بجز علم تشریح کے بڑی ترقی ہوئی اسکے استثنار کی وجہ یہ ہے کہ قرآن میں اجسام کی تشریح منع کی گئی ہے۔ علم طب میں یہ لوگ بڑے نامی مشہور ہوے۔ ہاروں کلاں۔ ابن سینا جس نے قانون لکھا اور عرصہ تک اس فن میں یہی ایک کتاب درس میں رہی۔ علی بن عباس۔ اسحاق بن سلیمان۔ ابوالقاسم اور روس جس نے طب کی تکمیل کی اور علی بن عیسیٰ وغیرہم۔ ریاضی میں اہل عرب نے بڑی

ترقی کی اور الجبر و المقابلہ کو بڑی ترقی دی بغداد اور قرطبہ کے مدرسوں اور رصد گاہوں میں علم ہیئت کمال شوق سے پڑھا جاتا تھا الحسن نے علم مناظر و مرایا میں تصنیف کی اور نصیر الدین طوسی نے اصول اقلیدس کا ترجمہ کیا۔ جبر بن عقلہ نے بطلیموس کے علم مثلث پر شرح لکھی اور نظام بطلیموسی کی کتاب موتی کو الہادی اور سیومیوس نے عربی میں ترجمہ کیا اور دسویں صدی عیسوی میں البائن نے زمین کے دائرہ عظیمہ کے ارتفاع پر نظر کی اور محمد بن الجبر الثانی نے رفتار شمس کی دریافت کی التیراجیوش نے ثوابت کے بیان میں کتاب لکھی اور ابوالحسن علی نے آلات علم ہیئت میں تصنیف کی"۔ (انتہی کلامہٗ)

یہ حالت جو انسائکلوپیڈیا کے حوالہ سے درج کی گئی مسلمانوں کے علم و فضل کے متعلق تھی اب اُن کے چند تمدنی خصوصیات کو بھی سن لینا چاہیئے۔ فرانس کا مشہور و معروف محقق ڈاکٹر لیبان عربوں کی مُلک گیری کی خصوصیات میں لکھتا ہے "یہ خلفاء راشدین جس خوش تدبیری کو کام میں لائے وہ مافوق اُن کی سپاہ گری اور اُس فن حرب کے تھی جسے اُنہوں نے اس آسانی سے سیکھ لیا تھا۔ شروع ہی سے اُنہیں ایسی اقوام سے کام پڑا جن پر سالہا سال سے مختلف صورتوں میں مختلف حکومتوں نے ظلم کر رکھا تھا اور اس مظلوم رعایا نے نہایت خوشی کے ساتھ ان نئے مُلک گیروں کو قبول کر لیا جنکی حکومت میں اُنہیں بہت زیادہ آسایش تھی مفتوح اقوام کے ساتھ طریقہ کیا ہونا چاہیئے نہایت صاف وصریح طور پر مقرر کر دیا گیا تھا اور خلفائے اسلام نے ملک کی اغراض کے مقابل میں ہرگز بزور شمشیر دین کو پھیلانے میں کوشش نہیں کی بلکہ بعوض اسکے کہ بجبر اپنے دین کی اشاعت کرتے جیساکہ بار بار کہا جاتا ہی وہ صاف طور پر کہہ دیتے تھے کہ اقوام مفتوحہ کے مذاہب اور رسوم و اوضاع کی پوری طرح سے حرمت کیجائیگی اور اس آزادی کے معاوضہ میں وہ اُن سے ایک بہت خفیف سا خراج لیتے تھے جو اُن مطلوبات کے مقابل میں جو اُن اقوام کے پُرانے حکام اُن سے وصول کر لیا کرتے تھے نہایت کم تھا کسی ملک پر فوج کشی کرنے سے پہلے عرب ہمیشہ اُن کے پاس سفیروں کے ذریعہ سے صلح کے شرائط بھیجا کرتے تھے اور یہ شرائط جنکا ذکر المکین نے کیا ہے علی العموم اُسی قسم کے ہوا کرتے تھے جو عمرو نے ۶۳۲ھ میں باشندگان غزہ کے سامنے جو اُسوقت محصور تھا پیش کی تھی اور یہ شرائط مصریوں اور ایرانیوں دونوں سے کی گئی تھیں وہ شرائط ذیل میں لکھے جاتے ہیں " ہمارے حاکم نے ہمیں حکم دیا ہے کہ اگر تم قانون اسلام قبول کرو تو ہم تمہارے ساتھ جنگ کریں پس تم بھی ہم میں ملجاؤ اور ہمارے بھائی بنجاؤ اور ہمارے منافع اور ہمارے منصوبوں میں

شریک ہوجاؤ اسکے بعد ہم تمسے کوئی برائی نہ کرینگے۔ لیکن اگر تم یہ کرنا نہیں چاہتے تو تم ہمیں اپنی زندگی تک ایک سالانہ خراج بالالتزام دیا کرو اسکے بعد تمھارے بدلے ہم تمام اُن لوگوں سے لڑینگے جو تمہیں ستانا چاہیں یا کسی طرح تمھارے دشمن ہوں اور ہم اپنے معاہدہ پر مضبوط رہینگے اگر تمہیں یہ بھی منظور نہیں ہی تو پھر ہم میں اور تم میں بجز تلوار کے کوئی چیز نہیں رہتی اور ہم تم سے اُسوقت تک جنگ کرتے رہینگے جبتک اللہ تعالیٰ کے حکم کو پورا نہ کرلیں۔

بیت المقدس کی فتح کیوقت حضرت عمرؓ کا اخلاق ہمپر ثابت کرتا ہے کہ ملک گیران اسلام مفتوح اقوام کے ساتھ کیسا نرم سلوک کرتے تھے اور یہ سلوک اُس مدارات کے مقابل میں جو صلیبیوں نے اس شہر کے باشندوں سے کئی صدی بعد کی نہایت حیرت انگیز معلوم ہوتا ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس شہر مقدس میں بہت تھوڑے اشخاص کے ساتھ داخل ہوئے اور آپ نے سفر آئینس بطریق سے درخواست کی کہ مقامات مقدسہ کی زیارت میں آپ کے ہمراہ چلے اُسیوقت عمرؓ نے منادی کرادی کہ ذمہ دار ہوں کہ باشندگان شہر کے مال اور اُن کی عبادت گاہوں کی حرمت کیجائیگی اور مسلمان عیسائی گرجوں میں نماز پڑھنے کے مجاز نہونگے۔

جو سلوک عمروؓ نے مصریوں کے ساتھ کیا وہ اس سے کم نہ تھا اس نے باشندگان مصر سے وعدہ کیا کہ اُنہیں پوری مذہب کی آزادی پورا انصاف بلا رورعایت اور جائداد کی ملکیت کے پورے حقوق دئے جائینگے اور اُن ظالمانہ اور غیر محدود مطالبوں کے عوض میں جو شاہنشاہاں یونانی اُن سے وصول کیا کرتے تھے صرف ایک سالانہ جزیہ لیا جائیگا جس کی مقدار فی کس تقریبًا دس روپیہ تھی رعایاء صوبہ جات نے ان شرائط کو اس قدر غنیمت سمجھا کہ وہ فورًا عہد و پیمان میں شریک ہوگئے اور جزیہ کی رقم اُنھوں نے پیشگی ادا کردی عمال اسلام اپنے عہد پر اسدرجہ مستحکم رہے اور اُنھوں نے ان رعایا کے ساتھ جو شاہنشاہ قسطنطنیہ کے عاملوں کے ہاتھ سے انواع و اقسام کے مظالم سہا کرتے تھے اس طرحکا عمدہ برتاؤ کیا کہ سارے ملک نے بکشادہ پیشانی دین اسلام اور زبان عربی کو قبول کرلیا میں باربار کہونگا کہ یہ وہ نتیجہ ہے کہ ہرگز بزور شمشیر حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور عربوں سے پہلے جن اقوام نے مصر پر حکومت کی وہ ہرگز یہ کامیابی نہ حاصل کرسکیں۔

عربوں کی ملک گیری میں ایک خاص بات ہے جو اُنکے بعد کے ملک گیروں میں ہرگز نہیں پائی جاتی

اور اقوام نے بھی مثل بربریوں (جنہوں نے روم کے ملک کو فتح کیا ہے) یا ترکوں وغیرہ کی ملک گیری کی ہے۔ لیکن اُنہوں نے کبھی کوئی تمدن نہیں قایم کیا اور اُن کی ساری ہمت اسی طرف مصروف رہی ہے کہ جہانتک ممکن ہو اقوام مفتوحہ کے مال سے فائدہ اُٹھالیں برخلاف اسکے عربوں نے قلیل زمانہ میں ایک جدید تمدن کی عمارت کھڑی کر دی اور اُنہوں نے ایک گروہ اقوام کو اس جدید تمدن کے ساتھ اپنے مذہب، اور اپنی زبان اختیار کرنے پر آمادہ کیا۔ عربوں کی صحبت کے ساتھ ہی مصر اور ہندوستان کی سی قدیم اقوام نے اُنکا دین اُنکا لباس اُنکا طرز معیشت بلکہ اُنکا طریقہ تعمیر تک اختیار کر لیا عربوں کے بعد بہت سی اقوام نے اُنہیں خطوں پر حکومت کی ہے لیکن پیغمبر اسلام کی تعلیم کا اثر اسوقت تک ان ملکوں میں باقی ہے۔ کل ممالک ایشیا و افریقہ میں مراکش سے لیکر ہندوستان تک جہاں کہیں عرب پہونچے ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اُنکا اثر اُن ملکوں میں ہمیشہ کیلئے قایم ہو گیا ہے بہت سے نئے ملک گیروں نے ان ممالک کو عربوں کے بعد فتح کیا ہے لیکن وہ اُن سے عربوں کا مذہب اور عربوں کی زبان کو ہرگز نہ مٹا سکے"۔ (انتہی کلامہ)

یہ شایستہ تمدن جسکا ذکر محقق موصوف نے کیا چند ہی روز میں دریاے سندھ سے اندلس تک پہونچ گیا اور رفتہ رفتہ ہندوستان میں بھی جو ہزارہا معبودوں کا گھر تھا مسلمانوں کے بابرکت قدم آئے اور اُنہوں نے اس ظلمت کدہ میں توحید کا چراغ روشن کیا اور گویا بت خانہ کے اندر مسجد بنا دی۔

غدر ۱۸۵۷ء کے زلزلہ سے جہاں اور قومی عمارات گرنا شروع ہوئیں یہ مسجد بھی انہدام کے قریب آپہونچی اسپر ایک طرف تو دشمنان اسلام نے اسکی بنیادیں نکال ڈالنے کا ارادہ کر دیا اور دوسری طرف خود مسلمانوں نے اُسکی اینٹوں سے اپنے رہنے کے مکانات تعمیر کرنا چاہے۔ اسی پُرخطر وقت میں ایک مرد اسلام کو خدا تعالیٰ نے بھیجدیا جس نے اُس مسجد کی عمارت کو زمانہ کی دست بُرد سے بچالیا اور پہلے سے بھی زیادہ رفیع الشان اور باعظمت بنانے کی کوشش کی۔ چنانچہ وہ اپنی کوشش میں کامیاب ہوا۔ یہ رفیع المنزلت عمارت **مدرسہ عربی دیوبند** ہے جسکا مفصل تذکرہ آپ میرے سوا اور لوگوں کی رپورٹوں میں پائینگے اور وہ مرد اسلام قدسی صفات حضرت مولانا محمد قاسم قدس سرہٗ ہیں جنہوں نے اس مدرسہ کی بنا ڈالی اور جنکے اسم گرامی پر ہی ہم اپنی اس تحریر کو ختم کر دینا چاہتے ہیں۔ **شعر**

زباں پہ بار خدایا یہ کس کا نام آیا	کہ میری نطق نے بوسے میری زباں کیلئے

شبیر احمد عثمانی معتمد جمعیۃ الانصار

قواعد و ضوابط رسالہ القاسم

۱- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوگا اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲- کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہوگا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑہ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان اور ربیع الثانی کا پرچہ اس مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

۳- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپئے آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۴- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالہ کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شایع ہوتی رہیگی۔

۵- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ وی۔ پی بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کر کے دو روپیہ نو آنے کا وی۔ پی روانہ ہوگا۔

۶- جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نفرمائیں گے یا وی۔ پی کی اجازت ندینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

۷- جو صاحب دو چار ماہ کے بعد خریدار ہوں گے اُن کی خدمت میں بھی شعبان ۱۳۲۸ھ سے کل پرچے بھیجکر اُن کو ابتدا ہی سے خریدار سمجھا جائیگا۔ البتہ جو حضرات خاص طور سے تصریح و تاکید فرمادینگے اُنکو گذشتہ پرچے لینے پر مجبور نہ کیا جائیگا۔

۸- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کیے جائینگے جو اُصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۹- جملہ خط و کتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم بندہ سید صغر حسین عفی عنہ مہتمم المدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ **دیوبند** (ضلع سہارنپور)

(قاسمی پریس دیوبند میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے اہتمام سے چھپا)

رجسٹرڈ نمبر ایل ۵۲۳

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی ۔ مذہبی ۔ اخلاقی ۔ ادبی ۔ تمدنی ۔ تاریخی ۔ ماہوار رسالہ

نمبر ۱۱ — بابت ماہ جمادی الثانیہ ۱۳۲۹ھ — جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمٰن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع دیوبند میں اپنے اہتمام سے چھاپا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت جمادی الثانیہ ۱۳۲۹ھ

جو

مولانا محمود حسن صاحب و مولانا اشرف علی صاحب

اور

دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں

شایع ہوتا ہے

ایسے مقام پر مطبع قایم کرنا جہان پہلے سے کوئی مطبع موجود نہو ابتدا مین بہت کچھ دقتین پیش آتی ہین جن سے تجربہ کار اور اہل معاملہ حضرات خوب واقف ہین۔ تاہم خاص مدرسہ مین مطبع قایم ہو جانیسے امید ہے کہ آیندہ القاسم کی اشاعت باقاعدہ اور وقت پر ہوتی رہیگی اور آخر ماہ رجب تک بارھوان نمبر بھی تیار ہوکر جلد اول کامل ہو جائیگی ؂

بسم اللہ الرحمن الرحیم

امداد مدرسہ عالیہ دیوبند

مدرسہ عالیہ کی عام مقبولیت کا اثر اہل اسلام کے قلوب میں اسقدر راسخ ہی کہ بلا تحریک ظاہری اُس کی امداد کے لئے من حیث لا یحتسب نئی نئی صورتیں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔

القاسم چونکہ مدرسہ عالیہ کے علمی فیوض کی زندہ یادگار ہے اسلئے اُس میں ہمیشہ جدید امدادوں کا تذکرہ وقتاً فوقتاً کیا جائیگا القاسم کی اشاعت کو دسواں مہینہ ہے۔ ماہ شعبان سے اسوقت تک جو جدید اور غیر معمولی امدادیں ہو چکی ہیں اُنکا تذکرہ اس سلسلہ میں کرمناسب سمجھتے ہیں۔

مدرسہ عالیہ کی تائید و امداد میں بحمد اللہ اہل اسلام کے ہر ایک طبقہ نے یکساں حصہ لیا ہے۔ اگر اُسکی فہرست میں غرباء اور متوسط الحال معاونان کی طویل فہرست نظر پڑتی ہے تو والیانِ ملک کے گرانقدر اور بیش بہا امدادیں بھی سرورق پر لکھی ہوئی نظر آتی ہیں۔ علیٰ ہذا طبقۂ رجال نے اگر اُسکی امداد میں بڑھکر حصہ لیا ہے تو طبقۂ اُناث بھی کسی طرح کم نہیں رہا۔

اسوقت ہم جس گرانقدر امداد کا ذکر کرتے ہیں وہ مسماۃ جمال النسا بیگم صاحبہ مرحومہ کا عطیہ ہے۔

مسماۃ جمال النسا بیگم صاحبہ ساکنہ حیدرآباد دکن ایک یوپی الاصل عورت ہیں۔ وہ چار

بہنیں اور دو بھائی تھے جو بتوفیق ایزدی سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ اور مسلمان بھی کیسے مسلمان کہ قدیم الاسلام لوگوں کو بھی اُن پر غبطہ کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جناب مولانا بشیرالدین صاحب دہلوی پنشنر ناظم جمعیۃ حیدرآباد دکن تحریر فرماتے ہیں۔

مسماۃ جمال النساء بیگم صاحبہ زوجہ امیر محمد خانصاحب مرحوم کے والدین یورپین تھے۔ یہ چار بہنیں اور دو بھائی سب مسلمان ہو گئے۔ اور ایسے صالح مومن ہوئے کہ آبائی مسلمانوں کو ان پر رشک کرنا چاہیئے ذلک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

مرحومہ نے وصیت کی کہ میرے کُل متروکہ میں سے اوّل میرے زوج جناب امیر محمد خانصاحب مرحوم کا قرض ادا کر کے جو باقی رہے مدرسہ دیوبند میں بھیجدیا جائے۔ وصیت کے جاری کرنیکے واسطے جناب مولوی سید یوسف الدین صاحب صوبہ دار گلبرگہ اور جناب مولوی بشیرالدین صاحب دہلوی وصی مقرر کئے گئے۔ ہر دو بزرگان مذکور الصدر نے مرحومہ کی اشیاء میں سے جو اشیاء قابل استعمال مدرسہ تھیں انکو مدرسہ میں بھیجدیا اور باقی متروکہ میں سے اُنکے شوہر کا قرض ادا فرما کر مبلغ دو ہزار روپیہ کلدار مدرسہ دیوبند میں بھیجدئے۔ یہ اپنی قسم کا سب سے پہلا عطیہ ہے۔

اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے اور قدیم مسلمان خاندانوں میں اُنکے اقتداء کی توفیق عطا فرماوے کہ اپنی دولت کو علم دین کی تائید میں صرف فرما کر ذخیرہ آخرت فرماویں۔

(۲)

زبدۃ الاصفیاء نخبۃ الاولیاء امام الفقہاء والمحدثین قدوۃ العلماء الکاملین حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہ کے حقیقی ماموں جناب مولانا محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی چھوٹی صاحبزادی نے وفات سے کچھ پہلے حقیت واقع موضع دھانوا علاقہ گنگوہ کو مدرسہ عالیہ کے واسطے وقف فرما کر وقف نامہ رجسٹری کرادیا اور اُسکی تولیت جناب مہتمم صاحب مدرسہ عالیہ کے سُپرد کردی۔ حقیت مذکورہ کی مقدار اور آمدنی کی تفصیل اسوقت تک معلوم نہیں ہوئی مگر بالاجمال اسقدر معلوم ہے کہ بحالت موجودہ کم و بیش سو روپیہ سالانہ آمدنی ہے اللہ تعالیٰ مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور اُنکی نیک نیتی کا ثمرہ دائمًا اُن کو پہنچتا رہے کہ مدرسہ عالیہ سرسبزی و شادابی کے ساتھ قائم رہے اور اُنکی موقوفہ جائداد کی آمدنی ٹھکانے پر صرف ہوتی رہے۔

(باقی آیندہ)

لا ایمان لمن لا امانۃ لہٗ

(سلسلہ کے لئے القاسم ماہ صفر ملاحظہ ہو)

اب مقتضیات طبائع میں اختلاف شدید دیکھکر ہمکو ہرگز پریشان نہونا چاہئے۔ بلکہ ہم پر لازم ہے کہ اوّل عقل خداداد اور غور و انصاف اور قرائن و دلائل اکابر اور تجربہ وغیرہ سے طبیعت سلیم اور مریض میں تمیز کریں کہ کونسی طبیعت صحیح اور کونسی بیمار ہے اُسکے بعد حسب قاعدہ مسلمۂ سابقہ بے تکلف طبیعت سلیمہ کی مقتضا کی تصدیق اور مریضہ کی تکذیب اور تغلیط کریں اور کسی سے نڈریں۔

اور کم سے کم یہ بات تو ہمپر فرض ہے کہ جب تلک ہمکو کسی کی نسبت دلائل سے یہ اطمینان نہوجاے کہ اسکی طبیعت جملہ اُن امراض اور نقصانات سے پاک ہے کہ جنکی وجہ سے طبیعت کی مقتضیات میں خلل اور فساد آسکتا ہے اُسوقت تلک ہم اُس شخص کی رغبت و نفرت کو ہرگز قابل اعتماد نسمجھیں گو وہ اپنے وقت کا افلاطون اور ارسطو ہی کیوں نہو اور اگر ہم ایسا نکریں تو پھر اگر کوئی عاقل ہمکو جاہل کا خطاب دے تو بروے انصاف ہمکو بُرا ماننا نچاہیئے۔

مگر اسی کے ساتھ ہم یہ بھی خیال کرتے ہیں کہ حجت پسند طبائع کیا عجب ہے جو صرف اتنی بات فرماکر ہماری تمام جانفشانی کو خاک میں ملا دینے کو موجود ہوجاویں کہ ہمکو تو اپنی عقل و انصاف سے فلاں منشی یا فلاں مولوی یا فلاں فلاسفر یا فلاں ڈاکٹر یا فلاں مسٹر یا فلاں پنڈت کی طبیعت و فطرت سلیم و صحیح اور قابل اعتماد معلوم ہوتی ہے تو ہرچند اہل عقل و انصاف کے نزدیک یہ کہنا اس سے بھی بدتر ہے کہ کوئی عقل کا دشمن طبیعت کا ہٹی شرم و انصاف کو بغل میں مار کر احول کی نظر اور مریض صفرا کے ذائقہ اور چمار و خاکروب کی قوت شامہ کو قابل اعتماد اور لائق اعتبار قرار دیکر صحیح النظر اور صحیح المزاج اور لطیف الدماغ کے احساس کی تغلیط پر کمربستہ ہوجاے۔

تاہم یہ عرض ہے کہ ایسی جرأت کرنا واقف سلیم الطبع سے تو قیامت تک ممکن نہیں اور ناواقف فاسد الطبع کا اس اہم معاملہ میں کسی درجہ میں اعتبار کرنا اُسی کا کام ہے جو خود

فاسد الطبیعت اور ناقابل اعتبار ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ کام تو اُس شخص کا ہی کہ پہلے خود سلیم الفطرت ہو اور اُسکی طبیعت جملہ امراض اور اُنکے علل واسباب سے محفوظ ہو بلکہ امراض فطرت کے معالجات سے بھی واقف ہو کیف ما اتفق کسی فن خاص کا ماہر یا کوئی رند بازاری اِس منصب اعلیٰ کے لائق کب ہوسکتا ہے شعر

شہپر زاغ و زغن زیبائے صید وقید نیست کایں کرامت درخور شہباز وشاہیں کردہ اند+

اور ہم سے پوچھئے تو وہ حقیقۃ میں کسی کا بھی پیرو نہیں صرف اپنی رغبات فاسدہ اور خیالات بیہودہ کا تابع ہے اور کسی فلاسفر یا مولوی یا جاہل کا نام لے دینا ایسا ہی ہے جیسا ڈوبتا ہوا تنکے کے سہارے کو منظور کرنے پر مجبور رہوتا ہے۔

لیکن ہم اگر اسوقت اُن امراض اور اُنکے معالجات کے متعلق بحث کرتے ہیں تو اوّل تو ہم یہ نہیں بتلا سکتے کہ اپنی مختصر سیدھے مطلب سے کسقدر دور جا پڑینگے اسکے علاوہ جو مطلب ضروری ہمکو یہاں عرض کرنا منظور ہے اُسکے لئے اس تفصیل اور تطویل کی حاجت بھی نہیں۔

ان تمام باتوں کے سوا ہمکو اس موقع پر یہ بتلا دینا بھی بہت ضروری ہے کہ کسی شخص کی صفت امانت اور کمال علم وفطرت میں فایق اور معتبر ہونیکے یہ معنی ہرگز نہیں کہ کار خلافت اور منصب ہدایت جو کہ خاص انسان کو عطا ہوا ہے اُسکی انجام دہی کے لئے اُس شخص کا علم اور امانت وفطرت کافی ہے اور اُسکو کسی تعلیم وتعلم کی حاجت نہیں اگر کسی کی نسبت کوئی ایسا خیال کرے تو ع

بالکل غلط غلط غلط اور کسقدر غلط

تمام اہل عقل کو معلوم ہے کہ کارخانۂ ہدایت اور منصب خلافت کا انجام دینا تو حق جل جلالہ کے اوامر ونواہی یعنی اُسکی مرضیات وغیر مرضیات کے جاننے اور اُسکی موافقت ومتابعت پر موقوف ہے اور اُن سب کا علم بدون کسی کے بتلائے یا تو اُسکو ہوسکتا ہے کہ جسکا علم وعقل نعوذ باللہ حق تعالےٰ کے علم کے برابر ہو اور یہ ایسی بات ہے کہ اسکے قایل کو احمق کہنا بھی ایسا عزت کا خطاب ہے کہ جسکا مستحق وہ قیامت تلک بھی نہیں ہوسکتا اور یا اُس شخص کو اُن امور پر اطلاع ممکن ہے کہ فرض کیجے اُسکا احساس وانکشاف اسقدر قوی ہو کہ مکنونات علم جناب باری تک اُسکی رسائی ہو مگر ہم بالبداہتہ دیکھتے ہیں کہ انسان سرتاپا کثافت کی مافی الضمیر تلک تو ہمارا احساس پہنچنے سے عاجز ہے اگر کسی کا سینہ بلکہ دل بھی چیر کر دیکھیں تو اُسکے مافی الضمیر کا نام ونشان بھی معلوم نہیں ہوسکتا

پھر حق تعالیٰ شانہ لطیف وخبیر وراء الوراء ثم وراء الوراء کی مکنونات علمیہ کی نسبتہ اگر کوئی عقل بیباک ایسی بات زبان سے نکالے تو اُسکی زبان پر اگر دسترس مشکل ہوگی تو اپنے کانوں کے بند کرنے میں تو کسی کو بھی تامل نہو گا۔ جسکا خلاصۃ ہوا کہ خدا تعالیٰ کے بدون بتلائے اور اُسکے بغیر ظاہر فرمائے کسی کو اُسکی مرضیات وغیر مرضیات کا علم ممکن نہیں۔

انصاف تو کیجے کہ اگر انسان کی فطرت سلیمہ اور امانت صحیحہ اسبارہ میں کافی ہوتی تو حکیم علی الاطلاق مثل دیگر فنون وعلوم ضرور اس بار کو بھی ہمارے ذمہ رکھدیتا۔ اس علم خاص کے لئے انبیاء علیہم السلام کے بھیجنے اور پھر بذریعہ وحی اپنی مرضیات وغیر ضیات پر اُنکو اطلاع دینے کی حاجت کیا تھی۔

جب یہ معلوم ہوگیا کہ افضل البشر اور اکمل البشر اور اعلم البشر یعنی انبیاء کرام علیہم الصلوۃ و السلام بھی مرضیات وغیر مرضیات جناب باری عز اسمہ کی جاننے اور دریافت کرنے میں تعلیم خداوندی اور وحی الٰہی کے محتاج ہیں تو اسپر بھی اگر کوئی زید وعمر کی عقل یا اُنکی رغبت ونفرت طبعی کو اس بارہ کافی سمجھے یا علم الٰہی جو بذریعۂ وحی ہم تلک پہنچا ہے اُسکے مقابلہ میں اُسکا اعتبار کرے تو اُسپر فرض ہے کہ جان دیکر بھی اگر کہیں سے تھوڑی عقل وامانت مل سکے تو ہرگز تامل نکرے اور بدقسمتی سے اگر عقل وامانت اس طرح پر بھی میسر نہو تو پھر ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایسی فضول جان کو کیا کریں ہاں ایک مردہ زندہ دل کی یہ دعا ضرور یاد آتی ہے شعر

خونش بہ تیغ حسرت یا رب حلال بادا — صیدی کہ از کمندت آزاد رفتہ باشد

الحاصل جب یہ امر معلوم ہو چکا کہ صفت امانت اور سلامتی فطرت کی خراب کرنے والے امراض اور اُنکے علل واسباب کے بیان میں کچھ طول بھی ہے اور ہمارے مدعی کی تحقیق میں اُنکی حاجت بھی نہیں اور ادھر صرف فطرت سلیمہ اور امانت صحیحہ سے بغیر اتباع وحی الٰہی ہمارا کام بھی نہیں چل سکتا تو ان وجوہ سے اُنکی تفصیل سے قلم کو روک کر بالاجمال اتنا عرض کئے دیتے ہیں کہ فطرت سلیمہ انسانی کو جسقدر امور فاسد وبیمار ومسخ کر دینے والے ہیں اُن سب کے اصول کل تین ہیں۔ اوّل نقصان وخرابی علم ومعرفت۔ دوسرے خواہشات طبعی ونفسانی کی مشغولی اور اُن میں انہماک۔ تیسرے پابندی رسوم یعنی تحصیل کمال وعزت وجاہ واوضاع واحوال میں طالبان دنیا کی موافقت کو پسند کرنا اور اُنکی متابعت کو عقل ونقل پر ترجیح دینا۔

اور ان امراض کی تفصیل اور اُنکے معالجات کو اہل علم وفہم کے حوالہ کرکے وہ بات عرض کئے

دیتے ہیں جس سے بسہولت یہ بات معلوم ہوجائے کہ کونسی فطرت و امانت کو صحیح و سالم قابل اعتبار کہنا چاہیئے اور کسکو بیمار ناقص اور بیہودہ سمجھنا چاہیئے مگر توضیح مطلب سے پہلے ایک قاعدہ بدیہی جسکی تسلیم میں کسی عاقل کو تامل نہیں ہوسکتا عرض کردینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

وہ یہ ہے کہ خالق کائنات حکیم علی الاطلاق نے جسقدر کمالات ظاہری و باطنی انسان اشرف المخلوقات کو عطا فرمائے ہیں اُن میں ہر ایک کمال سے کوئی نفع خاص مقصود ہے کہ جسکی وجہ سے وہ کمال آدمی کو عطا ہوا ہے اور ہر کمال کے ساتھ حق سبحانہ نے اپنی حکمت و قدرت سے ایسی قیود اور حدود بھی ضرور لگا دی ہیں کہ ہر کمال اپنی تحصیل غرض میں اُن قیود کا محتاج اور اُن حدود کا پابند ہے کوئی کمال انسانی اپنے احاطہ مقررہ سے باہر قدم نہیں رکھ سکتا اگر رکھیگا تو وہ کمال مبدل بہ نقصان اور باطل اور غیر مفید ہوجائیگا اور جسقدر فائدہ مند تھا اُسی قدر ضرر رساں سمجھا جائیگا۔ اسلئے ہر کمال سے نفع اُٹھانیکے لئے اُن قیود و حدود کا پورا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے۔

مثلاً آنکھ جو عطا ہوئی ہے ہرچند اُسکو ہمارے جمال میں بھی پورا دخل ہے مگر سب جانتے ہیں کہ غرض اصلی آنکھ سے مبصرات کا دیکھنا اور بھلے بُرے کی تمیز ہے اور اسی کے ساتھ آنکھ سے دیکھنے کے لئے متعدد شرائط اور قیود بھی ہیں جنکے بدوں آنکھ اپنا کام کرنے سے عاجز و مجبور ہے اگر اپنے اُس احاطہ سے کہ جو قدرت و حکمت الٰہی نے اُسکے واسطے مقرر فرمایا ہے ایک قدم بھی باہر رکھینگے تو آنکھ کا وجود اُسکے عدم سے زیادہ مفید نہوگا۔

دیکھئے آنکھ اُسی چیز کو دیکھ سکتی ہے جو موجود بھی ہو اور مثل اجسام محسوسہ و اشکال و الوان مختلفہ وہ چیز کثیف بھی ہو ہوا اور نار کی طرح لطیف نہو اور وہ چیز آنکھ کے سامنے ایک خاص دوری پر بھی ہو آنکھ کے متصل یا بہت بعید نہو اور وہاں روشنی بھی ہو۔

تو اب کسی شخص کو اختلال دماغ و حواس کی حالت میں اگر وہ چیزیں نظر آنے لگیں جنکا وجود ہی نہیں تو اُسپر سب خلل دماغ کا حکم لگائینگے اُسکی رویت کو ہرگز معتبر نہ سمجھیں گے یا کوئی یہ دعویٰ کرے کہ مجھکو ہوا بھی نظر آتی ہے یا میں ہندوستان میں بیٹھے ہوئے تمام یورپ کی سیر کرلیتا ہوں تو کوئی عقل کا اندھا بھی یہ نکہیگا کہ اسکی نظر بہت تیز اور قوی ہے کہ اسقدر اشیاء لطیفہ اور بعیدہ کو دیکھ رہا ہے بلکہ ہر کوئی یہی سمجھے گا کہ اسکے دماغ و حواس میں خلل ہے یا دیدہ و دانستہ دروغ بیفروغ حماقت سے بک رہا ہے اسی طرح یہ جملہ حواس کا حال خیال فرمالیجئے۔

جب یہ قاعدہ واضح ہوچکا تو اب سُنئے کہ صفحات گذشتہ میں مذکور ہوچکا ہے کہ انسان افضل الممکنات کو جو اوّل درجہ کا کمال عطا ہوا ہے وہ علم ہے جو انسان کو ہر چیز کی حقیقت اور حکمت کی شناخت اور بالخصوص حق سبحانہ تعالیٰ کی مرضیات اور غیر مرضیات کے دریافت کرنے لئے عطا ہوا ہے اور اس کمال کا افضل الکمالات ہونا ایسا ہی مسلم ہے جیسا انسان کا افضل المخلوقات ہونا قابل قبول ہے۔

اور اس کمال میں صانع حکیم ورحیم نے اسقدر وسعت عطا فرمائی ہے کہ حواس میں کسی کو نصیب نہیں آنکھ کی طرح نہ روشنی کا محتاج ہے اور نہ روبرو ہونے کی ضرورت نہ قرب مکانی کی پابندی نہ اتحاد زمانی کی حاجت۔

دائیں بائیں آگے پیچھے اوپر نیچے قریب بعید حاضر غایب سب طرف اُسکی رسائی یکساں ہے بلکہ معدومات اور ممتنعات تلک اُسکی دسترس نظر آتی ہے۔

وسعت علم کے مقابلہ میں آسمان وزمین کی وسعت بھی ہیچ نظر آتی ہے امور موجودہ اور گذشتہ وآیندہ سب اُسکے جولانگاہ ہیں۔

مگر باوجود اسقدر پھیلاؤ اور وسعت کے جوکسی احساس وادراک کو نصیب نہیں سب کو معلوم ہے کہ علم بھی ایک احاطہ میں مقید ہے اور اُسکی رسائی کے لئے بھی ایک شاہ راہ مقرر ہے جاننے والے خوب جانتے ہیں کہ علم انسانی نہ جملہ معلومات کو دریافت کرسکتا ہے اور نہ یہ کرسکتا ہے کہ جس طریقہ سے چاہے کیف ما اتفق کسی امر کو معلوم کرلیا کرے بلکہ بعض معلومات تو ایسی ہیں کہ علم بشری وہاں تلک پہنچنے ہی میں عاجز اور قاصر ہے اور جن امور تلک اُسکی رسائی ممکن ہے اُنکے دریافت کرنے میں وسائط مخصوصہ اور اسباب مقررہ کا محتاج ہے کہ بدون اُن وسائل کے علم کا حاصل ہونا ممکن نہیں دیکھئے دخان کے ذریعہ سے تو بیشک ہماری عقل کو آگ تلک رسائی ہوسکتی ہی مگر گرد وغبار کے ذریعہ سے آگ کا علم ہرگز علم نہوگا بلکہ جہل مرکب ہوگا الحاصل جن وسائط اور وسائل سے ہم کسی امر کو دریافت کرنا چاہینگے تا وقتیکہ وہ وسائل حقیقۃ میں وسائل اور واقع میں معتبر نہونگے اُن سے جو علم حاصل ہوگا وہ سراسر جہل ہوگا کیونکہ واقع علم کا تابع نہیں ہوتا بلکہ علم واقع کا تابع ہوا کرتا ہے چنانچہ علم کا تابع معلوم ہونا اہل علم میں مشہور اور بدیہی مسئلہ ہے۔

اگر تمام ماہران ہیئت وریاضی اپنے معتبر نقشوں اور گھڑی گھنٹوں کے حساب سے اسبات پر

متفق ہوجائیں کہ آفتاب اسوقت بالکل غروب ہوچکا ہی اور فرض کیجیے آفتاب کا کنارہ کسی قدر باقی ہی تو یہ ہرگز نہو گا کہ اُن ماہران ہیئت اور اُنکے نقشجات و آلات کے اتفاق کے باعث آفتاب واقع میں غروب ہوجائیگا بلکہ واقع میں اُنکا قول غلط اور اُنکا علم سراسر جہل شمار ہوگا۔ اسی طرح پر اگر نفس الامر میں عالم کے لئے کوئی صانع اور خالق ہے یا خالق کائنات کے لئے توحید اور اسکا ایک ہونا ضروری ہے یا یہ صحیح ہے کہ جسقدر امور چھوٹے بڑے ہیں وہ سب اُسکے علم میں مقدر اور مقرر ہوچکے ہیں یا عالم کا حادث ہونا واقعی بات ہے تو پھر اگر تمام مدعیان عقل و علم بھی بالفرض وجود صانع کا انکار کریں یا دو تین خدا کے قایل ہوجائیں یا تقدیر کا انکار کرنے لگیں یا عالم کے قدیم ہونے کے معتقد ہوجائیں تو اس اتفاق سے ہرگز ہرگز یہ نہوگا کہ وجود صانع میں ادنی سا ضعف بھی آسکے یا اُسکی توحید میں خلل آجاوے یا تقدیر کا مسئلہ غلط ہوجاوے یا عالم قدیم بنجائے بلکہ اُن تمام مدعیان عقل کا قول محض غلط سفید جھوٹ اور اُنکا علم سراسر جہل ہوگا یہ نہوگا کہ اُنکے سمجھنے یا کہنے سے جو امر واقعی ہے وہ بدل کر اُنکے علم کے موافق اور اُسکا تابع ہوجائیگا اور یہ بات ایسی بدیہی ہے جسکی تسلیم میں کوئی فہیم متامل نہیں ہوسکتا۔

جب یہ قاعدہ ذہن نشین ہوچکا کہ انسان کے ہر ایک کمال ہر ایک ادراک کے لئے ضرور ہے کہ کوئی امر خاص اور منفعت مخصوص اُس سے مطلوب ہو کہ بہ پابندی قیود معتبرہ و حدود مقررہ وہ غرض اُس کمال سے حاصل کیجا سکے۔

تو اب صفت امانت کہ جسکی صحت و فساد کا قاعدہ معلوم کرنا اس موقع پر ہمکو مقصود ہے اُسکو بھی ہم اگر اس قاعدہ کی عینک لگا کر دیکھتے ہیں تو الحمد للہ کہ کوئی خلجان اور دشواری نظر نہیں آتی بلکہ جیسا تمام حواس ظاہرہ اور عقل و علم کی صحت و سقم میں اس مختصر قاعدہ سے ہم تمیز کرسکتے ہیں اُسی طرح صفت امانت کی صحت و سقم کو بے تکلف قاعدہ مذکورہ کے ذریعہ سے ہم سمجھ سکتے ہیں۔

اوراق گذشتہ میں بالتفصیل گذر چکا ہے کہ جوہر عقل و علم جو انسان کو ہر چیز کی حقیقت شناسی اور مرتبہ دانی کے لئے عطا ہوا تھا اُسکی تائید و تکمیل کے لئے ہمکو قدرت و اختیار عنایت ہوا تھا تاکہ حسب ہدایت علم اپنے قوی و اعضا سے اعمال حسنہ بھی کرسکیں لیکن قوت بہیمیہ جو انسان کی عقل و علم پر غالب آکر اُس قدرت سے بسا اوقات خلاف عقل و علم کام لینے لگتی ہے تو خالق حکیم نے انسان کو اس مضرت سے محفوظ رکھنے کے لئے عقل و علم کو ایک مددگار خاص مرحمت فرمایا کہ قوت بہیمیہ کے تغلب سے ہمکو بچائے اور

ہماری قدرت و اختیار کو عقل و علم کی نافرمانی سے روکے اور اُسی کا نام فطرت اور امانت ہی انتہی

اب اس مضمون مذکورۂ اوراق بالا سے صفت امانت کا حال بخوبی معلوم ہوتا ہے یعنی یہ بھی سمجھ میں آتا ہے کہ صفت امانت سے مقصود اصلی کیا ہے اور یہ بھی واضح ہوتا ہی کہ صفت امانت کی کارپردازی کے لئے کونسا احاطہ محدود ہے۔

دیکھ لیجئے غرض اصلی صفت امانت کی تو یہ ہوئی کہ ہمکو قوت بہیمہ کی مضرت سے بچائے اور بُری باتوں سے روکے اور بھلی باتوں پر چلائے اور اُنکی طرف کھینچے۔

اور حد اور احاطہ کی بابتہ یہ بات تو واضح ہوگئی کہ یہ امر ضروری ہی کہ صفت امانت متابعت علم اور اعانت عقل سے سرمو متجاوز نہو اسکے سوا اگر اور حدود و قیود بھی اُسکے لئے ہوں تو اُن سے ہمکو انکار نہیں ہمکو تو صرف یہ مقصود ہے کہ اگر صفت امانت متابعت عقل و علم سے ذرا بھی متجاوز ہوگی تو وہ امانت صحیحہ نہیں ہو سکتی۔ بلکہ جیسا علم اپنے احاطہ سے نکل کر علم نہیں رہتا ضد علم یعنی جہل ہو جاتا ہے بعینہ اسی طرح امانت اپنی حد سے ادھر اُدھر ہو کر حقیقت میں امانت نہ رہیگی بلکہ ضد امانت ہو جائیگی جسکو حقایق شناس فتنہ کہتے ہیں۔

کیونکہ جیسا امانت کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کو امور حقہ واقعیہ کی طرف راغب بنائے اور غلط اور باطل باتوں سے نفرت دلائے ایسا ہی فتنہ درحقیقت اُس حالت اور کیفیت کا نام ہے جو ہماری نظروں میں سچّی باتوں کو غلط اور غلط باتوں کو سچا کر دکھائے اور مرغوبات اصلیہ کو مکروہ اور مکروہات اصلیہ کو مرغوب بنادے جو سخت مہلک مرض ہے۔ نعوذ باللہ[1] من الفتن ما ظہر منھا وما بطن۔

اب انشاءاللہ ہر ایک عاقل منصف بے سمجھائے سمجھ سکتا ہے کہ فطرت سلیمہ اور امانت صحیحہ کی پوری اور بے تکلف یہ شناخت ہے کہ عقل و علم کی تابع ہو بالخصوص علم وحی کہ جس میں کسی قسم کی غلطی کا امکان بھی نہیں اور اُسکا مطابق واقع یعنی اُسکا علم ہونا قطعی اور یقینی ہے اُسکی پیروی اور موافقت تو امانت صحیحہ کے لئے اور اُسکی مخالفت امانت فاسدہ کے لئے اوّل اور قوی تر شناخت ہے اور جیسا کسی کا علم واقع اور علم و احکام خداوندی کی مخالفت ہو کر علم نہیں

---

[1] ہم خدا تعالیٰ سے ظاہری و باطنی فتنوں سے پناہ مانگتے ہیں۔

ہوسکتا بلکہ جہل مرکب بنجاتا ہے اسی طرح پر وہ فطرت و امانت جو علم اور عقل اور واقع کے خلاف ہو ہرگز امانت ہی نہیں ہوسکتی حقیقت شناس بتامل اُسکو فتنہ کہینگے والفتنۃ اشد من القتل ۔ (اور فتنہ قتل سے بھی بڑھکر ہے)

ہمکو اُمید ہوتی ہے کہ ہماری تمام معروضات کو سمجھکر انشاء اللہ اہل فہم و انصاف کو حدیث شریف مرقومہ عنوان کے سمجھنے میں کوئی اشتباہ خلجان میں نڈالیگا اور ایمان کے لئے وحی کو بمنزلۂ علۃ فاعلہ اور صفت امانت کو بمنزلۂ علت قابلہ تسلیم کرنے میں کسی قسم کا تردد پیش نہ آئیگا اور خوب سمجھ لیگا کہ ایمان کا حاصل ہونا علم وحی اور صفت امانت دونوں پر موقوف ہے جسکو ان دونوں کمالوں سے جتنا حصہ ملیگا اُسی درجہ کا اُسکا ایمان سمجھا جائیگا اور ان ہردو کمال میں سے اگر ایک کمال سے بھی کوئی محروم ہوگا تو پھر حصول ایمان کی توقع این خیال ست و محال ست وجنوں کا مصداق ہے تمام جہان کے کمالات بھی اگر کسی میں تجویز کرلئے جاویں تو ان ہردو کمال میں سے کسی ایک کمال کی بھی مکافات نہیں کرسکتے ۔

عاقل ۔ عالم ۔ حکیم ۔ موجد ۔ علامہ ۔ وحید دہر ۔ مصلح قوم ۔ وسیع الحوصلہ اولوالعزم ۔ دور اندیش ۔ محقق ۔ ماہر وغیرہ وغیرہ جسقدر خطابات چاہئے کسی کو دیئے جایئے مگر مومن ہونیکا استحقاق کسی کو جب ہی نصیب ہوسکتا ہے کہ ہردو کمال مذکورہ بالا سے کافی اور ضروری حصہ حاصل کرلے ۔

بلکہ حسب ارشاد سید المرسلین علیہ الصلوۃ والتسلیم یقال ما اظرفہ وما اجلدہ وما فی قلبہ مثقال ذرۃ من ایمان اوکما قال (یعنی قرب قیامت میں یہ حالت ہوگی کہ بعض لوگوں کی نسبت لوگ کہینگے کہ نہایت ہی عاقل نہایت ہی ظریف نہایت ہی جری آدمی ہے ۔ حالانکہ اُسکے دل میں ذرہ بھر ایمان بھی نہیں ہوگا ۔) بغیر حصول دولت ایمان کوئی کمال اور کوئی خوبی مستحق تحسین اور قابل اعتبار ہی نہیں ہوسکتی یعنی غیر مومن کی سچی تعریف بھی ناپسند ہے ۔

(انشاء اللہ باقی آیندہ)

اصلاح معاملہ بحضرت رسالت صلی اللہ علیہ وسلم

(تتمۂ مضمون سابق مندرجہ القاسم نمبر ۱۰)

یہ تتمہ پہلے مضمون سے الگ کوئی مضمون نہیں ہے بلکہ ایک درجہ میں گویا اُسی کی تفصیل اور شرح ہے مضمون سابق میں زمانہ کا رنگ قبول کرنیوالی طبائع کی نسبت جس کوتاہی کا بیان ہوا ہے اُسکا تتمہ یہ ہے کہ ایسے لوگ درحقیقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے تینوں حقوق میں تقصیر کئے ہوئے ہیں۔ متابعت و محبت کا موجود نہونا تو ظاہر ہے اور پہلے مضمون میں اسکو صراحت سے بیان کر دیا گیا ہے البتہ اُنکے اس عمل سے کہ اُنکی زبان یا قلم سے بعض ایسے مضامین صادر ہوتے ہیں کہ اُن سے آپکی عظمت یا آپکے قانون کی عزّت ظاہر ہوتی ہے) یہ شبہ ہوسکتا ہے کہ شاید وہ آپکا حق عظمت ادا کرتے ہیں۔ لیکن اگر ذرا نظر کو عمیق کیا جاوے تو ثابت ہوجاوے کہ یہ احتمال بھی واقعیت نہیں رکھتا حقیقت یہ ہے کہ آپ کی جس عظمت میں گفتگو ہو رہی ہے وہ عظمت ہے جسکے ساتھ آپ حامل وحی ہونے کی حیثیت سے متصف ہیں اور ان لوگوں کی تحریر و تقریر میں نظر کرنے سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ ان کے قلوب میں آپکی جو عظمت ہے وہ اس حیثیت سے نہیں بلکہ ایک حکیم تمدن ہونے کی حیثیت سے ہے کیونکہ ان دونوں عظمتوں کے آثار کا موجود نہونا ہمارے دعوے کی دلیل ہے چنانچہ اعتقاد عظمت نبوی کے آثار یہ ہیں کہ آپکے احکام سنتے ہی یہ معلوم ہو کہ گویا حق تعالیٰ نے ہم سے خود فرمادیا ہے اور یہ کہ اُس حکم کے قبول کرنے میں حکمت و مصلحت سمجھنے کا ہرگز انتظار نہو بلکہ اگر بادی النظر میں کسی حکمت کے خلاف بھی معلوم ہو تب بھی اُسی خوشی سے قبول کرے جیسا حکمت معلوم ہونیکے وقت کرتا اور نہ بدون حکمت سمجھے ہی اُس حکم کی وقعت میں کچھ کمی ہو بلکہ جس طرح ادنے خدمتگار شاہی حکم سنکر مغلوب و والہ ہوکر دیوانہ وار اُسکی بجا آوری کیلئے دوڑتا ہے اسی طرح اسکی کیفیت ہوجاوے۔ اور یہ کہ اُس حکم کے خلاف کا مستحسن ہونا خیال میں بھی نہ آوے۔ بلکہ اجمالاً یوں سمجھے کہ بس تمام خیر و برکت اور حکمت و مصلحت اور فلاح و صلاح اسی میں منحصر ہے۔ خواہ ہمارا ذہن کوتاہ اسکی تفصیل

تک پہنچے یا نہ پہنچے بقول حضرت عارف گنجوی رحمہ اللہ۔ ؎

زبان تازہ کردن با قرار تو نینگیختن علت از کار تو

اور صرف حکیم تمدن ہونے کے لحاظ سے جو اعتقاد عظمت ہوتا ہے اُسکے آثار یہ ہیں کہ حکم سنکر اُتنا ہی اثر ہو جو ایک مخلوق ذی رائے کی رائے کو سُنکر ہوتا ہے اور یہ کہ اُس کے قبول کرنے میں یا اُسکو بنظر وقعت دیکھنے میں اسکا بھی انتظار ہو کہ اسمیں عقلی (اور عقلی میں بھی دنیوی) مصلحت کیا ہے جب تک مصلحت نہ معلوم ہو اُسمیں سخت تردد و خلجان رہے اور ہرگز اُسپر عمل کرنے میں شرح صدر نہو۔ خود بھی ایک قسم کی تنگی اور جبر و تحکم کا سا اثر رہے اور دوسروں کے سامنے بھی اُسکا دعویٰ کرتے ہوئے ایک گونہ خجلت اور بے وقعتی کی سی کیفیت رہے اور بار بار اُس حکم کی جانب مخالف کی ترجیح کا ہجوم اور اُسکی تمنا کا قلب پر غلبہ رہے اور ہرگز اُسکے صحیح ہونیکا دل کھولکر حکم نہ کرسکے بلکہ اِس فکر میں رہے کہ کسی طرح اس کا شرعی ہونا ثابت نہو اور جب اور کچھ نہو سکے تو بعض تاویلات سے اِس حکم کے شرعی ہونیکا انکار کر دے۔ کبھی اُسکے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونے میں شبہات پیدا کرے بلکہ اُسکو راویوں کی نقل کی غلطی یا اُنکی رائے کی آمیزش کا اثر بتلاوے اور کبھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب ہونیکو تسلیم کرکے خود آپکی نسبت کسی ضرورت و مصلحت وقت کے اتباع کا دعویٰ کرے اور چونکہ وہ مصلحت باقی نہیں رہی لہٰذا اُس حکم کو بھی موجود نہ سمجھے غرض ہزاروں حیلے نکالے مگر اُس حکم کو نہ مانے یا اگر مانے تو اعتقاد سے نہ مانے بلکہ بدنامی سے بچنے کو یا قومی شیرازہ کے منتشر نہونے کی ضرورت سے مانے۔ یا اعتقاد ہی سے مانے مگر نشاط خاطر کے ساتھ نہ مانے بلکہ مذہبی مجبوری سمجھکر مانے (اور یہ اُن میں سب سے زیادہ سلیم و صالح طبائع کا حال ہے) اور یہ وہ مراتب ہیں جو کم و بیش کفر سے سب ملے ہوئے ہیں کوئی صریح کفر ہے کوئی خفی کفر ہے کوئی کُفر بننے کو ہے کما لا یخفی علی المتفطن السلیم۔[۱]

جب دونوں اعتقادوں کے آثار جدا جدا معلوم ہوگئے آگے ہر شخص کو مشاہدہ سے اپنے اندر بھی اور غیر کے اندر بھی ان آثار کا وجود و عدم معلوم ہوسکتا ہے اور اِس سے ہمارے دعوے

---

[۱] چنانچہ سمجھدار سلیم الطبع پر پوشیدہ نہیں۔

سابقہ کا صدق بخوبی واضح ہوجاویگا (اس مضمون کی شرح زیادہ تحقیق کے ساتھ مطلوب ہو تو مضمون عظمت وحی رقمزدہ حضرت مولانا محمود حسن صاحب دامت فیوضہم جو القاسم کے نمونہ میں شائع ہوا ہے ملاحظہ فرمالیا جائے) ہماری اس تقریر کے یہ معنی نہ سمجھے جاوین کہ احکام شرعیہ حکمت سے خالی اور عاری ہیں۔ حاشا وکلّا۔ بلکہ مقصود یہ ہے کہ اُنکا اتباع اور اُنکی خاص عظمت کا اعتقاد فہم حکمت پر موقوف نہونا چاہئے۔ ہاں وہ خود ایک مستقل علم ہے کہ اُسکو اسرار شریعت کا لقب دیا جاتا ہے مگر اُسکے اہل خواص عارفین ہیں عوام الناس کو اُس سے بجائے نفع کے ضرر کا احتمال غالب ہے کئی وجہ سے۔

ایک[۱] اسلئے کہ اُن میں سب تو منصوص ہیں نہیں اجتہادی بکثرت ہیں جن میں احتمال خطا کا بھی ہے سو اگر کبھی اُسکا غیر صحیح ہونا ظاہر ہوگیا اور عامی کے خیال میں اُس حکم کی وہی حکمت یقینی تھی تو اُسکے صحیح نہ ہونے سے اُس حکم کو صحیح سمجھ بیٹھے گا (بخلاف خواص کے کہ وہ اُس کو یقینی علت اور مبنی حکم کا نہ سمجھینگے اسلئے حکم میں اُنکو کبھی کوئی خدشہ نہوگا۔

دوم[۲] اسلئے کہ کبھی کوئی مبنی اور حکمت صحیح معلوم ہوگی لیکن بعض اوقات وہ وجہ اور حکمت اس عامی کی نظر میں باوقعت نہیں ہوگی تو اس حکم کو بھی بے وقعت سمجھنے لگے گا۔

سوم[۳] اسلئے کہ ہر حکمت علت نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اُسکو علت اور اصلی سبب سمجھکر کسی موقع میں اسکے موجود نہونے سے حکم ہی کے غیر موجود ہونیکا حکم لگادیگا۔

چہارم[۴] یہ کہ ہر حکمت مقصود بالذات نہیں ہوتی بعض اوقات عامی اُسکو مقصود بالذات سمجھکر کسی محل و موقع میں حکمت کے حاصل ہوجانے کو کافی سمجھکر تحصیل حکم کی ضرورت نہ سمجھیگا اور ان دونوں صورتوں (سوم و چہارم) میں اجتہاد باطل کا باب وسیع ہوجاویگا مثلاً سفر میں مشقت پر نظر کرکے قصر کا حکم دیا گیا ہے لیکن یہ علت نہیں حتیٰ کہ اگر سفر میں مشقت بھی نہو تب بھی قصر ہے اور اسی طرح وضو مشروع ہوا ہے حکمت نظافت و طہارت سے لیکن اگر طہارت و نظافت حاصل ہو تب بھی وضو سے استغنا نہوگا۔ پنجم یہ کہ عامی مخالف دین کے مناظرہ میں اُسکو بیان کریگا اور اگر وہ یقینی نہیں تو اسمیں مخالف نے اگر خدشہ نکالدیا تو یہ مغلوب ہوجاویگا اور اسمیں اسلام کو اور حق کو صدمہ پہنچیگا۔ مثلاً کسی نے کُتّا پالنے کی ممانعت کی یہ

یہ حکمت بیان کی کہ اسمیں صفت سبعیت کی ہوتی ہے تو اگر کسی نے اُس میں یہ خدشہ پیدا کیا کہ تعلیم کے بعد سبعیت نہیں رہتی پھر کیوں ممنوع ہے تو یہ شخص بزبانِ حال اس حکم کو بے بنیاد کہیگا۔ بخلاف راسخ فی العلم کے کہ وہ بجائے اس حکمت کے یہ کہیگا کہ ہمارے آقائے عظیم الشان کا یہ حکم ہے ہم نہیں جانتے کیا مصلحت ہے تو اس شخص پر کوئی خدشہ ہی نہیں ہو سکتا۔

یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات محکوم الجذبات کی۔ اُسکے بعد اُس مضمون سابق میں اُن لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہی جن میں ظاہراً بعض آثار محبت کے بھی پائے جاتے ہیں اُسمیں یہ بھی مذکور ہے کہ خود ان اعمال مذکورہ میں بھی جنکو عنوان محبت سے وہ اختیار کرتے ہیں بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے اُسکا تتمہ یہ ہے کہ۔

یہ لوگ بھی درحقیقت تینوں حقوق کو ضائع کرتے ہیں متابعت کی نفی تو ظاہر ہے لیکن اگر غور کیا جائے تو انکے قلب میں حقیقی عظمت و محبت بھی نہیں گو زبان سے تعظیم و محبت کا دعوی کرتے ہیں کیونکہ ہم مشاہدہ کرتے ہیں کہ اعتقاد عظمت کیلئے یہ لازم ہے کہ اپنے ارادے اُس معظم و مکرم کے ارادوں کے سامنے فنا ہو جائیں۔ چنانچہ کسی رئیس کے پاس کسی عظیم الشان بااختیار افسر کا حکم ضابطہ کا یا نج کا فوری حاضری کے لئے آوے اور فوری بھی ایسا کہ وہ حاکم دروازے پر ٹھہر کر جلدی طلب کرے تو اُسوقت ہم اُسکی حالت کا اندازہ اُسکی حرکات سے کرتے ہیں کہ اُنمیں اختیاریت کی شان پر اضطراریت کی حالت کو غلبہ ہوتا ہے حتی کہ اکثر امور اُسوقت معمول کے خلاف اُس سے سرزد ہونے لگتے ہیں اور وقار و متانت سب مرتفع ہو جاتا ہے اور یہ سب علامت ہے فناء ارادہ کی اور منشا اسکا وہی اعتقاد عظمت ہے اور فناء ارادہ کیلئے یہ لازم ہے کہ متابعت تعمیل ارشاد میں مبادرت و سبقت ہو۔ جب متابعت نہ ہوئی تو ظاہر ہے کہ حقیقی عظمت بھی دل میں نہوئی اور جس طرح غلبۂ عظمت سے ارادہ فنا ہوتا ہے اسی طرح غلبۂ محبت سے بھی بھی فنائے ارادہ پیدا ہوتا ہے گو دونوں کیفیتیں جدا جدا قسم کی ہیں مگر فنائے ارادہ دونوں کیلئے لازم اعم ہے جیسے حرارت کہ نار کو بھی لازم ہے اور دھوپ کو بھی۔ پس جس طرح حرارت کے نہونے سے دھوپ اور آگ کا معدوم ہونا لازم آتا ہے اسی طرح جب متابعت نہو گی محبت و عظمت دونوں کے معدوم ہونیکا حکم کیا جاویگا۔ اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن المبارک کا ارشاد ہے۔ ؎

لو کان حبك صادقاً لاطعته ان المحب لمن یحب مطیع

البتہ ادنےٰ درجہ کی محبت واعتقادِ عظمت کا انکار نہیں کیا جاتا۔ لیکن شرعاً مطلوب ہے ان دونوں کا غلبہ اور قوت جیسا کہ اس ارشاد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہوتا ہے۔

لا یؤمن احدکم حتی اکون احب الیہ من ولدہ ووالدہ والناس اجمعین[۱]۔

اور ان لوگوں کا دیگر امور شرعیہ میں متابعت نکرنا تو ظاہر ہے چنانچہ مضمون[۲] مذکور میں کچھ اسکی تفصیل بھی ہے لیکن خاص اُن امور میں جنکو وہ عنوان محبت سے اختیار کرتے ہیں اس متابعت کا معدوم ہونا اُس مضمون میں مجملاً بیان کیا گیا ہے کہ اُن میں بھی بسا اوقات حدود شرعیہ کو محفوظ نہیں رکھتے۔ اسکی تفصیل اُن لوگوں کے اِن طریقوں کے دیکھنے سے ہوسکتی ہے مثلاً یہ کہ آپ کی مدائح میں اسقدر غلو اور مبالغہ کرتے ہیں کہ اسمیں دوسرے حضرات انبیاء اور ملائکہ علیہم السلام کی شان میں گستاخی ہوجاتی ہے مثلاً ؎ بر آسمان چہارم مسیح بیمار است ٭ تبسم تو برائے علاج درکار است ٭ اور مثلاً ؎

شب و روز اُن کے صاحبزادوں کا گہوارہ جنبان تھا عجب ڈھب یاد تھا روح الامیں کو بھی خوشامد کا

نصوص قرآنیہ وحدیثیہ میں ان حضرات مقدسین کے تعظیم وادب کا حکم وارد ہے پس ایسے طریقہ میں ترک متابعت نبویہ ہے ٭ اور[۲] یہ کہ بعض اوقات خود حضرت حق جلّ وعلی شانہ کی حضور میں گستاخی ہوجاتی ہے مثلاً ؎ پئے تسکین خاطر صورتِ پیراہنِ یوسف ٭ محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا ٭ اور مثلاً ؎ طوافِ کعبہ مشتاقِ زیارت کو بہانہ ہے ٭ کوئی ڈھب چاہیے آخر رقیبوں کی خوشامد کا ٭ نعوذ باللہ منہ۔ اس کو ترک متابعت کی سب سے بڑی مثال سمجھنے میں کسکو کلام ہوسکتا ہے ٭ اور[۳] یہ کہ بعض اوقات خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں گستاخی ہوجاتی ہے مثلاً اس مصرعہ سے حضور پرنور کو مخاطب بنانا ؎ اے نرگس شہلائے تو آوردہ رسمِ کافری ٭ الٰہی توبہ۔ اسکو ترک متابعت کہکر ترک تعظیم کی دلیل بنانیکی کچھ ضرورت نہیں اسکا ترک تعظیم ہونا خود ظاہر ہے۔ اور[۴] یہ کہ روایات موضوعہ فضائل میں بیان کرتے ہیں

---

[۱] کسی شخص کو ایمان کامل نصیب نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں (یعنی حضور سرور عالم) اُسکے نزدیک اولاد اور ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہوجاؤں۔ [۲] جو جمادی الاولی میں شایع ہوا ہے۔

جسپر حدیث نبویؐ میں سخت وعید وارد ہے۔ ظاہر ہے کہ حدیث کے خلاف کرنا ترک متابعت ہے
اور یہ کہ ان مدائح و فضائل کے بیان میں بہت سے منکرات اعتقادیہ و عملیہ کو منضم کرلیا ہے۔
ایک ممنوع شرعی تو خود ان چیزوں کو ضم کرلینا اور ملالینا ہے۔ پھر اُن ناپسند چیزوں کو مستحسن اور پسندیدہ
سمجھنا اور اُن پر اصرار کرنا دوسری خرابی ہے۔ پھر جو شخص اُن منکرات کی اصلاح کرے اُس سے
عناد و بغض رکھنا یہ تیسری خرابی ہے۔ غرض اُنکے یہ طریقے ہمارے اس دعوی کی پوری دلیل ہیں کہ
اُن میں متابعت نہیں ہے۔ یہ شرح تھی مضمون متعلق حضرات مدعیان محبّت کی۔ اسکے بعد اُس مضمون
سابق کے اخیر میں اُن لوگوں کی کوتاہی کا بیان ہے جو متابعت ظاہری کا اوروں سے زیادہ
اہتمام کرتے ہیں مگر اُن میں تعظیم و ادب اور شوق و محبت کی شان کم ہے۔

اس بیان کی شرح یہ ہے کہ اِن میں غلبۂ ادب اور غلبۂ محبت کی کمی تو ظاہر ہے لیکن نظر غائر
سے دیکھا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ اِن میں متابعت ہی کامل نہیں کیونکہ حضور پرنور صلی اللہ
علیہ وسلم کے ارشادات قولیہ و عادات فعلیہ کو دیکھنے سے بداہتہً بلکہ حِسًّا ثابت ہوتا ہے کہ
یہ طرز خاص خشونت[۵]۔ تقشف تعسیر و تنفیر کا آپ کو سخت ناپسند ہے اور جب یہ امور حضور کو
پسند نہیں اور برخلاف اسکے قرآن و حدیث میں خود حضور کی توقیر و ادب اور محبت میں اپنی جان پر
بھی آپکی ترجیح اور اُمت کے ساتھ تبشیر و تیسیر کے احکام وارد ہیں تو ان میں خلل اندازی کرنا
متابعت کے ساتھ کیسے جمع ہوسکتا ہے اور اس میں مراتب مختلف ہیں۔ بعض تو حدِّ خسران
تک پہنچ گئے ہیں۔ ادب یا محبّت کے حقوق واجبہ اعتقادیہ یا عملیہ کو کھو بیٹھے ہیں مثلاً معتزلہ
جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے جبرئیل علیہ السلام کو اور اسی طرح جمیع انبیا علیہم السلام سے
تمام ملائکہ علیہم السلام کو افضل بتلاتے ہیں جسکا جواب کتب کلامیہ میں مفصل و مدلل مذکور ہے
یہاں صرف جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر مختصر طور پہ سمجھ
لینا چاہیئے۔

اُن لوگوں کو شبہ ہوگیا ہے کہ قرآن مجید سے جبرئیل علیہ السلام کا آپکے	رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت جبرئیل علیہ السلام پر

[۵] خشونت سختی اور کھردراپن۔ تقشف خشکی درپوست ہی پوست ہونا کہ مغز ندارد یعنی زاہد خشک۔ تعسیر تنگی اور
اور دُشواری کرنا۔ تنفیر نفرت دلانا۔ تبشیر خوش خبری دینا۔ تیسیر نرمی اور آسانی کرنا۔

لئے معلّم ہونا منصوص ہی اور ظاہر ہے کہ اُستاد بحیثیت اُستادی شاگرد سے افضل ہوتا ہے۔ اور اگر معلم کے افضل ہونے کو تسلیم نہ کیجے تو جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اُمت سے باعتبار علم کے افضل ہونا ثابت نہو گا حالانکہ آپ اس حیثیت سے بھی بالاتفاق افضل ہیں۔

جواب اس شبہ کا یہ ہے کہ معلم کی دو حیثیتیں ہوتی ہیں۔ ایک محض مبلّغ و سفیر ہوتا ہی جسکے متعلق محض بات کا پہنچا دینا ہے۔ اسمیں معلم کا افضل ہونا ضروری نہیں۔ اگر بادشاہ اپنے وزیر کے پاس کسی خاص قاصد کے ہاتھ کوئی پیام بھیجے تو یہ قاصد وزیر سے افضل نہ ہوجاویگا۔ دوسری حیثیت اُستاد و اتالیق ہونا جسکے متعلق متعلم و شاگرد کی تربیت بھی ہے۔ اسمیں معلم کا افضل ہونا ضروری ہے۔ سو جبرئیل علیہ السلام آپکے معلم بالمعنی الاوّل ہیں نہ بالمعنی الثانی۔ کیونکہ مربی بمعنی ثانی اتالیق و تربیت دہندہ حسب تصریح حدیث علمنی[۵۱] ربی فاحسن تعلیمی و ادبنی ربی فاحسن تادیبی خود حضرت حق جل و علیٰ شانہ بلاواسطہ ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امت کیلئے معلم بمعنی ثانی ہیں۔ پس آپکی اور جبرئیلؑ کی معلمیت میں بڑا فرق ہے۔ پس معتزلہ کی یہ بہت بڑی گمراہی ہی عقیدہ واجبہ میں۔

اور مثلاً میں نے ایک مقام پر بچشم خود دیکھا ہے کہ ایک صاحب نے ایک حدیث ڈھونڈھنے کے لئے موطا امام مالک کا نسخہ الماری میں سے نکالا اور اُسکو کھڑے کھڑے فرش پر زور سے پٹک کر مارا اہل مجلس میں سے ایک شخص نے کہا کہ میاں حدیث کی یہ بے ادبی تو وہ جواب میں فرماتے ہیں۔ میں نے بے ادبی کیا کی ہے اسکی گرد جھاڑی ہے۔ جب قیامت میں انکی گرد جھڑے گی تب حقیقت معلوم ہوگی۔ سو یہ اس خشک دماغی کا اضلال ہے عمل واجب میں اللھم احفظنا ولنعم ما قیل

از خدا جوئیم توفیقِ ادب — بے ادب محروم ماند از فضل رب
بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد — بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد
از ادب پر نور گشت است ایں فلک — از ادب معصوم و پاک آمد ملک
بُد ز گستاخی کسوفِ[۵۲] آفتاب — شد عزازیلے ز جرات ردّ باب

۵۱ مجکو میرے پروردگار نے تعلیم دی پس بہت خوب تعلیم دی۔ اور مجکو میرے پروردگار نے ادب سکھلایا پس خوب ... سکھلایا

۵۲ گستاخی مردم کہ مقتضی شد تخویف او شاناز حکمت کسوف ہمیں تخویف است، کہ در حدیث آمدہ ۱۲ منہ مدظلہ

حدیث میں ایک گستاخ کا قصہ آیا ہے کہ وہ بائیں ہاتھ سے کھاتا تھا۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے کھانے کو فرمایا اُس نے براہ بے ادبی کہا کہ میں دائیں ہاتھ سے کھا نہیں سکتا۔آپنے فرمایا کہ (خدا کرے) تو اُس سے کھا ہی نہ سکے۔بس وہ فوراً شل ہوگیا۔

حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کا آپ کی طرف بیدھڑک ہوکر نہ دیکھنا۔اور ایک بزرگ[1] کا اس سوال کے جواب میں کہ تم بڑے ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کہنا کہ بڑے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہیں مگر عمر میری زیادہ ہے قولی ادب کا کافی نمونہ نہیں۔ایک بزرگ کا اس سننے کے بعد کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کمان ہاتھ میں لی تھی تمام عمر بلا وضو کمان کو مس نکرنا کیا قابل التفات وتقلید نہیں ہے۔

اسی طرح حضرات صحابہ کی عادت تھی کہ جب بیٹھتے ایک دوسرے سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیۂ مبارک وشمائل وطرز عمل پوچھتے۔چنانچہ شمائل ترمذی کی روایتیں اسمیں صریح ہیں۔حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خاص آستانۂ مبارکہ پر سلام پہنچانے کیلئے قاصدوں کی ڈاک کا انتظام کرتے تھے۔جمہور اُمت مدینہ طیبہ کی حاضری کا اہتمام کرتے رہے۔

اکثر سلف درود شریف کی کثرت رکھا کرتے تھے۔خود حدیث میں ہو کہ جس مجلس میں اللہ تعالےٰ کا ذکر اور درود شریف نہ ہو وہ مجلس اہل مجلس کے حق میں موجب حسرت ہے۔اس سے معلوم ہوا کہ گو یہ امور موکد نہوں مگر اُن کی کمی موجب حسرت وحرماں ہے اور جیسے کمی سے حرمان ہوتا ہے اسی طرح انکے اہتمام والتزام سے گوناگوں برکت وفیضان ہوتا ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی پھر دنیا میں دنیوی بھی اور اُخروی بھی۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ کا ایک صحابی کو جبکہ اُنھوں نے کئی بار سوال وجواب کے بعد یہ عرض کیا کہ بس اب میں تمام وظائف کی جگہ درود ہی پڑھا کرونگا یہ ارشاد فرمانا کہ تو پھر تمھارے سب گناہ معاف ہوتے رہینگے۔اور سب فکروں کی کفایت ہوتی رہیگی اسکی کافی دلیل ہو۔اسوقت ایک عجیب الشان عظیم المکان فیضان کی حکایت یاد آتی ہے اُسی پر اپنے مضمون کو ختم کرنا چاہتا ہوں۔جس سے ثابت ہوگا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق بڑھانے سے خود آپکی عنایتیں کیسی مبذول ہوتی ہیں۔

[1] اصلی الفاظ یہ ہیں انت اعلم ام رسول اللہ۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اکبر وانا اسن ۱۲

اس حکایت کو امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ شرف محتم میں سلسلہ وار سند سے لکھا ہے کہ وہ روایت کرتے ہیں[1] شیخ کمال الدینؒ سے اور وہ شیخ شمس الدین جزری سے اور وہ شیخ زین الدین مراغی سے اور وہ شیخ عزالدین احمد فاروقی کے واسطے سے اور وہ اپنے والد شیخ ابو اسحٰق ابراہیم سے اور وہ اپنے باپ شیخ عزالدین عمر سے رحمہم اللہ تعالیٰ کہ میں ۵۵۵ھ ہجری میں حضرت سید احمد رفاعیؒ کے ساتھ سفر حج میں تھا جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے اور روضہ شریف پر حاضر ہوئے تو انھوں نے ان الفاظ سے سلام عرض کیا اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ یَا جَدِّیْ[2] وہاں سے جواب عطا ہوا وَعَلَیْکَ السَّلَامُ یَا وَلَدِیْ[3] کہ اسکو تمام اہل مسجد نے سنا حضرت سید احمد رفاعی پر وجد شدید نے غلبہ کیا اور بڑی دیر تک رویا کئے اور شدت شوق میں عرض کیا یا جداہ ؎

فی حالۃ البعد روحی کنت ارسلہا　　تقبل الارض عنی وھی نائبتی

وھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت　　فامدد یمینک کی تحظی بہا شفتی

یعنی اے نانا جان حالت بعد میں اپنی روح کو حضور میں بھیجدیا کرتا تھا وہ نائب بنکر زمیں بوس ہوجاتی تھی۔ اب جسم کی حاضری کی نوبت آئی ہے سو ذرا اپنا دایاں دست مبارک بڑھا دیجیے تاکہ میرا لب اسکے بوسہ سے مشرف ہوجاوے۔ پس فوراً آپ کا دست مبارک چمک اور مہک کیساتھ قبر شریف سے ظاہر ہوا اور ہزاروں آدمیوں نے زیارت کی اور سید رفاعیؒ نے اسکا بوسہ لیا۔

اور اسکے بعد بلا سند دوسرا قصہ انہی کا لکھا ہے کہ جب سال آیندہ پھر حاضر ہوئے تو نہایت انکسار و مسکنت کے ساتھ عرض کیا ؎

ان قیل زرتم بما رجعتم　　یا اکرم الرسل ما نقول۔

یعنی اگر لوگ ہمسے پوچھیں کہ تم زیارت کرکے آئے تو کیا لیکر آئے تو ہم جواب میں کیا کہیں۔ قبر شریف سے آواز آئی جسکو تمام حاضرین مسجد نے سنا ؎ قولو رجعنا بکل خیر + واجتمع الفروع[4] والاصول + یعنی تم یوں کہنا کہ ہم ہر طرح کی خیر لیکر آئے اور فروع واصول جمع ہوگئے۔

کیا یہ فضائل قابل رشک نہیں۔ سو یہ بھی تو سوچنا چاہیئے کہ بجز کمال اتباع و کمال محبت و

---

[1] یعنی امام جلال الدین نے اسکو شیخ کمال الدین سے سنا ہے ۱۲ [2] اے نانا جان آپ پر سلام ۱۲ [3] تم پر سلام اے میرے بیٹے ۱۲ [4] چونکہ سید رفاعی سادات میں سے ہیں لہذا یہ فرع ہوئے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم اصل ۱۲

کمال اعظام واجلال کے اس دولت کا سبب اور بھی کوئی امر ہو وفی ذلك فلیتنافس المتنافسون ولمثل هذا فلیعمل العاملون یہ معاملات تو براہ راست آپکے ساتھ عمل میں لانیکے ہیں باقی آپ کے اہل تعلق اہل صحبت اہل قرابت اہل ملت (یعنی خواص وعوام اُمت) کے ساتھ بھی ادب ومحبت شفقت ورحمت وخدمت کرنا علی حسب تفاوت مراتبہم یہ سب بھی متمم ہیں آپکے ساتھ معاملہ رکھنے کے جنمیں سے بعض واجب ہیں کہ اُن میں خلل اندازی سے خسران ومعصیت ہوتی ہے اور بعض مستحب ہیں جن سے اعراض کرنا مفلسی اور محرومی کا باعث ہے۔

یہ بیان تھا اُن لوگوں کا جو شوق میں کمی اور ادب میں خلل کرنیوالے ہیں پس محقق وہ ہو کہ سب مراتب حسیہ ومعنویہ واجبہ ومستحبہ کا جامع ہو کما قیل ؎ بر کفے جام شریعت بر کفے سندان عشق ؛ ہر ہوسناکے نداند جام وسندان باختن ؛ ؎ گاہ در دل سازوگہ در دیدہ جا ؛ ہر دو جائے تست یا بدر الدجی ؛ مگر بمقتضائے آیت لا تغلوا فی دینکم وآیت تلك حدود الله فلا تعتدوها یہ سمجھ لینا بھی ضروری ہے کہ انمیں جو لوگ مندوبات (مستحبات) میں کمی کرنیوالے ہیں اُن پر ملامت یا اُنکی تحقیر یا اُن پر تشدد یا اُن سے نفرت رکھنا یہ خود بوجہ تجاوز عن الشرع النبوی کے احداث فی الدین اور موجب ناخوشی سرکار نبوی وعلامت ترک اتباع وخلاف ادب ومنافی تعظیم دربار مصطفوی ہے۔ مسند احمد میں ایک حدیث ابن عباس میں صریح ہو کہ ایک صحابی نوافل کو چھوڑے ہوئے تھے نماز میں بھی روزے میں بھی صدقہ خیرات میں۔ دوسرے صحابی اُن سے نفرت رکھتے تھے حضور پر نور میں یہ مقدمہ پیش ہوا آپنے اُن نفرت کرنیوالے صحابی کے انکار کو ناپسند فرمایا۔ احقر نے اپنے رسالہ حقیقۃ الطریقہ میں یہ حدیث پوری نقل کی ہو ولنعم ما قیل ؎ بزہد وورع کوش وصدق وصفا ؛ ولیکن میفزائے بر مصطفیٰ ؛ البتہ ایسے لوگونکو اگر نرمی وترغیب سے تکمیل مراتب مستحبہ کیطرف متوجہ کیا جاوے عین خیر خواہی ومطلوب فی الدین ہو اور ایک ضروری امر قابل تنبیہ یہ ہو کہ بعض اوقات شوق ومحبت نبویہ کی کمی کا غلط شبہ ہوجاتا ہو اور یہ شبہ توقیر وتوجہ الی الذات کے غلبہ کے محل میں غیر عارف کو ہوجاتا ہو لیکن فی الواقع وہ بھی محبت نبویہ ہی کا ایک لون ہو شرح اسکی رسالہ نشر الطیب میں بضمن حکمت درود شریف کی ہو۔ پس شرح ضروری سب جماعات کی حالت کی ختم ہوئی اور طریق اصلاح سب کا بقدر کافی اصل مضمون میں مذکور ہوچکا ہو جسمیں شرح کی حاجت نہ سمجھی اصل مضمون کو دیکھکر سب اپنی اصلاح کرسکتے ہیں۔ ان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا بالله علیه توکلت والیه انیب۔ وان ربی قریب مجیب۔

کتبہ اشرف علی ۱۵ رجمادی الاولی ۱۳۲۹ھ

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۹ ملاحظہ ہو)

یہ واقعہ اُساری بدر کے واقعہ کے مشابہ ہے۔ بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار قید کرلئے گئے تو اُنکے بارہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورہ فرمایا کہ آیا اُنکو قتل کرنا چاہیئے یا فدیہ یعنی مال لیکر چھوڑ دینا چاہیئے۔ حضرت ابوبکر صدیق اور اکثر صحابہ کی رائے اس جانب تھی کہ فدیہ لیکر چھوڑ دیا جاے اسلئے کہ شاید یہ لوگ جو قید ہوئے ہیں دوسرے وقت خود بخود مسلمان ہوجائیں اور سردست زر فدیہ کے حاصل ہونے سے مسلمانوں کو بمقابلہ کفار کے اپنی حالت درست کرنیکا موقع ملے اور اسلام کو تقویت پہنچے۔

مگر حضرت عمرؓ اس جانب تھے کہ ہمکو انکے بارہ میں نرمی نکرنی چاہیئے ہر شخص اپنے عزیز کو قتل کرے تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ ہم لوگ اسلام پر کسقدر پختہ ہیں ہمکو خدا اور رسول کے مقابلہ میں اپنے عزیزوں کی بھی پرواہ نہیں ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمر کی یہ سخت رائے پسند نہ آئی۔ حضرت ابوبکر صدیق اور دیگر صحابہ کی رائے کے موافق قیدیوں کو فدیہ لیکر چھوڑ دیا گیا۔ اور جن وجوہ پر یہ رائے اختیار کرائیگئی تھی اُسکے عمدہ ثمرات ظاہر ہوئے مگر کلام الٰہی میں ایک خاص حیثیت سے حضرت عمرؓ کی تائید نازل ہوئی اور جس رائے پر عملدرآمد ہوا تھا اُس کی نسبت ارشاد ہوا۔ تریدون عرض الدنیا (تم متاع دنیا کو طلب کرتے ہو)۔

ظاہر ہے کہ فدیہ لینا اور قیدیوں کا رہا کردینا اسلام ہی کے مصالح پر مبنی تھا مال کی طرف رغبت اور میلان ہوا بھی تو صرف اسلام کی تقویت کیلئے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو رہا بھی کیا تو اسلام ہی کی مصلحت سمجھکر دنیا کی طمع اور لالچ کو اسمیں ذرا بھی دخل نہ تھا مگر چونکہ بصورت ظاہری مال کی طرف رغبت تھی اسلئے یہ رائے قابل عتاب ہوگئی اور ایک خاص وجہ سے یہ نرمی جو فی الحقیقت محمود تھی اور اُسپر وہی ثمرات مترتب بھی ہوے جنکی توقع کی گئی تھی بمقابلہ رائے حضرت عمر کے پسند نہ کی گئی۔

الغرض صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اسلام کے سچّے اور مجسم نمونہ بنکر اشاعت اسلام کیلئے اُٹھے۔ صحابہ کے حالات و معاملات اسلام کے پاکیزہ عقائد کیلئے بمنزلہ دلیل کے تھے۔ اسلامی عقائد و احکام سُننے کے بعد جب صحابہ کو دیکھا جاتا تھا تو دعوئے حقانیت اسلام دلائل قویہ ظاہرہ سے ثابت و مستحکم ہوتا جاتا تھا اور ہر شخص اُسکو حق سمجھنے پر مجبور ہوتا تھا قرن صحابہ میں اسلام کی حیرت انگیز ترقی اور سریع اشاعت کا اصلی راز یہی ہے۔ اگرچہ صحابہ کی معرکہ آرائیوں اور شجاعت و تدبیر حرب کے افسانے بھی ایسے ہیں کہ دنیا کی کوئی تاریخ اُسکی نظیر یا اُسکے مشابہ حالات کو پیش نہیں کر سکی۔ مگر ہم اس موقع پر ان حالات کو درج نکرینگے اور نہ فتوحات کے وسیع میدانوں کی سیر کراوینگے بلکہ یہ دکھلاوینگے کہ قومیں کی قومیں اسلام کے دائرہ میں کیوں داخل ہوئیں۔ انکے واسطے وہ کون سے اسباب تھے جنکی وجہ سے برضا و رغبت اسلام قبول کر لینے پر مجبور ہوئے۔

ناظرین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات اور تائید غیبی کے واقعات اس کثرت سے ہیں کہ اُن تمام کا جمع کرنا ایک ایسے مختصر رسالے میں سخت دشوار ہی نہیں بلکہ غیر مناسب بھی ہے۔ مگر تاہم جسقدر چیدہ چیدہ حالات ہم لکھینگے اُن سے ہمارا دعویٰ خوب محقق و مبرہن ہو جاویگا۔

دارین کا فتح ہونا اور سمندر کا خشک ہو جانا

اہل بحرین کے مرتد ہونے اور حضرت علاء بن الحضرمی کا اُنکے مقابلہ کیلئے مامور ہونے اور مسلمانوں کی غیبی تائید کا عجیب واقعہ پہلے مذکور ہو چکا ہے مرتدین کو اس جگہ کامل شکست ہوئی اکثر تو اُن میں کے مقتول ہوئے اور جو بچے کچھ تو دوسری جانب کو بھاگ گئے اور بہت سے خلیج دارین میں پناہ گزیں ہوئے۔ دارین ایک بستی ہے جو سمندر کے کنارہ سے جہاز پر سفر کرنیوالوں کے واسطے ایک رات دن کی مسافت پر واقع ہے وہاں پہلے سے بھی دشمنان اسلام کا اجتماع تھا اور اب شکست خوردہ مرتدین کی جماعت پہنچگئی تو ایک خوفناک قوت کا اجتماع ہو گیا۔ حضرت علاء صورت حال کو دیکھکر متردد و متفکر تھے اگر دارین پر حملہ کرتے ہیں تو یہ اندیشہ ہے کہ دشمن عقب سے آکر اہل بحرین پر حملہ کر دیں اور اگر دارین کو ابھی حال پر چھوڑتے ہیں تو یہ قوت دن بدن ترقی پا کر زیادہ خوفناک ہو جائیگی۔ اسلئے اپنے اوّل تو اُن قبائل کو جو فتنہ ارتداد میں شریک نہوئے تھے لکھا کہ مرتدین اور منہزمین کے راستوں کو روکدیں اُن میں سے

کوئی بحرین کی طرف آنے نپائے اُن لوگوں نے اسکا کامل بندوبست کرکے جواب لکھا اور حضرت علاء کو اس طرف سے اطمینان ہوگیا تو دارین کا قصد فرمایا۔

دارین پر حملہ کرنے کیواسطے جہازوں اور کشتیوں کی ضرورت تھی اور مسلمانوں کے پاس اس قسم کا سامان بالکل نہ تھا۔ مگر حضرت علاء ایسے شخص نہ تھے جنکو سمندر کی ہیبت ناک صورت ڈرا دیتی۔ آپنے لشکر اسلام کو جمع کرکے خطبہ پڑھا اور فرمایا کہ دشمنوں کی جماعتیں اور مفرورین کے گروہ اس خلیج دارین میں جمع ہوگئے ہیں تم لوگ خشک میدان میں خدا تعالیٰ کی تائید اور امداد کو ابھی آنکھوں سے دیکھ چکے ہو۔ تمکو اُسی قسم کی امداد اور تائید کی توقع دریا میں بھی رکھنی چاہیئے تم سب دریا میں داخل ہوجاؤ اور دشمن پر حملہ کرو۔ مسلمانوں نے جواب دیا کہ دہناء[1] میں جو تائید غیبی کا کرشمہ ہم دیکھ چکے ہیں اُسکے بعد ہم کسی چیز سے نہ ڈرینگے۔ اس گفتگو کے بعد حضرت علاء معہ لشکر کے سمندر کے کنارے پر پہنچگئے اور آپ معہ لشکر یہ دعائیہ کلمات پڑھتے ہوئے سمندر میں داخل ہوگئے۔ یا ارحم الراحمین یا کریم یا حلیم۔ یا احد یا صمد یا حیّ یا محی الموتیٰ یا حیّ یا قیوم لا الہ الا انت یا ربنا۔ کوئی اونٹ پر سوار تھا اور کوئی گھوڑے پر۔ کوئی خچر پر کوئی گدھے پر۔ اور بہت سے پیادہ پا تھے۔ سمندر کا پانی خشک ہوکر اسقدر رہگیا کہ اونٹ اور گھوڑے کے صرف پیر بھیگتے تھے۔ اسلامی لشکر ایسے راحت و آرام سے ہولناک دریا کو طے کر رہا تھا گویا بھیگے ہوئے ریتے پر چل رہا ہے (جسپر چلنا نہایت ہی سہل ہوتا ہے)۔

دارین میں کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ مسلمان بغیر جہازوں اور کشتیوں کے اس طرح دریا کو پاپیادہ طے کرکے آپہونچینگے۔ وہ غافل تھے مسلمان وہاں پہنچگئے اور دارین مسخر ہوگیا۔

خدا تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کی دعاء کو قبول فرمایا اور دریا میں اُنکے لئے سہل اور نہایت آرام دہ راستہ بنا دیا۔ ابھی بے آب و گیاہ میدانوں میں غیبی تائید کا خاص کرشمہ دیکھ لیا تھا اُس سے بڑھکر سمندر کو پایاب کرکے دکھلا دیا کہ دین اسلام کے ساتھ تائید الٰہی شامل ہے اُسکی اشاعت نہ ظاہری تدابیر پر موقوف ہے نہ کسی قسم کے جبر و اکراہ کو اُسمیں دخل ہے۔ یہ وہ باتیں ہیں جنکو کیسا ہی سنگدل اور حق سے منحرف شخص بھی جب دیکھے گا ناممکن ہے کہ اسلام کی

[1] دہناء وہی مقام ہے جہاں لشکر اسلام کیلئے غیب سے پانی موجود ہوگیا تھا۔

حقانیت اُسکے قلب میں راسخ نہو جائے۔ اور گو وہ اپنے قدیم مذہب پر کتنا ہی ہٹ اور ضد کے ساتھ قایم رہنا چاہیے لیکن دین اسلام کی کشش کبھی اُس کو اپنے اصرار اور ہٹ دہرمی پر قایم رہنے نہیں دیسکتی۔ یہی وجہ ہے کہ موضع ہجر کا ایک عیسائی راہب جو اسلامی لشکر کے ساتھ تھا جس نے بر و بحر دونوں جگہ تائید آسمانی کی جلوہ گری دیکھی تھی اسلام قبول کر لینے پر مجبور ہوا کسی نے اُس سے پوچھا کہ تیرے مسلمان ہونیکی کیا وجہ تھی۔ اُس نے جواب میں کہا۔ ثلاثۃ اشیاء خشیت ان یمسخنی اللہ بعدھا ان انا لم افعل۔ فیض فی الرمال وتمھید اثباج البحر۔ ودعاء سمعتہ فی عسکرھم فی الھواء سحرا۔ (تین چیزیں ایسی دیکھیں کہ اُنکے بعد بھی مسلمان نہوتا تو مجکو مسخ ہونیکا اندیشہ تھا۔ اوّل تو بے آب و گیاہ میدان میں پانی کا ظاہر ہو جانا۔ دوسرے سمندر میں راستہ ہو جانا۔ تیسرے ایک دعا جو میں نے مسلمانوں کے لشکر میں صبح کیوقت آسمان کی طرف سے سُنی۔)

لوگوں نے کہا وہ دُعا کیا تھی۔ کہا وہ دُعا یہ ہے۔

اللھم انت الرحمن الرحیم - لا الہ غیرک والبدیع لیس قبلک شی والدائم غیر الغافل والحی الذی لا یموت وخالق مایری ومالا یری وکل یوم انت فی شان وعلمت اللھم کل شی بغیر تعلم۔

میں ان حالات کو دیکھکر سمجھ گیا کہ مسلمانوں کی اعانت وتائید میں ملائکہ کی شرکت اسیوجہ سے ہوئی کہ وہ حق پر ہیں۔

ہر شخص جسکے دل میں تھوڑا سا بھی انصاف اور سر میں عقل ہے سمجھ لیگا کہ مسلمانوں کی فتوحات اور معرکہ آرائی اور شجاعت و دلیری کے چشمدید واقعات نے ایسے عیسائی کو جو اپنے مذہب کا عالم اور راہب تھا مسلمان ہونے پر مجبور نہیں کیا نہ مسلمانوں کی طرف سے اس کی تحریک ہوئی کہ وہ اسلام کو قبول کرے۔ وہ نہایت اطمینان قلب کے ساتھ اسلامی لشکر کے ہمراہ رہکر اپنے مذہب پر مضبوطی سے قائم رہا۔ مسلمان ہوا تو صحابہ کے حالات اور تائید آسمانی کے واقعات دیکھکر۔ کیا اسکے بعد بھی کسی میں ہمت ہے جو یہ کہہ سکے کہ اشاعت اسلام بزور ہوئی ہی۔ مسلمانوں اور بالخصوص صحابہ کو اسلام کی حقانیت اور تائید آسمانی پر ایسا یقین تھا کہ اُسکے

لئے کسی دلیل کی ضرورت نہ تھی۔ اُن کے دل میں یہ مضمون راسخ تھا کہ ہم حق پر ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی تائید ہمارے ساتھ ہے مگر تاہم یقین قلبی کے ساتھ مشاہدہ عینی ملجاتا ہے تو اُسی یقین کو ترقی حاصل ہو کر اور بھی زیادہ قوت ہو جاتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا حق تعالیٰ سے احیاء موتی کی کیفیت دکھلانے کی درخواست کرنا اور وہاں سے استفسار ہونے پر اَوَلَمْ تُؤْمِنْ (کیا تم احیاء موتی پر ایمان نہیں لائے) یہ عرض کرنا بلیٰ ولکن لیطمئن قلبی (ایمان ضرور لایا ہوں لیکن میرا سوال اطمینان کے اس خاص درجہ کے حاصل ہونے کے واسطے ہے) ہمارے مدعا کا شاہد ہے۔

مسلمانوں پر اس چشمدید تائید آسمانی کا خاص اثر تھا۔ عفیف ابن المنذر خدا تعالیٰ کے اس احسان عظیم اور نعمت عظمےٰ کو اس طرح بیان فرماتے ہیں ؎

الم تر ان الله ذلل بحره ۔۔۔ وانزل بالكفار احدى الجلائل

دعونا الذى شق البحار فجاءنا ۔۔۔ باعجب من فلق البحار الاوائل

(کیا تمنے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کو مسخر کر دیا۔ اور کفار پر بڑی مصیبت نازل فرمائی۔ ہمنے اُس ذات پاک سے دعا کی جس نے دریاؤں کو شق کیا تھا تو ہمارے لئے اُس سے بھی عجیب امر ظاہر ہوا جو پہلوں کیواسطے ہوا تھا۔ یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لشکر کیلئے دریا میں راستہ ہو گیا تھا ہمارے لئے اُس سے بھی عجیب امر ظہور پذیر ہوا۔)

حضرت خالدؓ کا مُلک عراق میں داخل ہونا۔

مرتدین کے قصہ سے مطمئن ہو جانے کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد بن الولید اور عیاض بن غنمؓ کو مامور فرمایا کہ عراق میں داخل ہوں خالد بن الولید عراق کی اسفل جانب سے اور عیاض اعلیٰ جانب سے۔ اور دونوں حیرہ پر جا کر ملجاویں۔ اور دونوں میں سے حیرہ پر جو پہلے پہنچیں وہی لشکر کے امیر ہونگے۔ آپنے دونوں صاحبوں کو یہ بھی فرما دیا کہ تمھارے لشکر میں سے جو لوگ واپس ہونا چاہیں اُنکو اجازت دیدینا اس اجازت کی بناء پر لشکر کا ایک حصہ واپس ہو گیا تو دونوں صاحبوں نے آپکی خدمت میں عرض کیا کہ ہماری امداد کیلئے کچھ لشکر بھیجا جائے آپنے حضرت خالد کی امداد کے واسطے تنہا قعقاع بن عمرو تمیمی کو بھیجا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت خالد کے لشکر میں قلت ہے اور آپ تنہا ایک شخص کو اُن کی امداد کے واسطے بھیجتے ہیں۔ آپنے ارشاد فرمایا کہ جس لشکر میں قعقاع جیسا ایک

شخص بھی ہو وہ بھی مغلوب نہیں ہو سکتا ۔ اور عیاض بن غنم کی امداد کیلئے عبد بن غوث حمیری کو بھیجا ۔ یہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فراست تھی اور یہ مسلمانوں کی افراد کا ایمان کامل تھا ۔

حیرہ کا بطور صلح فتح ہونا ۔

ملک عراق میں داخل ہونے کیلئے حیرہ بطور دروازے کے تھا بادشاہان فارس کی طرف سے حیرہ پر بڑا حاکم رہتا تھا اور حیرہ کے انجام پر تمام گرد و نواح کے شہروں اور قصبات کا مدار تھا ۔ اکثر اطراف کے چودہری اسی انتظار میں تھے کہ حیرہ کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے اہل حیرہ نے صلح کر لینی چاہی اور گفتگوئے مصالحت کے واسطے ایاس بن قبیصہ اور عمرو بن عبد المسیح (عیسائی) حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ عمرو بن عبد المسیح کی عمر کئی سو سال کی تھی اور اُسکا لقب ابن بقیلہ تھا (عربی میں سبزی اور ترکاری کو بقل کہتے ہیں بقیلہ اُسکی تصغیر ہے ۔ عبد المسیح ایک موقع پر سبز چادریں اوڑھے ہوئے آیا تھا لوگ اُسکو ابن بقیلہ کہنے لگے) ۔

عمرو بن عبد المسیح جب حضرت خالد کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپنے پوچھا تمھاری عمر کتنی ہے ۔ کہا کئی سو سال کی ۔ آپنے فرمایا تمنے سب سے زیادہ عجیب بات کیا دیکھی ۔ کہا حیرہ اور دمشق کے درمیان متصل آبادی تھی ایک گانوں دوسرے گانوں سے ملا ہوا تھا ۔ ایک تنہا عورت سفر کرتی تھی اور اُسکو ایک روٹی کے سوا کسی قسم کے توشہ اور زاد راہ کی ضرورت نہ ہوتی تھی ۔ حضرت خالد نے ہنسکر اُسکے ساتھیوں سے فرمایا کہ تم ایک ایسے بوڑھے شخص کے ذریعہ سے گفتگو کرنا چاہتے ہو جسکی عقل و حواس درست نہیں رہے وہ یہ بھی نہیں جانتا کہ کہاں سے آیا ہے بقیلہ نے سُنکر حضرت خالد سے گفتگو کی اور اُنکے ہر سوال کا معقول جواب دیا ۔ جسپر آپکو یقین ہو گیا کہ اسکے حواس بالکل درست ہیں اور یہ جو کچھ اپنی عمر اور تجربہ کے متعلق کہتا ہے صحیح ہے ۔ اِس پر آپ نے فرمایا کہ القوم اعلم بما فیھم (قوم اپنے اندرونی حال کو زیادہ جانتی ہے ۔)

عمرو بن عبد المسیح کے خادم کے ساتھ ایک تھیلی میں زہر تھا ۔ حضرت خالدؓ نے پوچھا یہ کیا ہے اور کیوں ساتھ لیا ہے اُس نے جواب دیا کہ یہ سم ساعۃ (فی الفور ہلاک کرنیوالا زہر) ہے اور یہ اسلئے ساتھ لایا تھا کہ اگر میں تم لوگوں کے حالات ایسے نہ دیکھتا جو اب دیکھ رہا ہوں تو میں

اپنی قوم کے واسطے کسی مکروہ بات کا واسطہ اور ذریعہ نہ بنتا بلکہ زہر کھا کر ہلاک ہو جاتا۔ حضرت خالدؓ نے زہر کو اپنی ہتیلی پر رکھکر فرمایا کہ کوئی شخص اجل معین سے پہلے نہیں مرتا۔ اور نہ کوئی چیز بلا حکم خدا اثر کرتی ہے اور یہ کہکر آپنے یہ دعاء پڑھی باسم اللہ خیر الاسماء رب الارض و السماء الذی لایضر مع اسمہ داءٌ الرحمٰن الرحیم۔ اور دعا پڑھکر زہر نگل لیا۔

ابن بقیلہ نے گو ایک حیرت انگیز اور تعجب خیز بات دیکھی تھی مگر وہ خود عالم اور تجربہ کار تھا اُس نے حضرت خالدؓ سے کہا کہ واللہ لتبلغن ما اردتم مادام احدٌ منکم ھکذا (قسم ہے خدا کی تم میں ایک بھی جب تک ایسا رہیگا تم اپنی مراد کو پہنچتے رہوگے)۔

اور پھر اُس نے اہل حیرہ کو مخاطب کر کے کہا کہ میں نے آجتک کوئی ایسی واضح اور روشن بات نہیں دیکھی۔ اسکے بعد ابن بقیلہ نے حضرت خالد سے ایک سالانہ محصول معین کر کے صلح کر لی کہ اہل حیرہ کی جان و مال کی محافظت مثل مسلمانوں کے کیجاویگی۔

اہل حیرہ کے ساتھ صلح ہونا تھا کہ تمام گرد و نواح کے چودھریوں اور نمبرداروں نے اپنے اپنے علاقہ کی طرف سے صلح کر لی۔

عمرو بن عبدالمسیح خود اہل کتاب میں کا بڑا عالم تھا اور صدہا سال کے تجربہ نے اُسکو کامل و مکمل بنا دیا تھا۔ اُسکو حضرت خالد کی گفتگو سُننے اور مسلمانوں کے حالات بچشم خود دیکھنے سے معلوم ہوگیا تھا کہ یہ قوم حق پر ہے انکا غلبہ ضرور ہوگا اور حضرت خالد کے اس قوت ایمانی اور توکل نے کہ بلا اندیشہ ایسے سخت زہر کو نگل لیا اور اُسکا اثر کچھ بھی ظاہر نہوا اُسکے علم کو درجہ عین الیقین تک پہنچا دیا۔ اُس نے بلاتامل صلح کر کے اپنے آپ کو اور اپنی قوم کو ہر قسم کی آفات اور مصیبتوں سے بچالیا۔ لیکن باینہم مسلمانوں کی طرف سے ادنیٰ تحریک بھی اس امر کی نہوئی کہ جب تمکو ہماری حقانیت کا یقین ہے تو مسلمان کیوں نہیں ہو جاتے۔ اس معاملہ میں اُنکو اُنکے اختیار پر چھوڑا۔ ہدایت و ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ اہل حیرہ مسلمان نہ ہوئے بلکہ تھوڑے ہی دنوں کے بعد اس صلح کو خود توڑا مگر حضرت مثنیٰ نے دوبارہ اُن سے صلح کر لی لیکن اُنہوں نے مکرر اُس صلح کو توڑ دیا۔ جسپر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے محصول کی مقدار بڑھا کر پھر صلح کر لی اور لشکر اسلام نے باوجود مکرر نقص عہد کے اپنی طرف سے کوئی زیادتی نکی۔

اجنا دین کا عجیب واقعہ اجنا دین ملک شام میں بہت بڑا شہر ہے اس جگہ مسلمانوں اور رومیوں میں بڑا معرکہ ہوا۔ ہرقل کا حقیقی بھائی لشکر روم کا سپہ سالار تھا مسلمانوں کا لشکر یہاں جمع ہوگیا تو سپہ سالار روم نے ایک عربی شخص کو اس غرض کیلئے بھیجا کہ مسلمانوں کے لشکر میں رہکر اُن کی اصلی حالت کی خبر لادے یہ شخص چونکہ خود عربی تھا مسلمانوں میں آملا۔ اور ایک رات دن رہکر اُنکے شب و روز کے حالات دیکھے۔ راتوں کو تہجد گزاری اور تلاوت کلام الٰہی کرتے دیکھا ہر شخص کو دیکھا کہ بلا تصنع و تکلف عبادت میں مشغول ہے۔ ایک دوسرے کا باہمی معاملات میں نہایت صفائی سے برتاؤ ہے۔ ہر شخص امیر کے حکم کا دل وجاں سے مطیع و فرماں بردار ہے۔ یہ حالات دیکھکر واپس ہوا سپہ سالار روم نے پوچھا کہو کیا دیکھا۔ اُسنے کہا باللیل رهبان وبالنہار فرسان۔ ولو سرق ابن ملکھم قطعوہ ولو زنی رُجم لاقامۃ الحق فیھم (یہ لوگ رات کو راہب اور عابد ہیں۔ اور دن میں بہادر شہسوار اگر انکے بادشاہ کا بیٹا بھی چوری کرے تو ہاتھ کاٹ ڈالیں اور اگر زنا کرے تو رجم کردیں۔ حق کے جاری کرنے میں کسی کی رعایت نہیں ہے۔

سپہ سالار نے سنکر کہا ان کنت صدقتنی لبطن الارض خیر من لقاء ھولاء (اگر تو نے سچ بیان کیا ہے تو زمین کے اندر اُتر جانا اس سے بہتر ہے کہ ان لوگوں سے مقابلہ کیا جاسے۔)

صحابہ کے یہی حالات تھے جنکو دیکھکر ہر مخالف شخص بھی متاثر اور اسلام کی حقانیت کا قائل ہو جاتا تھا۔ ہزار عقلی دلائل کا یہ اثر نہیں ہوسکتا تھا نہ معرکہ ارائیوں میں داد شجاعت دینے سے صداقت اسلام کا ایسا سکہ بیٹھ سکتا تھا۔ اور یہی ہمارا دعویٰ تھا کہ اسلام کی اشاعت کا سبب صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیض صحبت اور اُنکے اخلاق و عبادات و معاملات کا مشاہدہ تھا۔ مگر باوجود ان واضح دلائل کے دیکھنے اور اسلام کی صداقت کا یقین قلبی حاصل ہونے کے سپہ سالار مسلمان نہوا۔ کیونکہ توفیق الٰہی شامل حال نہ تھی۔

میدان یرموک میں جرجہ کا مسلمان ہونا۔ اور میدان یرموک میں عین معرکہ کے وقت جرجہ جو رومی لشکر کے مقدمۃ الجیش کا سپہ سالار تھا خود بخود آکر مسلمان ہوگیا۔ یرموک کے میدان میں جب فریقین کی جانب سے پوری طرح صف آرائی ہوچکی تو جرجہ اپنی صف سے نکلکر درمیان میں آیا اور حضرت خالد بن الولید سپہ سالار لشکر اسلام کو آواز دی۔ حضرت خالد تشریف لائے اور جرجہ

کے متصل ایسی طرح کھڑے ہو گئے کہ دونوں کے گھوڑوں کی گردنیں مل گئیں۔ ایک نے دوسرے کو امن دیدیا۔ جرجہ نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ میں آپ سے کچھ دریافت کرنا چاہتا ہوں مجکو سچا جواب بلا کسی قسم کے دھوکے کے عنایت فرمائیے کیونکہ شریف آدمی جھوٹ نہیں بولتا۔ حضرت خالدؓ نے فرمایا دریافت کرو میں جواب دونگا۔

جرجہ۔ کیا اللہ نے تمھارے نبی پر کوئی تلوار نازل فرمائی ہے اور نبی نے وہ تلوار تمکو دی ہے کہ جب اُس سے دشمن پر حملہ کرتے ہو اُنکو ہزیمت ہو جاتی ہے۔ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کو سیف اللہ (یعنی خدا کی تلوار) لقب عطا فرمایا تھا۔

حضرت خالد۔ اللہ تعالیٰ نے کوئی تلوار نازل نہیں فرمائی۔

جرجہ۔ پھر آپ کا نام "سیف اللہ" کیوں ہوا۔

خالدؓ۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے سچے نبی کو ہماری طرف بھیجا اوّل تو ہم سب اُن سے علیحدہ رہے اور پھر بعض نے اُنکی تصدیق کی اور بعض نے تکذیب کی۔ میں بھی اُنھیں جھٹلانے والوں اور مخالفوں میں تھا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے دلوں کو پھیر دیا اور ہدایت کی۔ میں ایمان لے آیا۔ آپ نے مجھے سیف اللہ کا خطاب عطا فرمایا اور میرے لئے نصرت و کامیابی کی دُعا فرمائی اُس روز سے میرا نام "سیف اللہ" ہو گیا۔

جرجہ۔ یہ تو آپ نے صحیح صحیح بتلایا۔ اب یہ فرمائیے کہ تم ہمیں کس چیز کی طرف بلاتے ہو اور کس بات کی دعوت دیتے ہو۔

خالدؓ۔ ہم اس بات کی طرف بلاتے ہیں کہ کلمۂ شہادت پڑھو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو احکام لائے ہیں اُنکو تسلیم کرو۔

جرجہ۔ لیکن اگر کوئی اس بات کو نہ مانے۔

خالدؓ۔ تو وہ محصول ادا کرے اور مسلمانوں کے امن میں آجائے مسلمان اُسکی جان و مال کی ایسی ہی حفاظت کرینگے جیسی اپنی کرتے ہیں۔

جرجہ۔ اگر وہ اسکو بھی نہ مانے۔

خالدؓ۔ تو ہم اوّل اُسکو مخالفت اور لڑائی کی اطلاع کرینگے اور اُسکے بعد اُس سے

لڑائی کرینگے۔

جرجہ۔ اگر کوئی تمھارے کہنے کو مان لے اور اسلام قبول کرلے۔

خالدؓ۔ ایسا شخص ہمارے مساوی ہوجاتا ہے اُسکے حقوق ہمارے حقوق کی برابر ہیں اللہ تعالیٰ نے جو احکام نازل فرمائے ہیں۔ اُن میں اوّل اور آخر ادنیٰ و اعلیٰ شریف غیر شریف سب برابر ہیں۔

جرجہ۔ یہ بات تو مستبعد ہے کہ وہ شخص تمھاری برابر ہوجائے۔ تم لوگ مقدم اور اسلام کی طرف سبقت کرنے والے ہو۔

خالدؓ۔ یہ صحیح ہے کہ ہم سابق ہیں۔ مگر ہمنے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو آنکھوں سے دیکھا۔ فیض صحبت اُٹھایا۔ معجزات دیکھے۔ آپکی خدمت میں تمام امور کا مشاہدہ کیا۔ ایسے امور دیکھکر ہمارا مسلمان ہوجانا کچھ زیادہ افضلیت کی بات نہیں۔ جو شخص بھی ایسے حالات کا مشاہدہ کریگا وہ بصدق دل ایمان لے آویگا۔ ہاں جن لوگوں نے نہ یہ حالات دیکھے نہ فیض صحبت اُٹھایا اور نہ اُن عجائب امور کا مشاہدہ کیا وہ سچے دل سے دائرہ اسلام میں داخل ہونگے تو ہمسے افضل ہونگے۔

جرجہ۔ بیشک آپ نے صحیح فرمایا۔

اس صاف اور بے لوث گفتگو نے جرجہ کو مسخر کرلیا اور وہ بجائے اسکے کہ مقابلہ کرتے حضرت خالد سے اس امر کے خواہشمند ہوئے کہ مجکو اسلام کی تلقین کیجائے۔ حضرت خالدؓ انکو اپنے خیمہ میں لیگئے اور غسل کے بعد دو رکعتیں پڑھوائی وہی قلب جو اسلام کے بغض سے پُر تھا مسخر ہوکر محبت خدا و رسول سے مالامال ہوگیا۔ جرجہ اُسیوقت پچھلے پیروں میدان کارزار میں واپس ہوکر شہید ہوگئے۔

حضرت خالد کی گفتگو اسلامی احکام کا سچّا فوٹو تھا۔ فی الحقیقت اسلام کے احکام ایسے ہی صاف اور بے لوث ہیں اُن میں جبر و اکراہ تو کجا۔ عدل و انصاف اور سیاست و تمدن کے قوانین میں حاکم رعیت۔ فاتح مفتوح۔ مسلم غیر مسلم۔ سب برابر ہیں۔ اسلام یا مسلمانوں پر یہ الزام لگانا کہ اسلام کی اشاعت میں سوا اُسکی صداقت اور حقانیت کے کسی دوسرے سبب سے کام لیا گیا ہی سراسر

ظلم و ناانصافی ہے۔

بہرسیر اور مدائن کا فتح ہونا لشکر اسلام کا دجلہ کو بحالت طغیانی عبور کرنا۔

حضرت سعد بن ابی وقاص عراق کو فتح کرکے قادسیہ کے عظیم الشان معرکہ سے کامیابی کے ساتھ فارغ ہو چکے تو دارالسلطنت فارس یعنی مدائن کا قصد فرمایا۔

مدائن درحقیقت تو چند بستیوں کا نام تھا جو بادشاہان فارس نے یکے بعد دیگرے اپنے اپنے نام سے آباد کی تھیں۔ مگر اسوقت مدائن اُن میں سے ایک خاص بستی کا نام ہو گیا۔ جسکی فتح پر بوجہ اُسکے دارالسلطنت ہونے کے فارس کے انجام کا مدار تھا۔ اُسمیں وہ قصر ابیض بھی تھا جسکے مفتوح ہونیکی بشارت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے تھے۔ باقی بستیوں کے نام جدا جدا تھے اُنہیں میں سے ایک کا نام بہرسیر بھی تھا۔

دجلہ کی جانب شرق میں مدائن واقع تھا جسکو مدائن قصوی بھی کہتے تھے اور جانب غرب بہرسیر تھا جسکو مدائن دنیا کہتے تھے۔ دنیا کے معنی قریب تر کے ہیں چونکہ مسلمان دجلہ کی جانب غرب سے آرہے تھے اسلئے اوّل انکے راستہ میں بہرسیر پڑتا تھا اور اسی وجہ سے اُسکو مدائن دنیا کا لقب دیا گیا۔ اور مدائن دوسرے کنارے پر تھا اسلئے اُسکو مدائن قصوی (یعنی بعید) کے نام سے نامزد کیا گیا۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ دجلہ کی جانب کو فتح کرتے ہوئے بہرسیر تک پہنچگئے اور دجلہ کی جانب غرب میں سرزمین غرب تک جسقدر ملک فارس کا تھا سب مسلمانوں کی اطاعت میں داخل ہو گیا۔ صرف بہرسیر رہگیا جسکا محاصرہ دو ماہ تک کرنا پڑا۔ محصورین نے محاصرہ کی سختیوں سے تنگ آکر حضرت سعدؓ کی خدمت میں پیام صلح بھیجا کہ جسقدر ملک فتح ہو چکا ہے وہ مسلمانوں کے قبضہ میں رہے اور جو فتح نہیں ہوا وہ ہمارے لئے چھوڑ دیا جائے قاصد نے یہ پیام سنایا لیکن حضرت سعدؓ جواب دینے نہ پائے تھے کہ ایک مسلمان نے بڑھکر کچھ جواب دیا۔ حضرت سعد نے اُس سے پوچھا کہ تمنے کیا جواب دیا اُس شخص نے کہا کہ مجھے معلوم نہیں۔ بے اختیاری طور پر میری زبان سے کچھ الفاظ نکلے جنکو میں بھی نہیں سمجھا۔ مگر قاصد کی زبانی یہ جواب سنکر گورنر نے بہرسیر کو خالی کر دیا۔ بہرسیر میں صرف ایک شخص رہگیا جس نے آکر شہر کے خالی ہونیکی اطلاع دی۔ اُس سے پوچھا گیا کہ کس وجہ سے شہر خالی کر دیا

گیا۔ کہا کہ پیام صلح کے جواب میں ایک مسلمان نے یہ جواب دیا کہ "ہم ہرگز صلح نکرینگے جب تک افریدون کے شہد کو کوئی کے لیمو کے ساتھ نہ کھالینگے۔ اس جواب کو سنکر بہرسیر کے گورنر نے کہا کہ ان لوگوں کی طرف سے تو فرشتے جواب دیتے ہیں ان سے مقابلہ کی کیا صورت ہے۔

لشکر اسلام جس درجہ اپنے امیر کا مطیع تھا اسکی نظیر کسی قوم میں ملنا دشوار ہے ناممکن تھا کہ سپہ سالار سے پیش قدمی کرکے کوئی معمولی سپاہی جواب دیسکتا۔ پھر یہ تائید آسمانی نہیں تھی تو کیا تھی کہ ایک مسلمان کی زبان سے بلاسمجھے بوجھے کچھ الفاظ نکلتے ہیں اور انکا یہ اثر پڑتا ہے کہ ذمہ دار والئی ملک شہر کو مسلمانوں کے حوالہ کرکے چلا جاتا ہے۔

گورنر بہرسیر معہ رعایا اور لشکر کے بہرسیر چلا گیا۔ اور اب مسلمانوں کو مدائن کی فکر ہوئی اہل فارس نے ساحل دجلہ پر سے کشتیاں وغیرہ سب اٹھا دی اور عبور دجلہ کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔

کثرت باران کیوجہ سے امسال عموماً دریاوں میں طغیانی زیادہ تھی۔ حضرت سعدؓ اسی فکر میں تھے کہ دجلہ میں طغیانی اور زیادہ آگئی اور اسکے پھیلاؤ اور زور شور کا انتہا نہ رہا۔

مسلمان یہ حالت دیکھکر حیران تھے۔ اسی اثناء میں حضرت سعدؓ نے خواب دیکھا کہ مسلمان دجلہ میں داخل ہوگئے ہیں۔ اس خواب نے آپکو اس جانب متوجہ کردیا اور آپنے لشکر کو جمع کرکے فرمایا کہ "دشمن نے دریا کی طغیانی میں پناہ لے رکھی ہے۔ تم اسپر حملہ نہیں کرسکتے۔ اور وہ جب چاہے حملہ کرسکتا ہے میری رائے یہ ہے کہ اس سے قبل کہ دنیا تمپر غالب آجائے اور اسمیں ملوث ہونے سے تمھارے حالات بدل جائیں۔ صدق و اخلاص میں کمی آجائے۔ اللہ کیواسطے کچھ کام کرلو۔ میں تو عزم مصمم کرچکا ہوں کہ اللہ کے بھروسہ پر گھوڑوں کو دریا میں ڈالدوں اور اور اسی حالت میں عبور کروں۔" آپکا لشکر کل سواروں کا تھا پیادہ پا ان میں کوئی نہ تھا۔ سب نے بطیب خاطر جواب دیا۔ کہ اللہ تعالیٰ آپ کے عزم میں برکت عطا فرمائے ہم سب مطیع اور تیار ہیں۔

(باقی آیندہ)

معاونین خاص رسالہ القاسم

(۱) عالیجناب نواب عاشق حسین صاحب رئیس سنبھل ضلع مراد آباد ۔ عہ
(۲) عالیجناب مولوی محمد فیض الحسن صاحب ساکن کٹھور ضلع میرٹھ ۔ عہ
(۳) عالیجناب شیخ رشید احمد صاحب تاجر کلکتہ ساکن میرٹھ ۔ عہ

اگرچہ القاسم کی اشاعت باقاعدہ اور بروقت نہونے سے اکثر حضرات ترقی اشاعت مین سعی فرمانے سے معذور اور تنگدل رہے جنکو انشاء اللہ آیندہ توجہ و اعانت کا موقعہ ملیگا - پھر بھی بہت سے مخلصین و دیندار بزرگون نے رسالہ کی بہبودی وخیرخواہی اور توسیع اشاعت مین سعی فرمائی -

گو ان حضرات کا خلوص وللہیت کسی ظاہری شکریہ کے محتاج نہین ہے - اور محض دینی خدمت اور باعث اجر آخرت سمجھکر سعی فرمائی گئی ہے تاہم منتظمان رسالہ اور اہل مدرسہ ایسے تمام حضرات کا شکریہ دعائے خیر کے ساتھ ادا کرنا نہایت ضروری سمجھتے ہین اور انمین سے بعض حضرات کے اسمائے گرامی کا ذکر مناسب سمجھتے ہین -

(۱) عالیجناب مولانا محمد رحیم بخش صاحب پریزیڈنٹ کونسل ریاست بہاولپور -
(۲) جناب مولانا مولوی سراج احمد صاحب مدرس مدرسہ اسلامیہ سرہنہ ضلع میرٹھ -
(۳) جناب مولوی محمد عبد الرحمن صاحب مدرس مڈل اسکول ضلع بیڑ علاقہ دکن -
(۴) جناب مولوی منیر الدین احمد صاحب ہیڈ کلارک محکمہ جنگلات کوئٹہ بلوچستان -
(۵) جناب مولانا حکیم محمد اسحٰق صاحب ساکن کٹھور ضلع میرٹھ -
(۶) جناب مولوی فیض محمد خان صاحب سہارنپوری مقیم کلکتہ -
(۷) جناب مولوی محمد عبد الکریم صاحب مدرس مدرسہ اورنگ آباد -
(۸) جناب مولوی محمد عبد اللہ صاحب بٹالوی معین مدرسہ بھاگلپور -
(۹) جناب مولوی محمد عمر علی صاحب منیجر بشیر ہند کھنڈوہ
(۱۰) عالیجناب مولوی ظہور علی احمد صاحب وکیل عدالت بھوپال
(۱۱) جناب بابو مطلوب الرحمن صاحب دیوبندی دل سپرنٹنڈنٹ محکمہ کاغذات دیہی
(۱۲) جناب مولوی محمد عبد الرشید صاحب اہلمد اجلاس کامل بھوپال -
(۱۳) جناب مولوی ظفر احمد صاحب وکیل آشٹہ ریاست بھوپال

قواعد وضوابط رسالہ القاسم

ا- یہ رسالہ ماہوار شائع ہوگا اور ہر قمری مہینہ کی پندرہ تاریخ تک ناظرین کی خدمت میں پہنچ جایا کرے گا۔

۲- کسی ماہ کا رسالہ بتیس ۳۲ صفحے سے کم نہو گا گو بعض مرتبہ بضرورت کثرت مضامین اس سے بڑھ جائیگا چنانچہ ماہ شعبان اور ربیع الثانی کا پرچہ اس مقدار سے بہت زیادہ ہے۔

۳- یہ رسالہ اعلیٰ قسم کے کاغذ پر طبع ہوگا اور عام قیمت سالانہ مع محصولڈاک دو روپئے آٹھ آنے پیشگی لیجائیگی ممالک غیر سے صرف اُسی قدر زیادہ لیا جائیگا جسقدر وہاں کا محصول بہ نسبت ہندوستان کے زیادہ ہے۔

۴- جو حضرات بطور اعانت و امداد اس رسالہ کی قیمت سالانہ پانچروپیہ یا اس سے زیادہ مرحمت فرمائینگے وہ رسالے کے معاونین خاص میں شمار ہونگے اور ایسے حضرات کی فہرست القاسم میں شایع ہوتی رہیگی۔

۵- سوائے اُن صاحبوں کے جو پیشگی قیمت ادا فرما چکے جملہ حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ وی۔پی بھیجا جائیگا اور ایک آنہ خرچ ویلو اضافہ کرکے دو روپیے نو آنے کا وی۔پی روانہ ہوگا۔

۶- جن حضرات کی خدمت میں پہلا پرچہ بلا طلب جائیگا جب تک وہ قیمت ادا نفرمائیں گے یا وی۔پی کی اجازت ندینگے دوسرا پرچہ نہ بھیجا جائیگا۔

۷- جو صاحب دو چار ماہ کے بعد خریدار ہوں گے اُن کی خدمت میں بھی شعبان ۱۳۲۶ھ سے کل پرچے بھیجکر اُنکو ابتدا ہی سے خریدار سمجھا جائیگا۔البتہ جو حضرات خاص طور سے تصریح و تاکید فرماوینگے اُنکو گذشتہ پرچے لینے پر مجبور نہ کیا جائیگا۔

۸- نمونہ اور اشتہار میں جن حضرات کے نام نامی شائع کئے گئے ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات اہل علم کے مضامین بھی درج رسالہ کیے جائینگے جو اُصول اسلام اور مقاصد رسالہ کے خلاف نہوں۔

۹- جملہ خط و کتابت و ترسیل زر خاکسار راقم کے نام ہونی چاہیئے۔

الراقم بندہ سید اصغر حسین عفی عنہ معتمد المدیر رسالہ القاسم دفتر القاسم مدرسہ اسلامیہ دیوبند (ضلع سہارنپور)

(قاسمی پریس دیوبند میں مولوی حبیب الرحمٰن صاحب کے اہتمام سے چھپا)

رجسٹرڈ نمبر ۵۲۳/۱

القاسم

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم انما انا قاسم واللہ یعطی

علمی - مذہبی - اخلاقی - ادبی - تمدنی - تاریخی - ماہوار رسالہ

نمبر ۱۲ | بابت ماہ رجب المرجب ۱۳۲۹ھ | جلد ۱

خاکسار حبیب الرحمن مدیر رسالہ

نے

مدرسہ اسلامیہ دیوبند سے شائع کیا

اور

مطبع قاسمی واقع احاطہ مدرسہ اسلامی عربی دیوبند میں اپنے اہتمام سے طبع کیا

فہرست مضامین رسالہ القاسم بابت ماہ رجب ۱۳۲۹ھ

(مطابق ماہ جولائی ۱۹۱۱ء)

جو مولانا خلیل احمد صاحب و مولانا اشرف علی صاحب اور دیگر مقدس و مقتدر علما کی سرپرستی میں شایع ہوتا ہے۔

اصلاح انقلاب کے سلسلہ میں حضرت مولانا محمد اشرف علی صاحب نے دو بسیط مضمون جو نہایت ہی ضروری اور مفید و قابل مطالعہ ہیں تحریر فرمائے ہیں۔ ایک متعلق **صلوۃ** اور دوسرا متعلق **صیام** نماز کا مضمون اس نمبر میں آپ ملاحظہ فرماوینگے۔ دل تو یہی چاہتا تھا کہ پورا مضمون اسی مرتبہ شائع ہو جائے اور دوسرا مضمون درمیان میں آنے سے بے ترتیبی نہو۔ لیکن اس مضمون کے طول اور دیگر مضامین کی ضرورت نے اسکی اجازت ندی مجبوراً بقیہ مضمون کو رمضان المبارک کیلئے رکھ لیا گیا۔

ماہ شعبان میں صیام اور اُسکے متعلقات کا پورا مضمون درج ہوگا۔ تاکہ رمضان المبارک سے پہلے یہ ہدایات و نصائح و تاکیدات اہل اسلام کی نظر سے گذر کر باعث تنبیہ و نفع عام ہوں۔ لیکن اسکی وجہ سے دیگر مضامین میں کمی نہیں کیجائیگی بلکہ رسالہ کے صفحات بڑھا دئے جائینگے۔

اطلاع عرض ہے کہ جو حضرات ابتدا سے القاسم کے خریدار ہیں یا درمیان سال میں ابتدا سے سب نمبر طلب طلب فرمائے ہیں اگر ۲۵ شعبان تک اُنکا چندہ بذریعہ منی آڈر وصول نہوا تو شعبان کا رسالہ سال آیندہ کا چندہ وصول کرنے کیلئے ویلو روانہ ہوگا۔ جن مخصوص حضرات کو بلا قیمت رسالہ نذر ہوتا ہے وہ اسکی فکر نفرماویں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یوم مسعود

دارالحدیث اور دو درس گاہوں کا بنیادی جلسہ

مدرسہ عالیہ دیوبند کی تعلیمی ترقی۔ وسعتِ انتظام۔ رجوع طلبہ نے یہ ثابت کردیا کہ اُسکی وسیع اور کثیر درسگاہیں جو ابھی دو تین سال قبل ہر طرح پر کافی معلوم ہوتی تھیں کسی طرح بھی مدرسہ کے تعلیمی انتظام کے لئے متکفل اور تمام ضروریات کو پورا کرنے والی نہیں ہیں۔ ابھی دو سال کا عرصہ ہوتا ہے کہ جدید کتب خانہ کی تعمیر سے کتب خانہ قدیم دو درسگاہوں کا کام دینے لگا ہی مگر باینہمہ جو صورتیں زیر تجویز ہیں جن پر اس سال عملدرآمد ہونا شروع ہوا ہے اور جنکی تکمیل کے بعد مدرسین کی تعداد حالت موجودہ سے قریب دوچند کے ہوجاویگی وہ بتلارہی ہیں کہ تھوڑا ہی سا آگے چلکر مدرسہ کو کتنی اور کسقدر وسیع درسگاہوں کی ضرورت ہوگی۔ اس سال بھی بعض مدرسین کے لئے درس کی کوئی جگہ نہ تھی۔ بعض تو برآمدوں میں بیٹھکر بمشکل کام کرتے رہے۔ اور بعض مسجد میں درس دیتے رہے۔ سال آیندہ جبکہ مدرسین کی تعداد میں اور بھی اضافہ ہوگا تو کیسی کچھ دقت کا سامنا ہوگا۔ ان حالات نے محسوس کرادیا کہ بہت جلد جدید درسگاہیں تعمیر ہونی چاہئیں۔

سب سے زیادہ دقت جو چند سال سے پیش تھی اور امسال بوجہ کثرتِ رجوع طلبہ اور بھی زیادہ ہوگئی وہ یہ تھی کہ جماعتِ حدیث کیلئے درسگاہ حدیث کسی طرح کافی نہ تھی۔ جن لوگوں

ئے مدرسہ ہذا کی درس گاہ کلاں معروف بہ **نودرہ** کو دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ وہ فی نفسہ کسقدر وسیع ہے مگر جماعت حدیث میں طلبہ کی اسقدر کثرت ہونے لگی کہ طلبہ اُسمیں نہیں سما سکتے۔ حلقۂ جماعت کے پیچھے گویا دوسرا حلقہ ہوتا ہے اور طلبہ بیچاروں کو اپنے مقصد کی تحصیل میں بہت کچھ پیچیدگی اور اشکال کا مقابلہ کرنا پڑتا ہے۔

طلبہ کو نشست کی کشاکش میں اکثر باہمی ملال ورنجش کی زحمت بھی اُٹھانی پڑتی ہی- اکثر طلبہ نے مجبور ہوکر یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ حلقۂ درس میں رات ہی کو کتابیں رکھکر صبح کی نشست کیلئے اپنا قبضہ جما لیتے ہیں اور مہتمم صاحب مدرسہ بھی اس دقت اور کلفت کو ہمیشہ ملاحظہ فرماتے ہیں- اس سال کے رجوع طلبہ کو دیکھکر آیندہ سال کا تصور کر لیا جائے تو غالبًا یہ قطعی حکم لگا دینا کچھ بیجا نہوگا کہ اب اس طرح بیٹھکر بھی گذارہ نہو سکیگا۔

اِن تمام مشکلات اور پیش آنیوالی ضروریات کو دیکھکر متوکلاً علی اللہ عزم مصمم کر لیا گیا تھا کہ متعدد درسگاہوں کے علاوہ درس حدیث کے واسطے ایک مستقل مکان علیحدہ تعمیر کرایا جاوی جسکا نام

دَارُالحَدِیث

ہو اور جو محض حدیث کے درس کیلئے مختص ہو- اسلئے تجویز تھی کہ نیچے کی دو درسگاہوں کے اوپر دو درس گاہیں تعمیر کرائی جاویں اور درسگاہ کلاں معروف بہ نودرہ کے اوپر جس میں تین وسیع درس گاہیں اور وسیع برآمدہ ہے ایک کھلی ہوئی درسگاہ بنائی جائے۔

اوّل دو درسگاہوں کا تخمینہ بارہ سو سے پندرہ سو تک فی درسگاہ تھا اور دارالحدیث کا تخمینہ معہ اُسکے پتھر کے برآمدوں اور تمام متعلقات کے پندرہ ہزار تھا- ان تینوں درسگاہوں کا موقع اور تسلسل ایسا عجیب ہے کہ بعد تیاری یہ تینوں مکان باہمی تناسب کی وجہ سے نہایت خوش منظر اور مدرسہ کے حُسن کو دوبالا کرنے والے ثابت ہونگے- دونوں پہلوؤں پر دو درسگاہیں اور عین وسط میں دارالحدیث۔

لیکن ابھی تک ان تعمیرات کا وجود خیال ہی خیال میں تھا تجویز کے سواء اور کوئی عملی صورت

انکے واسطے اختیار نہ کی گئی تھی اور نہ اُسکے لئے کسی قسم کی تدبیر اور فراہمی سرمایہ کا فکر کیا گیا تھا۔ چھوٹی درسگاہوں کی تعمیر میں زیادہ سرمایہ کی ضرورت نہ تھی مگر "دارُالحدیث" کی تعمیر معمولی کام نہ تھا اسلئے اُسکا ارادہ ظاہر بھی نہ کیا گیا تھا۔ اور پردۂ غیب سے اُسکے ظہور کا سامان ہوا اور بلا ارادہ اس تجویز کو عمل میں لانیکی تحریک ہوئی جسکی تفصیل یہ ہے:۔

مدرسہ کے قدیم مربی و ہمدرد جناب حافظ **فصیح الدین** صاحب تاجر صدر بازار میرٹھ نے اپنے برادر عم زاد حافظ **احسن الدین** صاحب مرحوم کی طرف سے ان دونوں درسگاہوں میں سے ایک درسگاہ تعمیر کرانے کا ارادہ ظاہر فرمایا اور اسکی بنیادی اینٹ رکھنے کے واسطے ۹ رجب ۱۳۲۹ھ جمعہ کا مبارک دن مقرر ہوا۔

اس تاریخ پر مختصر مگر نہایت باخیر و برکت مجمع ہوگیا حضرت مولانا **اشرف علی** صاحب پنجشنبہ کی شام کو معہ چند خدام کے دیوبند رونق افروز ہوئے اور حضرت مولانا مولوی **محی الدین** خاں صاحب قاضی ریاست بھوپال و ممبر مدرسہ ہذا اور حضرت مولانا مولوی **محمد حسن** صاحب رکن مجلس العلمائ ریاست بھوپال و ممبر مدرسہ عالیہ دیوبند پنجشنبہ کی صبح کو تشریف فرماء دیوبند ہوئے اور دہلی سے جناب مولوی **محمد ابراہیم** صاحب معہ اور احباب کے تشریف لائے۔

جمعہ کی صبح کو جناب حاجی حافظ **فصیح الدین** صاحب و جناب حاجی **وجیہ الدین** صاحب تشریف لائے اسی طرح بجنور سے مولوی **مشیت اللہ** صاحب مع منشی **حامد حسن** صاحب اور خورجہ سے مولوی **عماد الدین** صاحب مدرس اوّل مدرسہ خازن العلوم معہ مہتمم مدرسہ اس غرض سے تشریف لائے تھے کہ مدرسہ خازن العلوم کے مکان کا بنیادی پتھر رکھنے کیلئے مہتمم صاحب مدرسہ اور جناب صدر مدرس صاحب مدرسہ عالیہ کو خورجہ لیجائیں۔ علیٰ ہذا انبالہ سے مولوی **محمد مبین** صاحب مدرس اوّل مدرسہ چھاؤنی انبالہ اور مظفر نگر سے حاجی **نور محمد** صاحب سوداگر۔

پہلے سے کوئی خیال اس قسم کے مجمع کا نہ تھا اور اسی وجہ سے کسی کو اطلاع و تکلیف شرکت نہ دیگئی تھی اس تاریخ پر اتفاقی طور سے ایسا پُر لطف اجتماع ہوگیا۔

بعد نماز عصر بزرگان دیوبند اور حضرات مذکورین کے مقتدر مجمع نے درسگاہ واقع جانب شمال کی بنیاد رکھی اور اخلاص کے ساتھ درسگاہ کی تکمیل۔ مدرسہ کی ترقی اور حافظ احسن الدین صاحب مرحوم

کے لئے مغفرت کی دُعا فرمائی۔

اِسکے بعد مولانا **اشرف علی** صاحب نے اُسی جگہ دھوپ میں کھڑے ہوئے علم اور تعمیر مدرسہ کے فضائل اور اس صدقہ جاریہ کی افضلیت پر ایک مختصر مگر واضح وجامع مانع تقریر فرمائی۔ اور آخر میں فرمایا کہ میں اپنی ذاتی رائے سے بلا مشورہ یہ کہتا ہوں کہ دوسری درسگاہ واقع جانب جنوب کے لئے گو کوئی سامان نہیں ہوا مگر اس خیر وبرکت کے مجمع میں اُسکی بنیاد بھی رکھدی جاوے اور اُسکی امداد میں سو روپیہ میں اپنی ذات سے دونگا۔ مولانا کے اِس ارشاد کو بہت ہی استحسان کی نظر سے دیکھا گیا اور خاص اس درجہ کے واسطے چندہ کی تحریک ہوگئی۔ جناب منشی **منظہر حسن** صاحب ممبر مدرسہ نے فرمایا کہ پچاس ؎ میں دونگا۔ جناب حاجی حافظ **فصیح الدین** صاحب اور جناب حاجی **وجیہ الدین** صاحب نے بھی سَو سَو روپیہ کا وعدہ فرمایا۔

ابھی اس سلسلہ کی ابتدا ہوئی تھی کہ حضرت مولانا مولوی **محمود حسن** صاحب صدر مدرس مدرسہ ہذا نے ارشاد فرمایا کہ

دارُ الحدیث

کی مدرسہ میں سخت ضرورت ہے۔ گو اُسکے مصارف کا اندازہ بہت زیادہ ہے اور ابھی تک اُسکے لئے ایک خرمُہرہ بھی جمع نہیں ہوا۔ مگر میرا خیال یہ ہے کہ ایسے عجیب پُرلطف وبابرکت مجمع میں اللہ تعالیٰ کے بھروسہ اور تائید غیبی کے سہارے پر اُسکی بنیاد بھی ابھی رکھدیجاے میں اپنی طرف سے اسمیں پچاس ؎ روپیہ دونگا۔ مولانا کے اس ارشاد سے عجیب قسم کا جوش پیدا ہوگیا۔ اور اب تو حاضرین میں سے ہر شخص نے اپنی ہمت ووسعت کے موافق چندہ لکھوانا شروع کردیا۔ اور اُسی وقت کھڑے کھڑے دارالحدیث کے واسطے قریب ایکہزار روپیہ اور درسگاہ خورد کیلئے تقریباً چھہ سو روپیہ لکھا گیا۔

اس چندہ کی فہرست القاسم کے ضمیمہ میں مفصل درج ہے اور آئندہ اس سلسلہ میں جو چندہ آئیگا برابر رسالہ میں شایع ہوتا رہیگا۔ دارالحدیث اور درسگاہ خورد کی فہرست چندہ علیحدہ علیحدہ تھیں اکثر اشخاص نے دونوں میں شرکت فرمائی ہے۔

الغرض اُسی وقت دارالحدیث اور درسگاہ خورد واقع جانب جنوب کی بُنیادیں رکھدی گئی

اور حاضرین نے خشوع وخضوع سے ان تعمیروں کی تکمیل کے واسطے دعاء کی۔

مدرسہ عالیہ میں دار الحدیث کی ضرورت کا حال ہمارے سابق بیان سے بخوبی واضح ہوچکا ہے۔ اگر اس سے زیادہ انکشاف حال کی ضرورت ہو تو مشاہدہ عینی کرکے اس حالت کو دیکھ لیا جائے انشاء اللہ اس کی ضرورت اس سے بھی زیادہ معلوم ہوگی جسقدر ہمنے بیان کیا ہے مگر ہمارا یہ عرض کرنا شاید مبالغہ میں داخل نہو کہ ہندوستان بھر میں یہ پہلا مکان ہے جو

دار الحدیث

کے باوقعت نام سے موسوم اور خاص اس متبرک ومقدس غرض کیلئے تعمیر ہوتا ہے۔ ہم اُمید کرتے ہیں کہ ارباب خیر اس موقع کو ہاتھ سے نہ دینگے اور اسکی شرکت واعانت سے سعادت دارین حاصل فرمائینگے۔ پندرہ ہزار کی رقم بظاہر بڑی معلوم ہوتی ہے لیکن جب ہم دیکھتے ہیں کہ غرباء کے تھوڑے سے مجمع میں ایکہزار روپیہ چندہ ہوگیا تو ہندوستان کے باخیر حضرات کو چودہ ہزار روپیہ قلیل مُدت میں پورا کردینا کیا دشوار ہے۔ واللہ ولی التوفیق۔

امداد مدرسہ عالیہ دیوبند

غیر معمولی عطیات

۳

مکرم ومحترم عالیجناب حکیم **سعادت احمد** صاحب رئیس رامپور ضلع سہارنپور طبیب ریاست جھالرا پاٹن مخیر اور بابرکت بزرگ سلف صالح کے یادگار ہیں۔ آپ کے اموال طیبہ ہمیشہ عمدہ مصارف میں صرف ہوتے ہیں۔ خاص اپنے وطن قصبہ رامپور میں نہایت خلوص اہتمام سے کئی ہزار روپیہ کی لاگت سے عیدگاہ تعمیر فرمائی۔ اور خاص ریاست جھالرا پاٹن میں ایک عظیم الشان اور نہایت نفیس مسجد تعمیر فرمائی ہے۔

امسال جناب حکیم صاحب موصوف نے مدرسہ عالیہ کی امداد کی طرف توجہ فرمائی اور یکمشت مبلغ ایکہزار پانسو روپیہ کا منی آڈر ارسال فرمایا۔ جزاھم اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔

(باقی آئندہ)

القاسم

زبان کے ذائقہ کی طرح طبائع کا مذاق بھی بڑا انتہا مختلف ہے۔ افراد انسانی کے ہر طبقہ کا مذاق جُداگانہ ہے۔ اخبارات اور رسائل کا مطالعہ بھی ایک طرح پر جزو تمدن ہوگیا ہے اور جیسے کہ طبیعت بلا تفکہات کے سیر نہیں ہوتی اسی طرح انکے مطالعہ بغیر بھی چین نہیں پڑتا۔ یہی وجہ ہے کہ اخبارات اور ناولوں اور علمی اور خاص قسم کے لاتعداد رسالوں کی کہپت ہوگئی اور ہر طبقہ نے اُسی کو قبول کرلیا جو اُسکے مذاق کے موافق تھا۔ اختلاف مذاق کے ساتھ ایک امر تمام طبقات میں مشترک بھی ہے وہ یہ کہ حصول علم یا کسی مضمون کو ذہن نشین کرنے یا اشاعت عام کا ذریعہ اس زمانہ میں یہی اخبارات و رسائل سمجھے جاتے ہیں۔ مضامین علمیہ کو بتدریج سمجھانیکے سہل طریقے یہی ہیں۔ اسلئے ہر ایک انجمن ہر ایک مفید کارکن جماعت کو ایسے اخبار یا رسالہ کی ضرورت پڑی جو اُسکی زبان بن سکتا ہو۔

اسی بنا پر ایک ایسے اخبار یا رسالہ کے لئے جگہ خالی تھی جو شریعت اور مذہب کے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچانے کا آلہ ہو۔ جو اسلام کے حقیقی احکام کی طرف رہنمائی اور رہبری کرسکے۔ جو یہ دکھلاسکے کہ صحابہ اور ائمہ سلف کے زمانہ میں اسلام کی اصلی صورت کیا تھی جو اسلام پر سے ہر قسم کے اعتراضات کو اُٹھانیکا کفیل ہو اور عروۃ وثقی کو ہاتھ سے نہ چھوٹنے دے۔

القاسم نے دیندار طبقہ کے مذاق کے موافق ہونے کے ساتھ اس عام ضرورت کو پورا کردیا اور عام رائے کی طرف سے اطمینان ہوگیا کہ جس قسم کے علمی رسالہ کی ضرورت تھی وہ پوری ہوگئی۔ ہمکو عام میلان کا اندازہ کرکے یہ یقین ہے کہ بہت تھوڑے زمانہ میں اسکا رسوخ ہر جگہ ہوجائیگا۔ اور وہ وقت بہت جلد آنیوالا ہے کہ ہر گھر میں انشاء اللہ اسکی جلدیں نظر آوینگی۔

القاسم کی جلد اوّل کا یہ آخری نمبر ہے اور اب وہ دوسرے سال میں قدم رکھنے والا ہے۔ نمونہ کے نمبر سے اُسکے تمام نمبر ہر امر میں بڑھے ہوئے رہے۔ کاغذ اور چھپائی وغیرہ کی عمدگی و نفاست نمونہ سے بدرجہا فائق ہے۔ بتیس ۳۲ صفحہ کا وعدہ کیا گیا تھا مگر کئی نمبروں میں صفحات کی تعداد اس سے

بہت بڑھگئی۔ پہلا نمبر شعبان المعظم کا سوا تین جز میں شائع ہوا اور ربیع الثانی کا رسالہ اڑھائی جزو میں اور اب یہ آخری نمبر ماہ رجب کا دو جز سے زیادہ میں شائع ہوتا ہے۔

مضامین کی نسبت کچھ لکھنے کی حاجت نہیں ہے۔ جو معیار اُسکے لئے تجویز کیا گیا تھا اُس پر قائم رہکر اعلیٰ سے اعلیٰ مضامین شائع ہوتے رہے۔

ہمارے پاس جو کثیر رائیں اس بارہ میں وصول ہو چکی ہیں اُن سب کے جمع کرنے میں بہت سے اوراق پُر ہوتے ہیں۔ مگر خلاصہ سب کا یہ ہے کہ اسکے مضامین بے انتہا پسندیدگی کی نظر سے دیکھے جاتے ہیں۔ بعض حضرات کا شغف تو یہانتک بڑھا ہوا ہے کہ وہ اسکے مضامین کو حفظ کرتے ہیں۔ بعض ذی علم حضرات نے اجازت حاصل فرمائی کہ اسکے بعض مضامین کو انگریزی ترجمہ کے ذریعہ سے شایع فرماویں۔

یہی وجہ ہے کہ اس قلیل مدت میں اُسکی اشاعت اس حد تک پہنچگئی جو دوسرے رسائل کو دو دو چار چار سال بعد نصیب ہوتی ہے۔

لیکن باایں ہمہ ابھی رسالہ اپنی اصلی حالت و رونق پر نہیں پہنچا۔ مصارف کی زیادتی کی وجہ سے موجودہ اشاعت خرچ سے بہت کم ہے اور اسی وجہ سے جیسے کارکن جماعت کی اُسکو ضرورت ہے وہ جمع نہیں ہو سکی۔ اشاعت بھی رسالہ کی حیثیت اور وقعت کے اعتبار سے بہت کم ہے۔ ہم مصمم ارادہ کئے ہوئے ہیں کہ جب القاسم کی اشاعت کافی حد تک پہنچ جائے اور اسکے لئے مضبوط کارکن جماعت کا انتظام ہو جائے تو رسالہ کے حجم میں تدریجاً ترقی کیجاویگی۔

ہمکو مسلمانوں کے مذہبی شغف اور دینی حمیت سے کامل توقع ہے کہ ایک ایسے مذہبی رسالہ کی اشاعت میں جسکی ضرورت کو بلا انکار تسلیم کر لیا گیا تھا اور جسکے خیر مقدم کے واسطے ہزارہا مسلمان چشم براہ تھے۔ اپنی پوری ہمت سے کام لینگے۔ ہماری غرض یہ ہے کہ ہم القاسم کو اُس حد تک مفید بنا دیں جہانتک ہم سے ہو سکتا ہے۔ بہت سے معاونین نے تھوڑی سی کوشش میں القاسم کی اشاعت کو بہت کچھ وسیع کر دیا ہے اگر اسی طرح سب حضرات مستعد ہو جاویں تو کچھ دنوں میں اسکی اشاعت ہزاروں ہو جائیگی۔

سال اوّل کا یہ آخری نمبر آپکے ہاتھ میں آتا ہے اور شعبان ۱۳۲۹ھ سے دوسرا سال شروع

ہوتا ہے جو حضرات شروع سال سے خریدار ہیں یا جن حضرات نے درمیان سال میں خریداری شروع کی لیکن ابتدا سے تمام نمبر طلب فرمائے اُن سب کی خدمت میں عرض ہے کہ براہ مہربانی دوسرے سال کا چندہ پیشگی بذریعہ منی آڈر مرحمت فرمائیں۔ یا اجازت فرمائیں کہ شعبان ۱۳۲۹ھ کا نمبر **ویلو** کردیا جائے یا اگر آیندہ کسی وجہ سے جاری رکھنا منظور نہو تو ایک کارڈ کے ذریعہ سے اطلاع فرماویں۔ درصورت سکوت اجازت سمجھکر ویلو ارسال خدمت ہوگا۔

القاسم کے متعلق ہمکو ایک دقت درپیش ہے کہ مسلمانوں کا وہ طبقہ جو دینداری اور مذہبی حمیت میں بڑھا ہوا ہے وہ علمی مضامین سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس قسم کے صاحبوں کی آرزو ہے کہ مضامین نہایت عام فہم اور بہت ہی سلیس ہوں اس قابل رعایت طبقہ کے لئے بھی انشاء اللہ کسی وقت بطور ضمیمہ کچھ اضافہ کردیا جائے گا یا کسی دوسرے رسالہ کے اجزاء سے اس ضرورت کو پورا کیا جائیگا۔ **السعی منا و الاتمام من اللہ تعالیٰ**۔

لَا اِیْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَۃَ لَہٗ

(سلسلہ کے لئے القاسم ماہ جمادی الثانیہ ملاحظہ ہو)

اگر کوئی شخص دائرۂ ایمانی سے باہر اور احاطۂ احکام خداوندی سے آزاد رہکر جملہ کمالات انسانی بھی بالفرض حاصل کرلے اور عالم کے تمام علوم وفنون پر حاوی ہو جائے تو نظر حقیقت شناس اسکو ایسا سمجھے گی جیسے عمدہ کپڑا بنایا تو گیا تھا پہننے کے لئے مگر کسی کوتہ نظر حریص نے اسکو جلاکر چائے پکالی یا حقہ بھرلیا۔ نعوذ باللہ من الجہل والغباوۃ اس پر بھی اگر کوئی علم وحی اور صفت امانت کو تمام علوم سے افضل وضروری اور جملہ کمالات انسانی سے برتر اور لابد نہ سمجھے تو اس سے زیادہ جاہل امانت سے محروم فتنہ میں مبتلا اور کون ہوگا۔

الحمدللہ ہماری معروضات سابقہ ولاحقہ سے یہ بات تو خوب محقق ہوگئی کہ ایمان یعنی اطاعت خداوندی جو کہ ہماری بلکہ تمام دنیا کی آفرینش سے مقصود ہے وہ علم وحی اور ملکۂ امانت پر موقوف ہے اور اس موقع پر ہمارا مطلب ضروری بھی اتنی بات کا عرض کردینا تھا جس سے فراغت ہو چکی۔ اسکے بعد یہ امر بھی ضرور لحاظ وفکر کے قابل ہے کہ حق سبحانہ کی مرضیات وغیر مرضیات تک رسائی کہ جسپر ایمان وعبودیت وانجام دہی کار خلافت وہدایت کا مدار ہے بالخصوص ہم جیسوں کو یقیناً محال اور اس شعر کا مصداق ہے۔ شعر

وہی آئے نہ آئے آپ ہم تک　　نہ یہاں طالع رسا نے جذب کامل

ادھر امانت کی پابندی یعنی اسیران ہوا وہوس کا تمام مفاسد ومظالم اور جملہ خیانات اور بیجا خواہشوں سے پیچھا چھوڑاکر جادۂ عدل واعتدال اور صراط مستقیم پر قائم رہنا طاقت بشری سے اتنی دور نظر آتا ہے کہ بجز مایوسی کچھ نظر نہیں آتا اور بے اختیار یہی کہنے کو دل چاہتا ہے۔ شعر

درمیان قعر دریا تختہ بندم کردہ اند　　باز میگوئید دامن ترمکن ہشیار باش

اب ادھر تو یہ دونوں امر اسقدر ضروری کہ انکے بدون انسان گدھے اور کتے سے بدتر اور

ف جہل وغباوۃ سے خدا کی پناہ

اُولٰئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ کے لقب کے شایاں اُدھر ان ہر دو کمال تلک رسائی اُن سے منتفع ہونا ہماری ہمت سے باہر اور طاقت سے دور پھر کام چلے تو کیونکر چلے۔

اس عقدۂ لاینحل کے حل کرنے کیلئے اور بندگان اسیران جہل و ہوس پر ان تمام مشکلات کی سہولت کی غرض سے حکیم علی الاطلاق جل جلالہ وعم نوالہ نے اپنے کمال قدرت اور وفور رحمت سے یہ کیا کہ مقربان بارگاہ الٰہی اور ینابیع فیوض غیر متناہی مہبط انوار غیبی مخزن اسرار لاریبی یعنی حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو تمام کمالات علمی و عملی میں ممتاز اور تمام ملکات و اخلاق حسنہ سے سرفراز اور اپنے تمام بندوں کی محبت و شفقت سے اُنکے قلوب مطہرہ کو مالا مال فرما کر گویا اپنی تمام مرضیات وغیرہ مرضیات کا اُنکو نمونہ اور نقشہ بنا کر حسب مقتضائے حکمت و ضرورت وقتاً فوقتاً اپنے بندوں کی طرف بھیجا اور کیا عرض کروں کہ کس کس طرح سے ہر دو کمال مذکورہ علم و امانت اور دیگر امور مطلوبہ ضروریہ کی تحصیل و تکمیل کو اپنے بندوں پر سہل فرما دیا جسکو دیکھکر مایوسان کم ہمت بھی نصیبی برم کھنے کو تیار ہیں فَلِلّٰہِ الْحَمْدُ وَالثَّنَاءُ وَلَہُ الشُّکْرُ وَالْفَضْلُ وَالسَّنَاءُ۔

اسکی توضیح اپنی لیاقت کے موافق اور اس مقام کے مناسب یہ ہے کہ بارگاہ احکم الحاکمین میں جو قرب و امتیاز محبوبیت و اعزاز مقبولیت و وجاہت کرامت و سیادت حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کو حاصل ہے کسی فرد بشر کو نصیب نہیں اور جو کمال علمی و عملی اُنکو عطا ہوا ہے کسی کو میسر ہونا محال تمام حکماء و عقلاء کے اخلاق و عقل کو اُن اورنگ نشینان محفل کمال کی عقل و اخلاق کے ساتھ وہی نسبت ہے جو دھوپ کو آفتاب سے اور پانی کی حرارت کو آگ سے۔ بارگاہ رب الارباب میں اُنکا وہی درجہ ہے جو بارگاہ سلطانی میں مقربان شاہی کا ہونا چاہئیے کہ حکام ماتحت اور عام رعایا تلک جو احکام و انعامات سلطانی پہنچتے ہیں اُنہیں کے ذریعہ سے پہنچتے ہیں رعایا کی عرضداشت وہی مسموع ہو سکتی ہے جو اُنکے وسیلہ سے پیش ہو اُنکی اطاعت بعینہٖ اطاعت سلطانی اور اُن سے سرکشی و تمرد بغاوت سلطان شاہی شمار ہوتی ہے خلیفہ کامل اور نایب بلا واسطہ ہیں تو وہی ہیں باقی تمام عالم کو (کسے باشد) بعض کو بمنزلہ حکام ماتحت اور بعض کو بمنزلۂ رعایائے سلطانی سمجھنا چاہیئے۔

بالجملہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام دربارۂ فیوضات غیبی اور برکات روحانی اور

اور تحصیل سعادت وہدایت اور تسہیل حصول جملہ کمالات بشریت حق سبحانہ اور اُسکے بندوں کے مابین ایسے ہی واسطہ ہیں جیسے وہ اشیاء کہ آفتاب کے اور اُنکے درمیان کوئی چیز حاجب ہو اور اُن تلک نور آفتاب پہنچانے کیلئے آئینہ مصفیٰ ومجلّیٰ واسطہ ہوجاتا ہے۔

اور بعثت انبیاء سے غرض اصلی یہی ہے کہ بندگان جاہل وگمراہ علماً اور عملاً اپنے اصول وفروع ایمانی یعنی علوم واعتقادات۔ اخلاق وحالات۔ اقوال وافعال۔ عادات وعبادات۔ رسوم و معاملات میں ایسے مہذب ہوجاویں کہ دنیا میں انتظام معاش اور آخرت میں فلاح معاد بخوبی و سہولت حاصل کرسکیں جس سے اہل انصاف کو معلوم ہوسکتا ہے کہ اتباع انبیاء کو صرف عبادات کے ساتھ مخصوص سمجھنا اُنہیں صاحبوں کا کام ہے جو بے علمی اور کوتہ نظری کے ساتھ صفت امانت کو خراب وفاسد کرکے من حیث لا یحتسب فتنہ میں مبتلا ہوچکے ہیں اگر وجوب اتباع انبیاء مسئلہ شرعی اور امر دینی ہے تو پھر ارشاد انتم اعلم بامور دنیاکم کے بھروسے متابعت رسول علیہ الصلوۃ والسلام کو صرف عبادات میں منحصر کرنا کسقدر سینہ زوری ہے اور اطاعت رسول کو امور دنیوی میں داخل کرنا تو اُسی کا کام ہے جو احاطۂ آدمیت سے بھی خارج ہوچکا ہو۔

سب جانتے ہیں کہ ایک تو امر اور حکم ہوتا ہے اور ایک صلاح ومشورہ۔ سو امر رسول صلی اللہ علیہ وسلم تو خواہ کسی چیز کے متعلق ہو ہم بیشک اُسکے مامور ہیں۔ اور مشورہ آپکا ہو یا کسی اور کا ہم اُسکے مامور ہرگز نہیں۔ یہ امر دیگر ہے کہ بمقتضائے حُسنِ ادب جو بوجہ کمال عقل ومقبولیت انبیاء علیہم السلام کے ساتھ ہونا چاہئے اُنکے مشورہ کا اتباع بھی مستحب اور اُنکا مشورہ بھی اوروں کے مشورے سے مقدم ہے مگر یہ استحباب خارجی اور عرضی ہے اس اتباع کی نسبت امر شرعی ہمکو نہیں ہوا جو اسکو امر شرعی کہا جائے ادھر یہ بات ہے کہ مشورہ مذکورہ کی گنجایش ہے تو منافع ومضار دنیوی میں ہے درباره منافع ومضار اُخروی انبیاء کو مشیر سمجھنا نبوت کا مدعی بننا یا انبیاء کو عوام میں داخل کرنا ہے اور یہ بھی خوب سمجھ لینا چاہئے کہ تحصیل منافع دنیا کے بعض طرق فلاح آخرت کے معارض ہوتے ہیں اور بعض موافق اور بعض نہ معارض نہ موافق پہلے دو طریقوں میں حکم نبوی اور امر شرعی کا اتباع کرنا پڑیگا البتہ تیسرا طریقہ یعنی جو فلاح آخرت کے نہ مخالف ہے نہ موافق صرف اُس میں ہمکو توسع اور اختیار ہے کہ اُسکے ذریعہ سے ہم منفعت دنیوی حاصل کرسکتے ہیں۔ اُسمیں فقط یہ ملحوظ رکھنا پڑیگا کہ کسی نہج سے

فلاح آخرت کے معارض نہو جاوے - باقی جس طرح چاہیں طریقۂ مذکورہ سے منفعت حاصل کریں چنانچہ بیوع واجارات فاسدہ وغیرہ کی ممانعت اسی پر مبنی ہے۔

تو اب جو کوئی انتم اَعلَمُ بِاُمُورِ دُنیاکُم کے ارشاد سے (جو آپنے تابیر نخل کی نسبت فرمایا تھا) خود مختار بننا چاہے اوّل اُسپر یہ لازم ہے کہ یہ سمجھ لے کہ آپنے تابیر نخل سے جو روکا تھا یہ حکم اور امر تھا یا بتقاضائے خیر خواہی بطور مشورہ منع کیا تھا۔ اسکے بعد یہ دیکھ لے کہ اقسام ثلٰثہ مذکورہ میں سے تابیر نخل کس قسم میں داخل ہے۔ جس قسم میں داخل ہے صرف اُسی میں مختار بنے جملہ اقسام میں خود مختاری اس سے حاصل کرنا بالکل یہ کہہ رہا ہے کہ حدیث مذکور کے مورد اور اُسکے مطلب سمجھنے کا قصد بھی نہیں کیا۔

ہاں یہ بات ضرور ہے کہ درستئ آخرت چونکہ مقصود بالذات ہے اور انتظام معاش دنیوی بالتبع مطلوب ہے تو اسلئے اگر کوئی چیز معاش دنیوی کے لئے مفید و نافع اور معاد و آخرت کے لئے مضر و نقصان دہ ہوگی تو وہ چیز ضرور قابل ممانعت اور واجب الاجتناب ہوگی اور اُسکا عکس قابل قبول اور واجب العمل ہوگا۔

اس مختصر قاعدہ کے سمجھ لینے کے بعد انشاء اللہ جملہ اُن امور سے نجات مل سکتی ہے کہ جنسے وحی الٰہی تو روکتی ہے اور ہمکو اپنی عقل سے بڑے بڑے نفع اُنمیں نظر آرہے ہیں یا وحی الٰہی تو اُسکی طرف شوق و رغبت دلاتی ہے اور ہمارا نفس اُس سے ڈراتا ہے چنانچہ فی سبیل اللہ مال خرچ کرنے کے بارہ میں خود کلام الٰہی میں ارشاد ہے۔ الشیطان یعدکم الفقر و یامرکم بالفحشاء واللہ یعدکم مغفرۃ منہ و فضلا واللہ واسع علیم اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ جب ہماری عقل و خواہش حکم الٰہی کے کے ناموافق ہوں تو ہمکو امر خداوندی کی متابعت چاہیئے اور یہی ہمارے لئے موجب فلاح دارین ہے مگر اسی آیۃ کے متصل یوتی الحکمۃ من یشاء ارشاد فرما کر اس طرف بھی اشارہ فرما دیا کہ اسکو تسلیم کرنا اُنہیں کا کام ہے جو علم و عمل میں پختہ ہیں جاہل ہوا پرست سے یہ کام نہیں ہو سکتا۔

جو نادان اپنی یا کسی دوسرے کی عقل کے بھروسہ کہ جسکو حسب الحکم آیۃ سابقہ حقیقت میں اغوائے شیطانی کہنا چاہیئے احکام وحی کی مزاحمت اور اُن میں تصرفات کرنے پر آمادہ ہو اُس نادان کو عظمت وحی تو درکنار خود اپنی بھی خبر نہیں وہ بیچارہ علم و امانت سے اسقدر اجنبی اور بے نصیب ہے

کہ صاحب علم و امانت کو اُسکی نسبت "نیست ند آدم غلاف آدم اند" کہکر بھی صبر نہ آئیگا۔

ارشاد خداوند فاضلہ اللہ علی علم اور ارشاد نبوی اتخذ وا رؤسا جھالا فافتوا بغیر علم فضلوا واضلوا کی پوری مصداق ایسے ہی لوگ ہیں والعیاذ باللہ شعر

ای جذبہ ہمتے کہ دریں دشت پُر فریب گم کردہ ایم قافلہ سالار خویش را

جب یہ مضمون محقق ہوگیا کہ تمام عالم کے لئے سرمنشاء ہدایت اور سرچشمۂ جملہ کمالات بنی آدم اگر ہیں تو انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام ہیں اور ہر ایک ادنیٰ اور اعلیٰ کو جو احکامات و انعامات خداوندی پہنچتے ہیں اُنہیں کی وساطت سے پہنچتے ہیں تو اب کیسے ہوسکتا ہے کہ علم و امانت جنکو انعامات خداوندی میں اعلیٰ اور کمالات انسانی میں تمام کمالوں کے لئے سرمنشاء کہنا چاہیئے وہ انبیاء کے ذریعہ سے ہمکو نہ پہنچائے جائیں بلکہ ضرور ہے کہ ان دونوں کمالوں کی ہمکو جسقدر احتیاج ہے اُسی قدر بذریعہ انبیاء ہم تلک پہنچانے میں اہتمام زیادہ فرمایا گیا ہو اور جسقدر اُنکی تحصیل میں دشواری تھی اُسی قدر بذریعۂ انبیاء ہمپر اُنکی تحصیل کو سہل و آسان کردیا گیا ہو۔

سو الحمدللہ علم و امانت میں یہی قصہ ہے دیکھ لیجئے اول تو انسان کو جوہر عقل اور علم عطا فرمایا پھر اُسکی تائید کے لئے حواس ظاہرہ و باطنہ کسقدر عنایت کئے پھر تعلیم و تعلم کے ایسے طریقے بتلادئے کہ انسان ظلوم وجہول سہولت کے ساتھ تحصیل و تکمیل علم کرسکے بلکہ مختلف علوم وفنون صنایع بدایع اپنی سمجھ اور تجربہ وغیرہ سے ایجاد کرسکے چنانچہ آج جسقدر علوم وفنون ہماری نظر کے سامنے ہیں وہ سب ایسے ہی ہیں صرف ایک علم جسکو علم مرضیات الٰہی اور علم احکام الٰہی اور علم وحی کہتے ہیں اور اُسکا جاننا مقصود اصلی ہے البتہ اُس تلک رسائی ہماری طاقت سے باہر تھی اور باوجود کمالات مذکورہ انسان کو اُس علم کا حاصل کرنا محال تھا سو اُسکا تکفل و اہتمام حق سبحانہ نے خود ایسا فرمایا اور انبیاء کرام کے وسیلہ سے ہمپر اسقدر سہل کردیا کہ شاید یہ کہنا غلط نہو گا کہ آج اللہ کے فضل سے علم وحی کی تحصیل میں وہ سہولتیں نظر آتی ہیں جو بہت سے علوم ایجاد کردۂ بنی آدم میں بھی نہیں دیکھتے۔

توضیح اسکی یہ ہے کہ سفراء معصومین یعنی ملائکہ مقربین کی وساطت سے احکام الٰہی اور کلام خداوندی انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل فرمائے جاتے ہیں۔ اور کلام الٰہی کا مطلب اصلی اور منشاء واقعی اُنکے قلوب میں خوب راسخ فرماکر تبلیغ وہدایت خلق اللہ کا عظیم الشان کام اُنکے سپرد کیا

جاتا ہے اور انبیاء کرام کے وہ کمالات جلیلہ شریفہ جنکو بالاجمال ابھی عرض کر چکا ہوں اُن کمالات پر بھی بس نہیں کیجاتی بلکہ طرح طرح سے احکام خداوندی کی تبلیغ اور اُنکی محافظت کا عظیم الشان اہتمام کیا جاتا ہے جسکی کیفیت بخوبی اس آیۃ کریمہ سے ظاہر ہے۔ عالم الغیب فلا یظہر علیٰ غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول فانہ یسلک من بین یدیہ ومن خلفہ رصدا لیعلم ان قد ابلغوا رسالات ربھم واحاط بما لدیھم واحصی کل شئ عددا۔ خلاصہ مضمون آیۃ یہ ہے کہ حق تعالیٰ عالم الغیب اپنے بھید کی باتیں پیغمبروں کے سوا کسی پر ظاہر نہیں فرماتا اور اپنے رسول کی حفاظت و حمایت سب طرف سے کرتا ہے تاکہ رسولوں کا احکام الٰہی کی تبلیغ کرنا محقق ہو جائے اور کوئی فتور و قصور تبلیغ وحی میں نہ آوے اور اللہ کا علم و قدرت رسولوں کے احوال اور تمام اشیاء کو محیط ہے کوئی امر اُسکے علم و قدرت سے خارج نہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ احکام بذریعہ وحی خاص انبیاء پر نازل ہوتے ہیں اور لفظ ارتضی سے یہ بھی سمجھ میں آگیا کہ حضرات انبیاء کرام کے تمام ملکات و علوم و اعمال و اخلاق و احوال پسندیدہ جناب باری و اکمل و اعلیٰ ہوتے ہیں اور یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ وحی الٰہی اور اُسکی تبلیغ کا ہر طرح سے ایسا انتظام و محافظت تام منجانب اللہ ہوتا ہے کہ کسی نقصان و خلل کا اُس میں امکان محال ہے نہ یہ ہوسکتا ہے کہ شیطان کے کسی قسم کے دخل کو وہاں تک رسائی ہو نہ یہ ممکن ہے کہ حضرات انبیاء سے اُسکے فہم مطلب میں غلطی اور اُس کی تبلیغ میں کسی قسم کی کوتاہی یا بھول چوک ہو جائے۔

اسی کے ساتھ یہ ہوتا ہے کہ منجملہ کمالات گوناگوں عبودیت و عصمت دو کمال عظیم الشان انبیاء علیہم السلام کو خاص طور سے عطا ہوتے ہیں۔

عبودیت کا خلاصہ تو یہ ہے کہ اپنے تمام کمالات کو محض انعام و عطاے خداوندی اور اپنے آپکو تمام کمالات وغیرہ میں اُسی کا محتاج اور دست نگر سمجھتے ہیں جسکی وجہ سے اتباع احکام الٰہی میں ایسی چستی اور اُسکی رضا جوئی میں اسقدر محو اور چالاک کہ ہر ایک امر خداوندی کے بجالانے کو جان و دل سے تیار اور ہر ایک مخالف مرضی سے متنفر اور بیزار بجز اطاعت و فرمانبرداری نہ راحت کا خیال نہ تکلیفات شاقہ کا فکر و ملال نہ عزت سے سروکار نہ کسی کی ایذا رسانی کا دل پر بار۔

اور عصمت کا ماحصل یہ ہی کہ انبیاء علیہم السلام کے اقوال و افعال عبادات و معاملات حالات

وعادات اخلاق وملکات جو سرتاپا پسندیدہ اور برگزیدہ اور حق سبحانہ کی مرضی کے مطابق ہوتے ہیں بعنایت وحمایت الٰہی وہ سب دخل شیطانی اور عوارض نفسانی سے معصوم ومحفوظ رکھے جاتے ہیں اُنکے کسی قول وفعل وغیرہ میں دوسرے احتمال کی گنجایش نہیں ہوسکتی جسکا نتیجہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کی تعلیم قولی وفعلی وغیرہ سب قابل قبول اور واجب الانقیاد ہیں اور اُنکے کسی قول یا فعل یا عادت یا معاملہ سے انحراف موجب خسران دارین ہے۔

پھر اس پر بھی بس نہیں بلکہ کمال علم وعبودیت کے ساتھ حضرات انبیاء علیہ السلام کے مقدس قلوب میں تمام اُمت تمام قوم تمام بنی نوع کی محبت اور سچی خیر خواہی اور ہمدردی اور اُن پر رحمت وشفقت اسقدر القا فرمائی جاتی ہے کہ اُنکی راحت کو اپنی راحت سے اور اُنکی تکلیف ومضرت کو اپنی تکلیف اور مضرت سے کم نہیں سمجھتے مثل پدر شفیق اُنکی تادیب وتعلیم میں جان ومال کسی چیز سے دریغ نہیں فرماتے اُنکی آوارگی اور گمراہی دیکھکر نہایت بے چین وبیقرار ہوتے ہیں لیکن اُنکی ہمت میں فتور اور اُنکی سعی میں قصور نہیں آتا نااہلوں کے پتھر اور گالیاں کھاکر بھی اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون ہی اُنکی زبان پر آتا ہے اور ارشاد حق عزوجل لعلک باخع نفسک ان لا یکونوا مومنین سُنکر بھی اُنکی ہمدردی اور دلسوزی کا جوش فرو نہیں ہوتا۔

اِس پر زہد وقناعت۔ استغنا اور استقامت۔ ہمت وشجاعت۔ فہم وفراست۔ فصاحت وبلاغت۔ فیض صحبت وغیرہ اوصاف میں ایسے کامل کہ ہدایت وحق گوئی میں تن تنہا تمام عالم سے نہ جھجکیں اور کسی طمع اور کسی حاجت کے باعث ہرگز ہرگز کسی سے نہ لجیں امر حق میں سب سے بیگانہ خلق اللہ کی مصلحت بینی اور نفع رسانی میں فرد و یگانہ دوستوں پر عاشق دشمنوں کے سچے بہی خواہ اور طالب صادق تعلیم وتفہیم میں وہ کمال کہ مضمون دقیق وطویل کو سہل اور مختصر فقروں میں بھی صحرانشین کے دلیں ایسا بٹھلا دیں کہ قیامت تلک نکالا نہ نکلے اور جاہل سنگدل ایسا متاثر اور خود رفتہ ہوجائے کہ سنبھالا نہ سنبھلے۔

اب اہل فہم ان جملہ امور مذکورہ بالا کو پیش نظر رکھکر دیکھ لیں کہ جب علم مرضیات الٰہی بندوں تلک پہنچانے میں اسقدر اہتمام واحتیاط ہر ہر طرف سے فرمائی گئی ہے کہ حفاظت وحمایت الٰہی کا یہ حال ہے اور اُسکے لانے والے ایسے مقرب اور معتمد علیہ ہیں اور حضرات انبیاء علیہم السلام کا علم ودیانت راستی وصداقت عبودیت وعصمت اخلاق فاضلہ اور شفقت کاملہ تعلیم وتفہیم عباد میں یہ کمال ہے جو معروض

ہوچکا تو اب ان جملہ انتظامات کاملہ کے بعد فرمایئے کہ علم مرضیات الٰہی کی تحصیل و تسہیل میں کونسی دقت اور اُسکی معتبر اور ہر طرح سے قابل وثوق ہونے میں کونسی کسر باقی رہگئی۔

کلام الٰہی جو فی نفسہ ارشاد انا سنلقی علیك قولا ثقیلا کا مصداق ہے اُسکی نسبت اُن سہولتوں کے بعد جو مذکور ہوئیں۔ صاف صاف اور بار بار ولقد یسرنا القران للذکر فہل من مدکر فرما دینا ہمارے مدعی کی ایسی دلیل ہر کہ پھر کسی دلیل کی حاجت نہیں۔

ہمارے بیانات سے جیسا یہ ثابت ہوا کہ تحصیل علم وحی بذریعۂ انبیاء کرام ہمپر سہل بلکہ اسہل فرمادی گئی جسکا بیان کرنا اس موقع پر ہمکو مقصود تھا ایسا ہی یہ امر بھی خوب محقق ہوگیا کہ وحی الٰہی کے نزول اور اُسکی تبلیغ و حفاظت میں اسقدر اہتمام ہر طرف سے فرمایا گیا ہے کہ تمام جن و انس ملکر بھی اُسمیں ادنیٰ سا خلل ہرگز نہیں ڈال سکتی چنانچہ اس حفاظت و حمایت کو ادنیٰ اعلیٰ سب پر واضح کردینے کی غرض سے حق سبحانہ نے تاکیدی الفاظ میں یہ وعدہ فرمادیا اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَ اِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ۔

اب اہل عقل و انصاف اوّل تو نزول وحی کے ارکان ضروریہ یعنی وحی نازل فرمانے والے اور وحی کے لانے والے اور جسپر وحی نازل ہوئی ان تینوں کی جلالت و عظمت و رفعت کو حسب بیانات سابقہ ملاحظہ فرمائیں۔ ان سب کے بعد حق تعالیٰ کے اس وعدۂ مستحکم کو دیکھیں پھر فرمائیں کہ اس آہنین بلکہ آہنی قلعہ میں کون خلل ڈال سکتا ہے اور فلسفۂ قدیم کے پٹاخے اور فلسفۂ جدید کی مہتابیاں اس مستحکم قلعہ پر کیا اثر پہنچا سکتی ہیں اور اِنَّ مِنَ الْعِلْمِ لَجَهْلًا کے علماء اور بَعْضُ الْعَقْلِ عِقَالٌ کے عقلاء اپنی ٹکروں سے اُسکی بنیادوں کو کہانتک متزلزل کرسکتی ہیں واللہ اتنا بھی اثر نہیں پہنچا سکتے کہ جتنا پیل مست کو مچھر کی لات اور رعد کی آواز کو مکھی کا بھنبھناٹ۔

(باقی آیندہ)

بعض جزئیات انقلاب مع اصلاح

اصلاح معاملہ بہ نماز

بعد ایمان اعمال میں نماز کا جو درجہ ہے وہ کسی عمل کو حاصل نہیں اور اسکا مقتضا یہ تھا کہ مسلمانوں کو اسکا ایسا خاص اہتمام ہوتا کہ اُس میں کوئی نقص نہ رہتا مگر ہماری کم توجہی و غفلت نے اُسکو بھی کوتاہیوں سے خالی نہ چھوڑا جن میں سے بعض کا بیان اس موقع پر کیا جاتا ہے اور اسکے قبل یہ امر بھی قابل عرض کر دینے کے ہے کہ نماز میں اختلال کا جو وبال ہے وہ اس خاص حیثیت کے اعتبار سے بہ نسبت دوسرے اعمال کے اختلال کے زیادہ ہے کہ نماز فرض ہے اور ہر دن رات میں پانچ بار فرض ہی اسمیں کوتاہی کرنا حق تعالیٰ کو دن بھر میں پانچ بار ناخوش کرنا ہے بخلاف دوسرے اعمال کے کہ بعض فرض نہیں اور یا فرض ہیں تو روزانہ فرض نہیں جیسے روزہ کہ سال بھر میں فرض ہوتا ہے اور زکوۃ کہ وہ بھی سال بھر میں فرض ہوتی ہے اور حج کہ عمر بھر میں ایک بار فرض ہوتا ہے اور زکوۃ اور حج تو سب پر فرض بھی نہیں ہوتا۔ یہ تفاوت تو نماز کو اور افعال سے ہے اب رہگئے تروک جو فرض ہیں یعنی معاصی کا ترک کرنا کہ وہ بھی روزانہ بلکہ ہر وقت فرض ہیں مثلاً غیبت کا ترک کرنا ہر وقت فرض ہے اور اس امر میں یہ تروک بھی مثل نماز کے فرض دائمی ہیں مگر اس پر بھی انکا اختلال نماز کے اختلال سے دو وجہ سے کم ہے ایک یہ کہ یہ تروک ارکان اسلام سے نہیں کیونکہ فرائض سب ارکان نہیں تو اس اختلال سے ارکان کی تفویت لازم نہیں آئی گو معصیت اس سے بھی ہوئی اور نماز رکن اسلام سے ہے تو اسکے اختلال سے ایک رکن کی تفویت لازم آئی اور رکن کو نظر شارع علیہ السلام میں ایک خاص مقصودیت و اہمیت ہے اسلئے رکن کا فوت ہونا شارع کو زیادہ ناگوار ہوگا دوسری وجہ یہ کہ بشہادت حس ترک سہل ہوتا ہے فعل سے کیونکہ ترک میں اکثر احتیاج اہتمام نہیں اور فعل میں اہتمام کی حاجت ہے اور جو چیز سہل ہوتی ہے اُسکا وقوع اکثری ہوتا ہے اسلئے جو تروک فرض ہیں اُنکا وقوع اکثر ہوگا اور اختلال کم اور جو افعال فرض ہیں

اگر پورا اہتمام نکیا جاوے تو اُنکا اختلال اکثر ہوگا اور وقوع کم۔ پس نماز میں اختلال کا احتمال زیادہ ہوا اور اِن تروک مفروضہ میں کم اور یہی مدعا تھا پس ثابت ہوگیا کہ تمام اعمال میں خواہ وہ وجودی ہوں یا عدمی ہوں نماز میں کوتاہی کرنے کا ضرر اکثر اور اشد ہوگا اسلئے اسکی اصلاح نہایت مہتم بالشان ہوئی اسکے بعد بطور نمونہ کے بعض اُن کوتاہیوں کا ذکر ہوتا ہے جو کثیر الوقوع ہیں تاکہ اُن پر تنبہ اور اُنکی اصلاح کی طرف توجہ ہو۔ سو ایک کوتاہی جسکے کوتاہی ہونے میں کوئی خفا ہی نہیں یہ ہے کہ بہت لوگ خود نماز ہی کے مطلقاً پابند نہیں ہیں اسکے معصیت ہونے میں تو کلام کرنیکی اسلئے ضرورت نہیں کہ متفق علیہ ہے البتہ یہ حضرات جو اس میں عذر پیش کیا کرتے ہیں اُنکی نسبت مختصراً کچھ لکھا جاتا ہے بعضے یہ عذر کرتے ہیں کہ ہمکو دنیا کی ضروریات سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی مگر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ محض بہانہ بازی وسخن سازی ہو سبب اصل بے پروائی ولاُابالی پن ہے کم فرصتی مانع نہیں کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ جس روز یا جسوقت انکو فرصت ہوتی ہے تب بھی انکو نماز کی طرف توجہ نہیں ہوتی اگر یہ امر مانع تھا تو اس حالت میں تو یہ مانع مرتفع تھا پھر ترک کی کیا وجہ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصلی مانع بے پروائی ہے جو اس حالت میں بھی مشترک ہے دوسرے اگر یہ مانع ہوتا تو اگر وقت پر فرصت نہ تھی اور اسلئے ادا نہ پڑھ سکے تھے تو قضا کے لئے توکوئی وقت خاص نہیں اور کسی نہ کسی وقت تو فرصت ہوتی ہے اُسوقت میں قضا پڑھ لیتے جیسے نماز کی پابندی والوں کی عادت ہے کہ اگر کسی روز وقت نکل جاتا ہے تو اہتمام کر کے قضا پڑھتے ہیں۔ تیسرے اگر بے پروائی سبب نہ ہوتا تو اس کوتاہی پر قلق ہوتا جیسا مطالب دنیویہ کے فوت ہونے پر مدتوں حسرت ہوتی ہے اُسکی فکر لگجاتی ہے اُسکی تلافی کی کوشش کرتے ہیں تدبیریں پوچھتے پھرتے ہیں کیا ان بے نمازوں کو اس فکر وکوشش اور اس قلق وسوزش میں دیکھا جاتا ہے ان قرائن سے سبب اصلی کی اچھی طرح تشخیص ہوگئی اسکے علاج کے لئے دو امر کی ضرورت ہے ایک یہ کہ تارک نماز کے وعیدوں میں غور کیا کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کو کافر فرمایا ہے خواہ تاویل ہی سے فرمایا ہو اور ایسے شخص کا دوزخ میں جانا پھر فرعون ہامان قارون کے ساتھ جانا ارشاد فرمایا ہے۔ اور قیامت میں سب سے اوّل پرسش نماز ہی کی ہوگی اور ان وعیدوں کی تقویت کے لئے دوزخ کے حالات پڑھا اور سنا کریں انشاء اللہ تعالیٰ بے پروائی جاتی رہیگی

دوسرا امر یہ کہ اپنے نفس پر جبر کرے کہ بدون ہمت کے کیسا ہی آسان کام ہو دشوار ہو جاتا ہے اور جبر کی دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ کسی کو اپنے اوپر مسلط کر دے کہ وہ زبردستی اسکو وقت پر اُٹھا کر کھینچکر نماز پڑھوا دیا کرے دوسری صورت یہ کہ نماز کے ترک ہونے پر کچھ ہی جرمانہ اپنے نفس پر مقرر کرے جسکی مقدار اتنی ہو کہ نہ بہت قلیل ہو کہ نفس کو کچھ ناگوار ہی نہو نہ بہت کثیر ہو کہ اُس کا ادا کرنا مشکل ہو جاوے جب نماز ترک ہو وہ جرمانہ مساکین کو دیدیا کرے اور یہ صورت جرمانہ کی سنت کے موافق ہے کہ نسائی کی روایات میں ترک جمعہ و جماع فی الحیض پر تصدق کا امر آیا ہے دوسروں سے جرمانہ لینا بوجہ حدیث الا لا یحل مال امرئ الا بطیب نفس منہ علماء کے نزدیک منسوخ ہے اور جائز نہیں یا کوئی بدنی جرمانہ مقرر کرے اُسکے بھی دو طریقے ہیں ایک طریقہ یہ کہ اُس پر عبادت کی مشقت ڈالے یعنی مثلاً ایک نماز فوت ہو تو اُسکو قضا کرے اور بیس رکعت نفل مثلاً پڑھے۔ نفس دو تین چار مرتبہ میں ٹھیک ہو جاویگا دوسرا طریقہ یہ کہ اُسپر عادت کی مشقت ڈالے یعنی مثلاً ایک نماز قضا ہو تو ایک وقت کھانا نہ کھاوے اگر دو نمازیں قضا ہوں دو وقت کھانا نہ کھاوے چونکہ نفس پر یہ بہت شاق ہوگا بہت جلدی اس سے صلح کر لیگا بعضے بزرگوں نے یہ معمول کر رکھا تھا کہ جس روز تہجد قضا ہوتا تھا۔ اپنے بدن پر کئی کئی قمچیاں توڑ ڈالتے تھے اور فرماتے کہ اگر تو پھر ایسا کریگا میں پھر ایسا ہی کرونگا بعض معاصی پر شریعت میں روزہ کے ساتھ کفارہ مشروع ہونا اور خود ترک صلوۃ پر فقہاء کا تعزیر کو جائز رکھنا اس مشقت عادیہ کا ماخذ ہو سکتا ہے بعض لوگ حالت صحت و حضر و فراغ میں تو پابند ہوتے ہیں مگر مرض و سفر و شغل میں پابند نہیں رہتے اسکا سبب بجز ضعف ہمت و بیفکری کے کچھ نہیں اگر آدمی کسی کام کا ارادہ و فکر کرتا ہے کچھ نہ کچھ صورت اُس کی بن ہی جاتی ہے ادنے بات ہے کہ اگر ان حالات میں پیشاب پائخانہ کا دباؤ ہو تو کیا اُسکی ضرورت سے تھوڑی دیر کے لئے سفر یا شغل کو منقطع کرنا نہیں پڑتا یا مرض کی حالت میں اُٹھنا نہیں پڑتا اور کیا اُٹھتا نہیں پھر فرق بجز اسکے کیا ہے کہ اُسکو ضروری سمجھکر اُسکا ارادہ کرتا ہے اور یہ احوال مانع نہیں ہوتے اور نماز کو غیر ضروری سمجھکر اُسکا ارادہ نہیں کرتا اور وہ مانع ہو جاتا ہے اور اس سے زیادہ کونسی حالت افسوسناک ہوگی کہ پیشاب پائخانہ کی ضرورت سے تو عین موانع میں وقت نکل آتا ہے اور نماز کی ضرورت سے وقت نہیں نکلتا پھر خاصکر سفر و مرض میں تو رعایتیں و تخفیفیں بھی بہت سی

دیگئی ہیں مثلاً پانی پر قدرت نہ ہو تو تیمم جائز ہے اور قیام پر قدرت نہ ہو تو قعود جائز ہے ارکان پر قدرت نہ ہو اشارہ جائز ہے قبلہ معلوم نہ ہو تحری جائز ہے جن کے احکام کی تفصیل کتب فقہ میں مذکور ہے۔ یہاں سے ریل میں سوار ہو کر نمازیں چھوڑنے والوں کے عذر کا اور گھر کے کاروبار میں مشغول ہونے والیوں کے عذر کا بارد و لچر ہونا معلوم ہو گیا ہو گا بالخصوص بیماری میں نماز چھوڑنا اور بھی محل افسوس ہی کیونکہ ہر بیماری پیغام موت ہے گو اُس سے صحت ہی ہو جاوے مگر وہ حالت تو اسکی محتمل ہے کہ شاید موت کا سبب ہو جاوے سو اُس حالت میں تو نماز و انابت الی اللہ کا اور زیادہ اہتمام چاہئے تاکہ اگر مرے تو خاتمہ بالخیر ہو اُس میں غفلت سخت تعجب انگیز ہے بعضے بیمار اسلئے نماز چھوڑ دیتے ہیں کہ اُنکا کپڑا اور بدن پاک نہیں ہوتا خواہ بیماری چند روزہ ہو یا ممتد مثل سلس البول وغیرہ کے ہو مگر یہ عجیب ہے اسلئے کہ دو حال سے خالی نہیں یا تو وہ اُنکے پاک کرنے پر بلا ضرر قادر ہیں یا نہیں اگر قادر ہیں تو عذر کیسا اور اگر قادر نہیں تو وہ معذور ہیں اُنکو اُسی حالت میں نماز کا حکم ہے اور وہ نماز اُنکی صحیح اور کامل ہے پھر اُنکو اپنی رائے اور طبیعت سے اُسکو ناجائز یا بیکار اور ناقص سمجھنے کا کیا منصب ہے۔ ایک حالت خاص عورتوں کو علی الدوام پیش آتی ہے جسکے احکام نہ جاننے سے یا جانکر بے پروائی کرنے سے بڑی بڑی پابند اور دیندار عورتوں کی نمازیں کھنڈت پڑ جاتی ہے اور وہ حالت انقطاع حیض کی ہے۔ حکم تو یہ ہے کہ اگر انقطاع حیض کے وقت نماز کا اخیر وقت ہو اور اتنا ہی باقی ہو کہ جلدی جلدی بدون سر میں سرسوں یا کھلی ڈالکر دھوئے یا بدن کا میل اوتارے تمام بدن پر پانی بہا کر کپڑے پہنکر ایک بار اَللّٰہُ اَکْبَرُ کہہ سکے تو اُسوقت کی نماز اسکے ذمہ فرض ہو جاتی ہے اور گو اُسوقت تکمیل کی گنجایش نہیں مگر ثمرہ اس فرض ہونے کا قضا میں ظاہر ہو گا یعنی اُس نماز کو دوسرے وقت قضا کرنا پڑیگا اور جن نمازوں کا پورا وقت انقطاع کے بعد ملا ہے اُن نمازوں کا تو ادا پڑھنا فرض ہو گا اب عموماً عورتوں میں بے پروائی دیکھی جاتی ہے کہ اوّل تو وہ اسکا خیال نہیں رکھتیں کہ حیض کسوقت منقطع ہوا ہے ممکن ہے کہ وہ کسی نماز کے اتنے اخیر وقت میں منقطع ہوا ہو جس میں غسل ضروری و تکبیر تحریمہ کی گنجایش ہو اور اسلئے وہ نماز اُن پر فرض ہو گئی ہو لہذا اُنکے ذمہ یہ ضرور ہے کہ ہر نماز کے اخیر وقت میں ضرور پاکی ناپاکی کو دیکھ لیا کریں تاکہ اُنکو معلوم ہو سکے کہ فلاں وقت کی نماز بھی ہمارے ذمہ

فرض ہوگئی دوسرے بعد علم انقطاع کے بھی پورے پورے کئی کئی وقت غسل میں دیر کرکے ٹالدیتی ہیں اور پھر غضب یہ ہے کہ ادا نکرنے کا گناہ تو اپنے سر لیا ہی تھا ان اوقات کی نمازوں کو قضا بھی نہیں پڑہتیں اور اس طرح سے ہر مہینہ ان کے ذمہ کئی کئی نمازیں چڑہتی چلی جاتی ہیں جنکا مجموعہ عمر بھر میں ایک بڑی مقدار کو پہونچتا ہے اگر ہر مہینہ تین ہی تین نمازیں جمع ہوتی رہیں تو سال بھر میں چھتیس ۳۶ اور تیس ۳۰ برس میں ایک ہزار سے زیادہ ہوتی ہیں پھر انکی نہ حیات میں قضا ہے نہ مرتیکے وقت انکے فدیہ کی وصیت ہے آخر انہوں نے قیامت کے لئے کیا جواب تیار رکھا ہے اور پھر اسپر یہ گمان کہ ہم نماز کے پابند ہیں جب قیامت میں یہ غلطی خلاف توقع ظاہر ہوگی اسوقت کیا حال ہوگا ان سب کا علاج بھی وہی دو امر ہیں جو اوپر مذکور ہوئے یعنی وعیدوں میں غور کرنا اور نفس پر جبر کرنا اور جو غلطی احکام نہ جاننے سے ہے اسکے لئے احکام کا سیکھنا پوچھنا اور چونکہ عورتوں کو غالب احوال میں پوچھنے کا سامان کم میسر ہوتا ہے اسلئے مردوں پر واجب ہے کہ اپنے متعلقین کو احکام شرعیہ بتلاتے رہیں جو نہ معلوم ہوں علماء سے تحقیق کرکے بتلادیں اور عورتوں پر واجب ہے کہ جو صورت پیش آوے گھر کے مردوں کو فرمایش کریں کہ وہ علماء سے پوچھکر انکو بتلادیں اور اگر گھر کے مرد غفلت کریں دوسرے شخص کے واسطہ سے تحقیق کریں اگر کوئی توجہ نکرے تو خود علماء کے گھر جاکر انکے محارم یا بیبیوں کے ذریعہ سے دریافت کریں ورنہ گنہگار ہونگی اور ضروری احکام پوچھنے کے لئے جب جانیکی ضرورت ہو اگر شوہر جانے سے منع کرے تو اسکی اطاعت واجب بلکہ جائز بھی نہیں اور اگر لکھنا آتا ہو تو جانیکی ضرورت نہیں بذریعہ خط کے دریافت کرتی رہیں اور یہ سب جب ہے جب کہ کوئی مرد خاندان کا انکے کہنے سے علماء سے مسئلہ پوچھکر انکو نہ بتلادے ورنہ کسی کو خط لکھنا یا کہیں جانا اپنے شوہر کے خلاف مرضی جائز نہیں۔

بعضی عورتوں کے پابند نہ ہونے کا ایک سبب اور ہے وہ یہ کہ ایسی طبائع کم ہیں جو محض خدا کے خوف سے بجا آوری احکام کا اہتمام کرتی ہوں زیادہ سبب مداومت کا عادت ہے سو چونکہ عورتوں کو ہر ماہ میں بوجہ ایام معمولی کے کئی کئی روز تک نماز پڑہنے کا اتفاق نہیں ہوتا اسکا اثر بعد پاک ہونے کے بھی یہ رہتا ہے کہ بعض اوقات نماز میں سستی ہوجاتی ہے گو اسکا اصلی علاج تو یہی ہے کہ خدا تعالےٰ کا خوف دل میں پیدا کیا جاوے مگر سبب ظاہری کا علاج کہ وہ بھی ایک درجہ میں کافی ہے وہ یہ

جسکو فقہا نے ذکر فرمایا ہے کہ عورت کو حالت حیض میں بھی مستحسن ہے کہ نمازوں کے اوقات میں وضو کر کے مصلے پر جا بیٹھے اور تھوڑی دیر تسبیح و تہلیل میں مشغول رہے اس سے وہ عادت محفوظ رہتی ہے اور جو سستی ترک عادت کے سبب ہو سکتی ہے وہ نہیں ہوتی۔

بعضے بے نمازوں کا عذر شرعی پیرایہ لئے ہوئے ہے کہتے ہیں کہ نماز بدون حضور قلب ہوتی نہیں اور حضور قلب ہم سے ہو نہیں سکتا اسلئے نماز ہی چھوڑ دی۔ درحقیقت اس استدلال میں انہوں نے خلط و تلبیس سے کام لیا ہے کیونکہ جس حضور قلب پر نماز کی صحت یا کمال موقوف ہے وہ اور ہے اور جو ہمارے امکان سے خارج ہے وہ اور ہے تو دونوں مقدموں میں حد اوسط مکرر نہیں لہذا یہ استدلال غلط ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ حضور قلب کے مراتب مختلف ہیں ایک مرتبہ وہ ہے جسکو فقہا نیت کہتے ہیں اور وہ موقوف علیہ ہے صحتِ صلوۃ کا یعنی بدون اسکے نماز ادا ہی نہیں ہوتی اور دوسرا مرتبہ وہ ہے جسکو خشوع کہتے ہیں جسکی حقیقت انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب مذکور ہو گی اور وہ موقوف علیہ ہے کمالِ صلوۃ کا یعنی اسکے نہ ہونے سے نماز صحیح تو ہو جاتی ہے مگر کامل نہیں ہوتی تیسرا مرتبہ وہ ہے جسکو قطع وساوس سے تعبیر کرنا مناسب ہے یعنی اصلاً کسی قسم کا خطرہ نہ آوے اور یہ ایک قسم کا استغراق اور حال ہے اسپر نہ صحت صلوۃ کی موقوف ہے اور نہ کمال صلوۃ کا۔ البتہ فی نفسہ ایک محمود حالت ہے گو مقصود نہیں اور اوّل اور دوسرا مرتبہ اختیاری اور مقدور اور شرعاً مامور بہ ہے اور تیسرا مرتبہ غیر اختیاری اور غیر مقدور اور شرعاً غیر مامور بہ ہے اور اوّل مقدمہ میں یہی مراد ہے اور دوسرے مقدمہ میں یہی مراد ہے جب حد اوسط مشترک نہیں تو نتیجہ کیسے نکلے گا اور اگر دونوں مقدموں میں ایک ہی مراد ہو تو پھر ایک مقدمہ باعتبار مادہ کے غلط ہو گا مثلاً دونوں جگہ مرتبہ اوّل یا ثانیہ مراد ہو تو اوّل مقدمہ صحیح ہو گا مگر دوسرا مقدمہ غلط ہو گا کیونکہ مرتبہ اوّل و ثانیہ مقدور ہے جیسا ابھی بیان ہوا اور مقدور کو غیر مقدور کہنا غلط ہو گا اور اگر دونوں جگہ مرتبہ ثالثہ مراد لیا جاوے تو دوسرا مقدمہ صحیح ہو گا مگر پہلا مقدمہ غلط ہو گا کیونکہ مرتبہ ثالثہ شرعاً غیر مامور بہ ہے جیسا ابھی بیان ہوا اور غیر مامور بہ کو مامور بہ کہنا غلط ہو گا جیسا مقدمہ اولیٰ میں لازم آتا ہے کیونکہ کسی امر کا صلوۃ کے لئے صحۃً یا کمالاً موقوف علیہ ہونا مستلزم ہے اس امر کے مامور بہ ہونے کو جیسا کہ ظاہر ہے جب ایک مقدمہ غلط ہوا تب بھی انتاج صحیح نہ ہوا غرض خواہ ہیئت قیاس کی غلط ہو یا مادہ نتیجہ دونوں حال میں غلط ہو گا۔ پھر علاوہ فی نفسہ غلط ہونیکے

ان لوگوں کو یہ خبر نہیں کہ ان کے اس استدلال سے نص قطعی لَایُکَلِّفُ اللہُ نفساً اِلَّا وُسْعَھَا کی تکذیب لازم آتی ہے کیونکہ جو مرتبہ حضور کا ایسا ہی کہ بدون اُسکے نماز نہیں ہوتی خواہ مرتبہ صحت میں یا مرتبہ کمال میں لامحالہ شریعت میں اُسکے حاصل کرنے کا حکم ہوگا اور جس امر کا حکم ہوتا ہے اُسکا داخل وسعت ہونا بنص بالا لازم ہے پھر اُسکو وسعت سے خارج کہنا نص کی تکذیب ہے یا نہیں پھر ان عقل کے پتلوں سے کوئی پوچھے کہ نماز میں جتنے فرائض موقوف علیہ صلوۃ کے ہیں اگر وہ کبھی وسعت سے خارج ہوجاتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ شریعت اُسکا کوئی بدل اُسکے قایم مقام کرکے اُسکی اجازت دیتی ہے مثلاً قیام فرض ہے اگر قدرت نرہے قعود اُسکے قایم مقام ہوتا ہے۔ علیٰ ہذا پس اگر اسکو تسلیم بھی کرلیا جاوے کہ حضور قلب کا مرتبہ ضرور یہ وسعت سے خارج ہے تو ضرور ہے کہ شریعت میں کوئی اُسکا بدل ہوگا سو اُس بدل کے ساتھ نماز پڑہنا ضرور ہوا پھر ترک کی کیسے گنجایش نکلی۔ یہ اُسوقت ہے جب کہ حضور قلب اُسکا رکن ہو اور اگر رکن نہ ہو تو اس صورت میں سوچنا چاہیئے کہ نماز بلا حضور پڑہنے میں تو نماز کے ایک تابع متعلق کا فوت ہے اور نماز نہ پڑہنے میں خود اصل متبوع ہی کا فوت ہے تو متبوع کا فوت کردینا اشد ہے یا تابع کا۔ پھر چونکہ تابع کا وجود بدون متبوع کے نہیں پایا جاتا اور متبوع کو فوت کردیا ہے تو لامحالہ تابع بھی فوت ہوگا تو نماز پڑہنے میں تو صرف حضور قلب ہی فوت ہوتا اور نہ پڑہنے میں وہ حضور بھی گیا اور نماز بھی گئی تو صرف تابع کا فوت ہونا اہون ہے یا متبوع و تابع ہر دو کا خوب سمجھ لو۔ چونکہ سبب انکی غلطی کا جہل ہے ہماری اس تقریر میں غور کرنا اس جہل کا علاج ہے۔

بعضے لوگوں کے نماز نہ پڑہنے کا یہ مبنیٰ ہے کہ وہ باوجود دعوے اسلام کے نماز کو فرض نہیں سمجھتے پھر ان میں دو قسم کے لوگ ہیں بعض فلسفیت کے رنگ میں ہیں اور بعض تصوف کے رنگ، میں قسم اوّل کی تقریر یہ ہے کہ اصل مقصود شارع کو تہذیب اخلاق ہی زمانہ نزول حکم صلوۃ میں لوگوں میں صفات ذمیمہ کبر وظلم وغیرہ کا غلبہ تھا نماز کی ہیأت و اوضاع و اذکار تواضع ولین کی تعلیم دیتے ہیں اسلئے اُنکو نماز کا حکم کیا گیا ہم چونکہ مہذب ہوچکے ہیں لہذا ہملو نماز کی ضرورت نہیں جواب اسکا یہ ہے کہ یہ سب اسپر مبنی ہے کہ احکام شرعیہ کو مقصود بالذات نہ کہا جاوے مقصود بالغیر کہا جاوے اور پھر وہ غیر بھی وہی امور ہوں جو تم دعویٰ کرتے ہو سو اسمیں دو دعوے تمھاری طرف سے ہوئے ہیں جنکا ثابت کرنا تمھارے ذمہ ہے جس پر تم قیامت تک بھی قادر نہ ہوگے بلکہ یہ احکام خود بھی

مقصود بالذات معلوم ہوتے ہیں۔

پس ایسے بے سروبن شبہات سے یہ قطع ویقین زائل نہیں ہوسکتا غرض عقلاً وسمعاً ایسا اعتقاد یقیناً الحاد وزندقہ ہے اور ایسا شخص ہرگز مسلمان نہیں اُسکو نماز کے ساتھ تجدید ایمان کا خطاب کرنا ضروری یہ جواب جب ہے کہ ہم اسکو مان لیں کہ واقعی یہ لوگ اپنی تہذیب نفس سے فارغ ہوچکے ہیں۔ حالانکہ ہنوز اس میں کلام ہے ترفع وتجبر وتعلّی وتکبر وظلم ونخوت وقساوت وغفلت جس درجہ ان مدعیوں میں بڑھی ہوئی ہے اُس زمانہ میں اسکا عشر عشیر بھی نہ تھا اگر مشروعیت صلوۃ کی ان ہی مصالح کے لئے ہوتی تب بھی یہ لوگ بہ نسبت اُس زمانہ والوں کے نماز کے زیادہ محتاج ہوتے اس مرض کا کہ جہل ہے نیز علاج ہماری اس تقریر میں غور کرنا اور یہ کافی نہ ہو تو محققین سے اپنے شبہات کو دفع کرلینا ہے قسم ثانی کی یعنی جو تصوف کے رنگ میں ہیں اُنکی تقریر یہ ہے کہ اصل مقصود قرب الٰہی ہے اور نماز و دیگر طاعات بھی اُسکا واسطہ ہے اور واسطہ بھی بالصورۃ نہیں بلکہ بالحقیقت اور وہ حقیقت ذکر ہے پس اگر کسی کو ذکر دائم میسر ہوجاوے اُسکو نماز کی حاجت نہیں یا نماز ہی پڑھ پڑھ کر مقام قرب میسر ہوجاوے پھر بھی نماز کی حاجت نہیں اگر پڑھتا بھی رہے تو اُسپر فرض نہیں رہی فرائض اسکے حق میں نوافل ہوگئے۔ اسکے جواب میں بھی وہی تقریر بالا جو فلاسفہ کے مقابلہ میں لکھی گئی کافی ہے اور اس پر بھی وہی فتویٰ اور وہی علاج عرض کیا جاویگا۔ اور دونوں کے خطاب میں اِس مثال کا پیش کرنا مفید ومعین رفع شبہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح بعض ادویہ طبیہ میں باوجود بعض کے فاعل بالکیفیۃ ہونے کے بعض فاعل بالخاصیۃ ہوتے ہیں اور اسکی تعیین اطباء ماہرین کے حکم سے ہوتی ہے اِسی طرح اگر ان سب عبادات شرعیہ کو محض اپنی صورۃ نوعیۃ وخاصیۃ کے اعتبار سے خاص ثمرات مثل اخلاق مرضیہ حق ونجات وقرب ورضا میں فاعل اور موثر کہا جاوے اسکی نفی کی کیا دلیل ہے اور اثبات کی دلیل نصوص کا سیاق واطلاق ہے کہ کہیں ان کا فاعل بواسطہ ہونا نہیں بتلایا گیا اور جو کہیں بعض طاعات کی حکمت بتلائی گئی ہے تو غایت مافی الباب اُس حکمت کا مرتب علی الاحکام ہونا ثابت ہوتا ہے نہ کہ مرتب علیہ الاحکام ہونا اور دعوی خصم کا موقوف ہے ثبوت امر ثانی پر۔ یہ سب صورتیں تھیں ایک کوتاہی کی یعنی نماز نہ پڑھنے کی۔

(باقی آیندہ)

دنیا میں اسلام کیونکر پھیلا

(سلسلہ کیلئے القاسم نمبر ۱۱ ملاحظہ ہو)

آپ نے فرمایا کہ کچھ سوار ہمسے آگے جاکر پرلے کنارہ پر قابض ہو جائیں۔ عاصم بن عمر اور ذوالباس چھ سو سواروں کو لیکر دجلہ میں داخل ہوئے۔ کنارہ کے قریب اہل فارس نے کچھ مزاحمت کی مگر وہ ہٹادئے گئے اور کنارہ پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔ حضرت سعد نے حکم دیا کہ کل لشکر دریا میں داخل ہو جائے اور یہ کلمات دعائیہ ورد زبان رکھے۔ نستعین باللہ ونتوکل علیہ حسبنا اللہ ونعم الوکیل واللہ لینصرن اللہ ولیہ ولیظھرن دینہ ولیھزمن عدوہ وَلا قوۃ اِلّا باللہِ العلیّ العظیمِ۔ (ہم اللہ سے مدد چاہتے اور اُسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ کافی ہے اور وہ اچھا وکیل ہے۔ قسم ہے خدا کی اللہ اپنے دوست کو فتح دیگا اور اپنے دین کو غالب کریگا اور دشمن کو ہزیمت دیگا۔ سواء اللہ کی مدد کے کسی میں کچھ قوت نہیں)۔

عبور کرتے وقت لشکر کی ترتیب اس طرح دی گئی تھی کہ دو دو مسلمان باہم ملے ہوئے اور باتیں کرتے ہوئے جائیں۔ حضرت سعد کے رفیق حضرت سلمان فارسی تھے۔ حضرت سعدؓ باربار فرماتے جاتے تھے واللہِ لینصرنّ اللہُ ولیہ ولیظھرن دینہ ولیھزمن عدوہ مالم یکن فی الجیش بغی اوذنوب تغلب الحسنات (قسم ہے خدا کی اللہ اپنے دوست کی مدد کریگا۔ اور اپنے دین کو غالب کریگا اور دشمن کو مغلوب کریگا جبتک کہ لشکر میں ظلم اور گناہوں کی کثرت نہو)۔

حضرت سلمان نے فرمایا کہ اسلامی لشکر جس طرح داخل ہوا ہے اُسی طرح صحیح وسالم پار ہوگا ایسا ہی ہوا کہ ساٹھ ہزار اسلامی شہسوار دجلہ پر پھیلے ہوئے اس طرح بے تکلف باتین کرتے جاتے تھے گویا باغ کی روشوں پر تفریح کیلئے چہل قدمی کر رہے ہیں۔ نہ کوئی شخص دریا میں ڈوبا نہ کسی کی کوئی چیز ضائع ہوئی۔ البتہ ایک شخص عرقدہ نام گھوڑے سے پانی میں گرے۔ مگر اُنکے رفیق قعقاع نے فوراً نکال لیا۔ ایک سوار کا پیالہ دریا میں گر گیا۔ (چونکہ بجز اُنکے کسی کی چیز ضائع نہوئی تھی اُنپر ایک قسم کے طعن کا موقع تھا) اُنکے رفیق نے بطور طعن اور مذاق

کے کہا اصابہ القدر فطاح (تقدیر نے اسکو اڑا دیا) اُس شخص نے کہا واللہ انی لعلی حالۃ ما کان اللہ یسلبنی قدحی من بین اھل العسکر (قسم ہے خدا کی میں ایسے حال میں ہوں کہ لشکر بھر میں صرف میرا پیالہ کبھی سلب نہ کیا جائیگا۔)

اللہ اکبر۔ اس شخص کا صدق واخلاص کس درجہ پر تھا کہ پیالہ تو دریا میں گر گیا موج اُس کو بہا کر لیگئی۔ مگر اس اللہ کے بندے کے اطمینان میں فرق نہیں آتا وہ قسم کہا کر کہتا ہے کہ میرا پیالہ کبھی ضایع نہوگا۔ اور ہوا بھی ایسا ہی۔ لشکر دریا پار ہو چکا تو موج نے اُس پیالہ کو کنارہ پر پہنچا دیا ایک شخص نے اُٹھا لیا اور مالک نے پہچان کر لیا۔

دجلہ کو ایسی طغیانی کی حالت میں ساٹھ ہزار سواروں کا اطمینان وسکوں کے ساتھ باہم گفتگو کرتے ہوئے طے کر لینا اور کسی کی جان ومال کا نقصان نہونا کچھ کم عجیب بات نہ تھی۔ بیشک اسلام کی کھلی کرامت اور اُسکے دین آسمانی ہونیکی پوری شہادت تھی۔ مگر اس سے بھی زیادہ حیرت میں ڈالنے والی یہ بات تھی کہ دریا کے زور شور میں تیرتے ہوئے جو گھوڑا تھک جاتا اُسکے آرام کرنے کے لئے اُسی جگہ پانی میں ٹیلہ ظاہر ہو جاتا تھا جس پر کھڑے ہو کر گھوڑا سستا لیتا اور تھکن اُتار لیتا تھا۔ قریب قریب تمام گھوڑوں کو ایسا اتفاق ہوا۔ اسی وجہ سے اس دن کا نام تواریخ عرب میں یوم الماء اور یوم الجراثیم رکھا گیا۔

اگرچہ گھوڑے دریا میں تیر سکتے ہیں مگر اتنے گہرے دریا کو جسمیں معمولی حالت میں جہاز چلتے ہوں بے انتہا جوش وطغیانی کی حالت میں اور جبکہ اُسکا عرض میلوں کا ہو رہا ہو۔ طے کر لینا گھوڑوں کی طاقت سے بالکل خارج اور عادت کے بالکل خلاف تھا۔ جن لوگوں نے ہندوستان میں گنگا جمنا اور دریاء سندھ وغیرہ دریاؤں کو برسات کی طغیانی میں دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ ایسے وقت اُنکو گھوڑوں یا ہاتھیوں کے ذریعہ سے عبور کرنا ممکن نہیں ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اہل مدائن نے اس خارج از عقل وقیاس حالت کو دیکھا تو شہر خالی کر کے چلدئے مگر ممکن ہے کہ کوئی ہٹ دھرم اب بھی کج بحثی کر کے اس روشن کرامت اور واضح دلیل کو مٹانا چاہے۔

لیکن اس امر کو کہ جہاں ضرورت ہوئی دریا میں ٹیلا ظاہر ہو گیا اور گھوڑے زمین پر کھڑے آرام کرنے لگے کسی سبب ظاہری سے متعلق نہیں کر سکتا اور اُسکو بجز اقرار کرامت اسلام وتائید آسمانی

کوئی چارہ نہیں ہے۔ اس عجیب و غریب تائید آسمانی کو نافع بن الاسود اشعار میں بیان کرتے ہیں۔

واملنا علی المدائن خیلاً　　بحرھا من برھن اریضا

فانتشلنا خزائن المرء کسریٰ　　یوم ولوا وحاص منا جریضا

(ہمنے مدائن پر گھوڑوں کو جھکا دیا کہ مدائن کا دریا انکے واسطے میدان کی طرح خوشنما تفریح کی جگہ تھی)

(پھر ہمنے کسریٰ کے خزانوں کو نکال لیا جبکہ اُن لوگوں نے پشت پھیری اور کسریٰ مغموم ہوکر ہمسے بھاگا۔)

مال غنیمت کی فراہمی مدائن سے جسقدر مال غنیمت حاصل ہوا اُس سے قبل کسی معرکہ میں نہوا تھا۔ کڑوڑوں روپیہ کے اسباب کو اور خاص اُس سونے اور چاندی اور جواہرات سے بنے ہوئے فرش کو (جو کسریٰ کیلئے مخصوص درباروں اور دوسرے طرب و نشاط کے جلسوں میں بچھایا جاتا تھا جسکو حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے لشکر سے اجازت لیکر امیر المومنین کی خدمت میں مدینہ منورہ بھیجدیا تھا اور جسکے ایک بالشت مربع ٹکڑے کی قیمت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بیس ہزار ملی تھی۔) مستثنیٰ کرکے ساٹھ ہزار سواروں کو فی کس بارہ ہزار حصہ ملا تھا۔ اہل فارس نہایت بدحواسی کے ساتھ بھاگے تھے انکے بیش قیمت مال و متاع کو جابجا جنگلوں راستوں اور متفرق مقامات سے جمع کیا گیا۔ بہت سامال تعاقب کی حالت میں ہاتھ آیا۔

عمرو بن مقرن صاحب اقباض مقرر کئے گئے۔ جسکو جہاں سے کوئی چیز ملتی تھی صاحب اقباض کے حوالہ کرتا تھا۔ ایسی حالت میں کسی چیز کا ضائع ہونا یا کسی میں کچھ تصرف کا ہوجانا مستبعد نہ تھا مگر نہ کوئی چیز ضائع ہوئی نہ کسی میں کچھ تصرف ہوا۔

نہروان کے پل پر چند اہل فارس کو دیکھا کہ ایک خچر کو جسپر دو صندوق لدے ہوئے تھے تیزی کیساتھ دھکیلتے ہوئے لئے جاتے تھے۔ مسلمان سمجھ گئے کہ ضرور اسمیں کچھ قیمتی سامان ہے۔ انکو چھین کر صاحب اقباض کے حوالہ کیا۔ دیکھا تو اُن میں کسریٰ کا وہ نہایت قیمتی تاج تھا جو کسی عظیم الشان دربار کے موقع پر زیب سر ہوتا تھا۔

ایک شخص نے بڑا ڈبہ جواہرات کا صاحب اقباض کے حوالہ کیا جسکو دیکھکر اُنہوں نے اور اُنکے عملہ نے فرمایا کہ ہمنے ابتک ایسی یا اسکے لگ بھگ کوئی چیز نہیں دیکھی اور جو مال اسوقت تک فراہم

سلہ صاحب اقباض کا کام مال غنیمت کو یکجا محفوظ کرنا اور اسکی فہرستیں مرتب کرنا تھا۔

ہوچکا ہے وہ سب ملکر اسکی برابر نہیں ہے۔ صاحب اقباض نے اُس شخص سے پوچھا کہ تمنے اُسمیں سے کچھ لیا ہے۔ اُنہوں نے قسم کھا کر کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کا خوف نہوتا تو میں اُس ڈبہ کو تمھارے پاس تک نہ لاتا۔ صاحب اقباض نے دریافت کیا کہ تمہارا نام کیا ہے۔ جواب دیا "میں تمکو اپنا نام بھی نہ بتلاؤنگا کہ تم خواہ مخواہ میری شکر گزاری اور تعریف کرو۔ میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اُسی سے ثواب کا متوقع ہوں کہ اُس نے مجھے توفیق دی۔ یہ کہکر وہ شخص چلا گیا۔ صاحب اقباض نے اسکے پیچھے ایک آدمی کو بھیجا کہ لوگوں سے دریافت کرے یہ کون شخص ہے۔ پوچھنے سے معلوم ہوا کہ ان کا نام عامر بن قیس ہے۔ حضرت سعدؓ کو اس سارے واقعہ کی خبر ہوئی تو آپنے مسرت کے ساتھ فرمایا "واللہ ان الجیش لذو امانۃ ولولا ما سبق لاھل بدر رضی اللہ عنہم لقلت انھم علیٰ فضل اھل بدر"۔ (خدا کی قسم یہ لشکر نہایت امین ہے اور اگر اہل بدر کی افضلیت ثابت نہو چکتی تو میں کہتا کہ یہ بھی اُنکی برابر ہیں)۔

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "والذی لا الہ الا ھو ما اطلعنا علی احدٍ من اھل القادسیۃ انہ یرید الدنیا مع الاٰخرۃ فلقد اتھمنا ثلاثۃ نفر فما رائینا کاما نتھم وزھدھم وھم طلیحۃ وعمرو بن معدیکرب وقیس بن المکشوح۔ (قسم ہے اُس ذات کی جسکے سواء کوئی معبود نہیں۔ ہمنے قادسیہ کے لشکر میں سے کسی ایک کو بھی یہ نہ سمجھا کہ وہ آخرت کے ساتھ دنیا کا طالب ہے۔ تین شخصوں کی نسبت گمان تھا مگر (تحقیق کے بعد) اُنکا سا زُھد و امانت ہمنے کسی میں نہ دیکھا۔ وہ تین شخص طلیحہ اور عمرو بن معدیکرب اور قیس بن المکشوح تھے)۔

یہ تینوں صاحب وہی تھے جو فوری جوش میں مرتدین کے ساتھ ملگئے تھے مگر پھر مسلمان ہوگئے۔ اُن پر بدگمانی بے موقع نہ تھی۔ مگر ایمان چونکہ اُنکے اندر قدم جما چکا تھا اسلئے انکے اندر بھی وہ ہی اوصاف پائے گئے جو دوسرے راسخ الایمان حضرات میں تھے۔

مدائن کا فاتح وہی لشکر ہے جو ابھی حضرت سعدؓ کی ماتحتی میں قادسیہ میں دادِ شجاعت دیکر" جوہر ایمانی دکھلا کر رستم کا خاتمہ کرکے آیا تھا۔ اسی وجہ سے حضرت جابر اس لشکر کو اہل قادسیہ سے تعبیر فرماتے ہیں۔

ساٹھ ہزار لشکر اور ایسا بے انتہا مال غنیمت کہ خمس نکالنے اور قیمتی اسباب علیحدہ کرنے کے

بعد فی کس بارہ ہزار درہم نقد حصہ ملا۔ اور یہ بے تعداد دولت بازاروں جنگلوں۔ بھاگتے ہوئے لوگوں سے جمع کیگئی اور اُس میں سے ایک شے میں بھی نہ خیانت ہوئی نہ کوئی چیز گم ہوئی۔ اسمیں شک نہیں کہ ایسے پاک افراد کے اجتماع کی جن کو بمقابلہ ثواب آخرت دنیا کی طمع ذرہ بھر بھی نہ تھی کیا کسی جگہ نظیر مل سکتی ہے۔ اس سے زیادہ اُنکی بے لوثی اور دنیا سے بے لاگ ہونیکی دلیل کیا ہوسکتی ہے کہ حضرت جابر حلف شدید کے ساتھ اُنکے طالب دنیا ہونیکی نفی فرماتے ہیں اور حضرت سعد اُنکو اہل بدر کے برابر کرنیکے واسطے مستعد ہیں۔

منصفو۔ ذرا انصاف کرو اور دیکھو کہ اسلام کی اشاعت کن اصول پر۔ کیسے لوگوں کے ہاتھوں سے ہوتی ہے۔ یہ وہی پاک نفوس ہیں جنکی صورت دیکھکر ہی حقانیت اسلام دلنشین ہوجاتی تھی چہ جائیکہ اُنکے حالات واخلاق۔ عادات۔ عبادات ومعاملات کا مشاہدہ۔

اگر دنیا کی کوئی تاریخ کسی قوم کے ایسے حالات پیش کر سکتی ہے تو کرے۔ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ساٹھ ہزار لشکر میں کُل صحابہ ہی نہ تھے۔ یرموک کے عظیم الشان معرکہ میں جہاں خالد بن الولید اور امین الامۃ ابوعبیدہ بن الجراح سپہ سالار تھے صحابہ ایک ہزار سے زیادہ نہ تھے۔ اسی قیاس پر کہہ سکتے ہیں کہ قادسیہ کے معرکہ میں اگر بہت ہونگے تو دو تین ہزار صحابہ ہونگے باقی کُل وہی حضرات تھے جنکو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار مبارک نصیب نہیں ہوا تھا بلکہ صحابہ کے فیض صحبت نے اُن کو کندن بناکر اس درجہ میں پہنچا دیا تھا کہ اُن میں اور صحابہ میں فرق کرنا دشوار ہو رہا تھا۔ صحابہ کے موثر قوی اور اُستاد کامل ہونیکی دلیل اس سے بڑھکر اور کیا ہوسکتی ہے کہ صحابہ کی شان تو جیسی کچھ ارفع تھی اظہر من الشمس ہے اُنکے شاگردوں کے دامن کو بھی دنیا چھو کر نہ گئی تھی فاعتبروا یا اولی الابصار۔

ہاں ہم صاف صاف کہتے ہیں کہ اسلام حقیقی مذہب ہے اُسمیں ملمع سازی نہیں ہے۔ اُسکی تمام کامیابیوں کا مدار صداقت اور سچی اطاعت وپیروی پر ہے۔ اسلام کو شرق سے غرب اور زمین کے کونہ کونہ تک پہنچا دینے کا مستحکم وعدہ خداوند عالم فرما چکے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد واجب الاذعان صادر ہوچکا تھا۔

لا یبقی علی ظہر الارض بیت مدرٍ ولا وبرٍ الا ادخلہ اللہ کلمۃ الاسلام بعز

عزیز او ذل ذلیل (زمین پر کوئی گھر مٹی یا اُون کا ایسا باقی نرھیگا جسمیں اسلام داخل نہو۔ یا عزت والے کی عزّت کے ساتھ یا ذلیل کی ذلت کے ساتھ)۔

اسلام کی اشاعت میں زید عمرو کی خصوصیت نہ تھی۔ کلام اللہ میں صحابہ کو ارشاد فرما دیا گیا تھا۔ اِن تتولوا یستبدل قوماً غیرکم ثم لا یکونوا امثالکم (اگر تم روگردانی کروگے تو تمھاری جگہ دوسری قوم بدل دیجاویگی اور وہ تم جیسے نہونگے)۔

اِسلئے اسلام پھیلا اور اُنہیں ہاتھوں سے پھیلا جنہوں نے اسلام کی سچی تعلیم پر عمل کیا۔ اُس کے رنگ و بُو اُن میں سما گئے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا ارشاد بالکل صحیح تھا کہ دنیا میں ملوث ہونے سے پہلے کچھ کام کرلو۔ جسوقت مسلمانوں کی حالت میں تغیّر آیا۔ اسلام کے کسی حکم سے منحرف ہوئے۔ خود اُنہیں کو نقصان پہنچا۔ نفس اسلام پر کچھ اثر نہیں ہوا۔ نہ اُسکی رفتار ترقی میں فرق پڑا۔

ہم چاہتے ہیں کہ جس طرح ہمنے اسلام کی صداقت اور تائید آسمانی کے دلچسپ حالات سے مردہ دلوں میں تازہ روح پھونکی ہے اسی طرح اُنکی اسلامی سچائی اور برگزیدگی کا دوسرا پہلو بھی دکھلاویں کہ مسلمانوں نے جب کبھی احکام اسلام کو پسِ پشت ڈالا اُنپر کیا آفتیں نازل ہوئیں۔ لیکن حقیقی اسلام اُسی ترقی پر رہا۔ ایک قوم اگر اپنے ہاتھوں سے برباد ہوئی تو دوسری قوم اسلام کی سچی فرمانبردار ہوکر ترقی کا علم اُٹھائے ہوئے سامنے آگئی۔ ایک راستہ اگر بند ہوگیا تو اسلام کیلئے دوسرا راستہ کھُل گیا۔

جزیرہ سردانیہ کی فتح اور مسلمانوں کا غرق آب ہونا

بحر روم میں جزیرہ صقلیہ اور کریٹ کے بعد سردانیہ سب سے بڑا جزیرہ ہے۔ موسیٰ بن نصیر فاتح اندلس نے ایک لشکر اِس جزیرہ کی فتح کے واسطے جہازوں پر سوار کرکے روانہ کیا۔ جزیرہ فتح ہوگیا۔ عیسائیوں نے سونے چاندی کے برتن اور اِس قسم کے دوسرے اموال کو بندرگاہ کے اندر پانی میں ڈالدیا۔ اور بہت سے مال کو ایک گرجا میں دو چھتی کے اندر رکھدیا۔ مسلمانوں کو بےانتہا مال غنیمت میں ملا۔ لیکن اُسمیں غلول یعنی خیانت بھی بہت ہوئی۔ اُنکو خیانت کا ایک طرح سے موقع بھی ملگیا۔

ایک مسلمان نہانے کے واسطے دریا میں اُترا تو اُسکے پیر کو کوئی چیز لگی نکالکر دیکھا تو چاندی

کی رکابی تھی۔ بس اِس سے پتہ چلا تو جسکے جو چیز ہاتھ لگی سب نکال لی۔ علی ہذا ایک شخص اُس گرجا میں داخل ہوا۔ چھت میں ایک کبوتر بیٹھا ہوا دیکھا اُس نے تیر مارا کبوتر تو بچگیا مگر پتھر کا ٹکڑا ٹوٹ کر نیچے گرا اور اُسکے ساتھ کچھ دنانیر بھی گرے جنکو اُس نے اُٹھا لیا۔ اس طرح وہ سارا مال بھی ہاتوں ہاتھ سب لیگئے اور مال غنیمت میں بڑا انتہا چوری ہوئی۔ چوری کیلئے بہت سے حیلے اختیار کئے گئے۔ بلی کو مار کر اندرونی آلایش سے صاف کر کے اُسمیں دینار بھر کر سی دیا اور رسی باندھکر راستہ میں پھینکدیا اور جب گذر ہوا تو کہیں پھینکدینے کے بہانے سے کھینچتے ہوئے لیگئے۔

فتح جزیرہ سے فارغ ہو کر اور مال غنیمت میں اس طرح خیانت کر کے واپسی کے واسطے جہاز میں سوار ہوئے تو غیب سے ایک آواز سنائی دی۔ اَللّٰھُمَّ غرقھُم (ای اللہ انکو دریا میں غرق کردے) سب کے سب بالکل غرق ہو گئے ایک بھی نہ بچا۔

یہ لشکر اسلام کی اہم خدمت انجام دیکر مظفر و منصور واپس ہو رہا تھا مگر احکام اسلام کی اطاعت نکرنے کا نتیجہ اُن لوگوں کو ہاتوں ہاتھ بھگتنا پڑا اور سب فنا ہو گئے۔ لیکن اسلام اپنی رفتار پر ترقی کرتا گیا ان کے ہاتھ نہ سہی دوسرے لوگوں کے ہاتھ سے سہی۔

اسلام اپنی ترقی میں کسی کا محتاج نہیں ہے۔ مسلمان جب تک اُسکے احکام کے پورے فرمانبردار رہے۔ دنیا کی نیکنامی کے ساتھ ثواب آخرۃ جمع کرتے رہے اور جب کسی جماعت نے اُس سے انحراف کیا خود تباہ و برباد ہوئے۔ اسلام نے اپنی ترقی کے واسطے دوسری راہ نکال لی۔

روم کے بادشاہ کا خط

اسی ذیل میں ہم ایک اور تاریخی واقعہ لکھدینا مناسب سمجھتے ہیں جس سے ہمارے سابق بیان پر اور زیادہ روشنی پڑجائے اور معلوم ہو جائے کہ علماء اسلام اس بارہ میں خود کیا فرما گئے ہیں۔ اور اسلام کی اس ترقی کی لم کو نہ صرف مسلمان بلکہ غیر مسلمان بھی بخوبی سمجھتے تھے۔

چوتھی صدی ہجری میں قسطنطنیہ کے عیسائی بادشاہ نے عربی زبان میں ایک منظوم خط جو باعتبار زبان بھی زوردار اور فصیح تھا خلیفہ عباسی کے نام لکھا جسمیں ممالک اسلام کے فتح کرنے اور اپنی بڑی شمار مفاخر اور اولوالعزمیوں کو ظاہر کرنیکے ساتھ مسلمانوں اور خلیفہ کو خوب تہدید اور وعدہ وعید لکھے تھے۔ اُس قصیدہ کا پہلا شعر یہ تھا۔

مِنَ الملكِ الطهرِ المسیحی رسالۃ   الی قائمٍ بالملکِ من آلِ ھاشم
(یہ خط مسیحی پاک بادشاہ کی طرف سے   خلیفہ ہاشمی کے نام)

اس خط میں بہت کچھ لکھتے لکھتے لکھا ہے۔

الا شمّروا یا اھلَ بغداد ویلکم   فملککم مستضعفٌ غیرُ دائم
(ای اہل بغداد تمھارے لئے ہلاکی ہو تم بھاگنے کیواسطے مستعد ہو جاؤ۔ کیونکہ تمھارا ملک ضعیف اور ناپائدار ہے۔)

رضیتم بان الدیلمی خلیفۃٌ   فصرتم عبیدا للعبید الدیالم
(تم دیلمی کے خلیفہ ہونے پر راضی ہو گئے   اور تم دیلمی غلاموں کے غلام بنگئے۔)

یہ اشارہ ہے کہ ملوک دیلم جو نائب خلیفہ تھے انکا اثر خلیفہ پر بڑھگیا۔

فعودوا الی ارض الحجاز اذلۃً   وخلوا بلادَ الروم اھل المکارم
(تم ذلیل ہوکر سرزمین حجاز کی طرف لوٹ جاؤ: اور ذی عزت اہل روم کے ممالک کو خالی کردو)

اس قصیدہ کے آخر میں لکھا ہے۔

ملکنا علیکم حین جار قویکم   وعاملتم بالمنکرات العظائم
(ہم تمھارے اوپر اُسوقت غالب آئے جب تمہارے قوی نے ضعیف پر ظلم کیا اور تم بڑی شنیع فعل کرنے لگے)

قضاتکم باعوا جہارا قضاءھم   کبیع ابن یعقوبٍ ببخسٍ دراھم
(تمھارے جج اس طرح کُھلم کُھلا فیصلوں کو فروخت کرنے لگے جس طرح یوسف علیہ السلام تھوڑی دراہم میں بیچدیئے گئے)

اس قصیدہ کے آخری اشعار کا ایک شعر یہ ہے۔

سافتح ارض الشرق طرا ومغربا   وانشر دین الصلب نشر العمائم
(عنقریب شرق اور غرب کے سب ممالک کو فتح کرونگا۔ اور صلیب کے دین کو اس طرح پھیلادونگا جیسے عمامہ کو پھیلادیتے ہیں)

ناظرین ان چند ہی اشعار سے قصیدہ کا لب لباب اور عیسائی بادشاہ کی نخوت غرور خیالات اور ارادوں کا اندازہ کرسکتے ہیں۔

اس منظوم خط کا جواب اُسوقت کے مشہور و مستند عالم قفال مروزی نے تحریر فرمایا۔ جواب خط اپنی فصاحت برجستگی۔ جوابات کی معقولیت اور واقعی الزامات اور استنباط نتائج کے اعتبار سے اس پایہ کا تھا کہ مسیحی بادشاہ خلاف توقع اس بلند پایہ جواب کو دیکھکر

حیران رہگیا وہ تعجب سے پوچھتا تھا کہ جواب لکھنے والا کون شخص ہے۔

قفال مروزی نے ہر بات کا فیصلہ کن اور قطعی جواب دیا ہے مگر ہماری غرض یہاں اُن جوابات نقل کرنے کی نہیں ہے البتہ بعض جوابات بطور نمونہ دکھلا کر اصل مقصود ظاہر کرنا چاہتے ہیں وہ فرماتے ہیں:۔

وقال مسیحی ولیس کذا کم اخو قسوة لا یحتذی فعل راحم

(وہ اپنے آپکو مسیحی کہتا ہے حالانکہ یہ بات غلط ہے۔ سنگدل آدمی رحیم اور مہربان کا متبع نہیں کہلاتا)

یعنی مسیحی وہ ہی کہلا سکتا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا متبع ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نہایت رحیم مہربان اور اپنی اُمت کیواسطے نہایت نرم احکام لانیوالے ہیں۔ ایسا سنگدل اور سخت اُنکا متبع کیونکر ہو سکتا ہے۔

ولیس مسیحیا جحو لا مثلثا یقول لعیسیٰ جل عن وصف آدم

(ایک ایسا شخص جو حضرت عیسیٰ کو خدا کہتا ہے کبھی مسیحی یعنی متبع مسیح نہیں ہو سکتا)

وما الملک الطهر المسیحی غادرا ولا فاجرا رکانة للمظالم

(جو بادشاہ پاک اور متبع مسیح علیہ السلام ہو۔ کبھی عہد شکن اور ظلم کی طرف مائل نہیں ہو سکتا)

اس طرز جواب سے سمجھ لینا چاہیئے کہ ہر ایک بات کا کیسا دندان شکن جواب اس قصیدہ میں دیا گیا ہے یہ سارا قصیدہ اور اُسکا جواب اس قابل تھا کہ بحرفہ نقل کر کے اعتراض وجواب کا موازنہ کرتے مگر طول کا اندیشہ اور اصل مقصد سے دور پڑ جانیکا خیال ہوا اسلئے ہم تمام اعتراضات اور اُنکے جوابات کو نقل نہیں کرتے ہیں۔ اگر کسی وقت خواہش دیکھی گئی تو ممکن ہے کہ دونوں قصیدے بلکہ تیسرا قصیدہ جو اس کے جواب میں ابن حزم نے لکھا ہے نقل کر دیں۔ لیکن جو سب سے بھاری اور چبھتا ہوا اعتراض عیسائی بادشاہ نے کیا تھا۔ جسکے لکھنے کے وقت خود اُسکو بھی خبر نہ تھی کہ اس سے کیا نتیجہ برآمد ہوگا۔ اور وہ یہ سمجھا تھا کہ گو میں دل سے حقانیت اسلام کا قائل نہیں ہوں۔ مگر میرا اعتراض مجھی پر حجت ہو جائیگا اُسکا جواب جو قفال رح نے دیا ہے نقل کرتے ہیں۔

وقلتم ملکنا کم بجور قضاتکم وبیعهم احکامهم بالدراهم

(تم کہتے ہو کہ ہم اسوجہ سے تم پر غالب ہوئے کہ تمہارے قاضیوں نے ظلم کیا۔ اور اپنے فیصلوں کو روپیہ کے بدلے بیچڈالا)

وفی ذالک اقرار بصحۃ دیننا   وَاِنَّا ظلمنا فا بتلینا بظالم

(لیکن ہمیں تو ہماری دین کی حقانیت کا اقرار ہے۔ کہ ہمنے ظلم کیا تو ہمپر ظالم مسلط کر دیا گیا)

اِن اعتراضات اور جوابات کے دیکھنے سے اتنی بات بخوبی واضح ہو گئی کہ مخالف اور موافق دونوں کے نزدیک اسلام کی ترقی اور اشاعت کا مدار صرف اُسکے احکام کی خوبی اور مسلمانوں کے صدق و اخلاص پر تھا۔

بادشاہ روم صاف اعتراف کرتا ہے۔ کہ جب تک تم مسلمان اپنی اصلی حالت پر رہے۔ ہم مغلوب ہی ہوتے چلے گئے۔ ہم اُسوقت غالب آئے جب تمنے اپنے سیدھے راستہ صدق و اخلاص دیانت و انصاف وغیرہ اوصاف حمیدہ کو چھوڑ کر ظلم اختیار کیا اور افعال شنیعہ کے مرتکب ہوئے۔

ممکن تھا کہ جواب میں ان اعتراضات کو دفع کرنے کی کوشش اس طرح کی جاتی کہ واقعات کی تغلیط کرتے اور اُن افعال کی تاویل مگر نہیں مجیب نے ہٹ دھرمی اور تعصب سے کام نہیں لیا وہ فرماتے ہیں کہ یہ تو اسلام کی حقانیت کی روشن دلیل ہے۔ جب ہمنے ظلم کیا۔ طریقہ حق کو چھوڑا تو فتح و نصرت تائید آسمانی نے بھی ہمارا ساتھ چھوڑا۔ ہمپر دوسری قومیں مسلط ہو گئیں۔ ہم ذلیل ہوئے۔ اور مُلک کے مُلک ہمارے قبضہ سے نکلتے چلے گئے۔

یہ دو واقعے ہمنے دوسرا پہلو دکھانیکی غرض سے درج کئے ہیں۔ اب ہم پھر اصلی مقصد کی طرف عود کرتے ہیں۔

(باقی آیندہ)

قدردانی کا شکریہ بہت سے حضرات نے مذہبی رسالہ (القاسم) کے ساتھ اسقدر دلچسپی اور قدردانی کا اظہار فرمایا کہ اختتام سال سے پہلے ہی سال دویم کا چندہ یا رقم معاونت ارسال فرمادی۔ ہم اُنکا دلی شکریہ ادا کرتے ہیں۔ جزاہم اللہ تعالیٰ۔ اہل اسلام کی طرف سے ایک خالص مذہبی اسلامی رسالہ کی اتنی قدر و وقعت کا اظہار نہایت اُمید افزا اور طمانیت بخش امر ہے۔

قصیدۂ نعتیہ

مولانا عبدالرحمن صاحب رکن مجلس العلماء بھوپال کے اس قصیدہ کا ایک حصہ ماہ ربیع الاول کے القاسم میں شائع ہوچکا ہے۔ بقیہ اس ماہ میں شائع کرکے امید کیجاتی ہے کہ اہل علم وفضل اس کے مطالعہ سے ازدیاد حب نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا لطف حاصل فرمائینگے اور عام ناظرین بھی محروم نرہینگے۔

اکرم به من رسول راحم رؤف / بالمؤمنین وبالاحسان مشتمل

کیا اچھے کریم رسول پاک رحم دل مسلمانوں پر / مہربان سراپا احسان

داع الی جنة الماوی ومرحمة / للعالمین ومنجاة من الشعل

جنت کی طرف بلانیوالے سارے جہان کے لئے رحمت اور دوزخ سے بچانے والے

بعد الرسالة للاسراء منتدب / قبل الفطام بشرح الصدر مکتمل

بعد منصب رسالت معراج کو تشریف لیگئے / دودھ چھوٹنے سے پہلے ہی شرح صدر سے کامل بنائے گئے

وقاب قوسین او ادنی تقربه / وبالکلیم الخطاب انظر الی الجبل

بقدر فرق دو کمان یا اس سے بھی کم جناب کو تقرب حاصل ہوا اور حضرت موسیٰ کو خطاب ہوا کہ پہاڑ کیطرف دیکھ

قد نال من شرف ما لم ینل احد / من النبیین فی علم وفی عمل

حضور نے کمال علمی وعملی میں وہ شرف حاصل کیا جو کسی نبی نے حاصل نہیں کیا

فوق العباد وبعد الله رتبته / هو الحبیب اصطفاه الله من رسل

سب بندوں سے بالا اللہ تعالیٰ کے بعد جناب کا مرتبہ ہے آپ ہی اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں رسولوں میں سے پسند فرمایا ہے

طوبی لطیبة قد طابت بعنصره / لها افتخار علی کل البقاع جلی

مدینہ کی خوش نصیبی وخوبی کہ جناب کی ذات پاک سے اس نے خوبی حاصل کی اسکو سارے بلاد پر کھلا ہوا فخر حاصل ہے

وماءها الملح من تشریف مقدمه / قد صار عذبا فراتا ناقع الغلل

اسکا آب شور جناب کے قدوم میمنت لزوم سے شیریں وخوش مزہ دافع تشنگی ہوگیا

وریقه لا تسلنی عن حلاوته / قد مج فی البئر صار الماء کالعسل

لعاب دہن مبارک کی شیرینی کا حال مت پوچھ کہ اک کنوئیں میں کلی ڈالدی اسکا پانی مثل شہد شیریں ہوگیا

نوافر الوحش قد جاءته آنسةً — وحنّ جذعٌ كطفلٍ بالفطام بُلي

خدمت مبارک میں وحشی غیر مانوس جانور انس کے ساتھ آئے اور ستون مسجد جناب کے فراق میں دودھ چھوٹنے والے بچے کی طرح رویا

لولاه لم توجد الدنیا وجارتها — لا النار لا جنه الفردوس من ازلٍ

اگر حضور سرور کائنات موجود نہوتے تو ازل سے دنیا و آخرت کا بھی وجود نہ ہوتا نہ جنت ہوتی نہ دوزخ

وجوده لوجود الکل منتظم — کعلّةٍ حازت المعلول بالجُمَلِ

جناب کا وجود ساری مخلوقات کے وجود کو شامل ہے جیسے کہ علۃ بالاجمال معلول کو شامل ہوتی ہے

فنوره التمّ فی الاعیان قاطبة — تعیّنٌ اوّلٌ من علّةِ العِلَلِ

پس جناب کا نور کامل سارے مخلوقات میں جناب باریتعالیٰ نے اول مخلوق فرمایا

لا غرو فیه وانّ الله مقتدرٌ — لو شاء یجمع کلّ الخلق فی رجلِ

اسمیں کچھ مضائقہ نہیں اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اگر چاہے ساری مخلوق کو شخص واحد میں جمع کر دے

جلّی وبیّن ما قد کان مختفیا — بین الخلائق والخلاق من وُصلِ

حضور نے بارگاہ خداوندی کے تقرب کے ذرائع اور اسباب جو پوشیدہ تھے خوب ظاہر بیان فرمائے

قد جاء بالملّةِ البیضاء واضحةً — کانّها غرّةٌ فی جبهة المللِ

حضور ملۃ اسلام اک مذہب روشن واضح لیکر آئے گویا وہ ساری ملتوں کی پیشانی پر اک روشن نشانی ہے

بُشری لمتبعی هذا النبی اتت — یحببکم الله نصٌّ فی الکتاب تُلی

اس نبی کی پیروی کرنے والوں کیلئے بشارت آئی ہے۔ آیت یحببکم اللہ جو قرآن مجید میں تلاوت کیجاتی ہے

لا تبتئس واتبع آثار سُنّته — علیه صلّ وسلّم دائماً وقلِ

تو غمگین مت ہو اور حضور کے طریقوں پر چلا چل جناب پر درود و سلام ہمیشہ بھیجتا رہ اور کہو

ابعثه ربّ مقاماً قد وعدت به — وارزق شفاعته عبداً اخا املِ

اے میرے رب حضور کو مقام محمود عطا فرما اور بندۂ امیدوار کو انکی شفاعت نصیب کر

صلّی وسلّم ربّی دائماً ابداً — علی النبیّ امانِ الخائف الوجلِ

اللہ تعالیٰ جناب نبی کریم پر ہمیشہ ہمیشہ درود و سلام بھیجتا رہے جو خوف زدہ ترساں کے امن و امان ہیں

حضرات معاونین خاص رسالہ القاسم

القاسم کی طرف بزرگان دین کی توجہ وعنایت (جسکا مختصر حال ہم ایک گذشتہ اشاعت میں عرض کر چکے ہیں) الحمدللہ کہ روز بروز ظہور پذیر ہوتی جاتی ہے۔

اس مرتبہ حضرت مولانا الحاج محمد عزیز الرحمن صاحب مفتی مدرسہ اسلامیہ دیوبند نے القاسم کی اعانت میں پانچرو پیہ مرحمت فرماکر ایک قابل فخر ومتبرک عطیہ کا اضافہ فرمایا ہے۔ جناب ممدوح اپنے طرز میں علماء سلف کا نمونہ اور وسعت نظر میں فخر روزگار ہیں۔ آپکی اس توجہ پر جو انشاء اللہ القاسم کیلئے باعث خیر وبرکت ہوگی القاسم اور اُسکے منتظمین جسقدر فخر کریں بجا ہے۔

(۲) جناب سید شاہ بدر عالم صاحب جاگیردار پرچل جاگر ضلع پربھنی علاقہ حیدرآباد دکن } ۹ عہ ر

(۳) جناب مولوی محمد برکت اللہ ومنشی افتخار احمد صاحبان محمد گنج ضلع بستی۔ صہ ر

(۴) جناب خانصاحب غلام حیدر خان صاحب تحصیلدار مردان پور ضلع پشاور۔ صہ ر

فہرست چندہ دارالحدیث جو وقت جلسہ سنگ بنیاد لکھا گیا

۱	حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدظلہم العالی	ما ر	۱۰	مولوی محمد سہول صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	عـہ ر
۲	جناب مولوی محی الدین صاحب قاضی ریاست بھوپال وممبر مدرسہ عالیہ دیوبند	ما ر	۱۱	حاجی محمد قاسم صاحب دیوبندی سب اوورسیر	عـہ ر
۳	مولانا مولوی حافظ احمد صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند	ما ر	۱۲	مولوی عبدالسمیع صاحب دیوبندی۔	صہ ر
۴	منجانب ہمشیرہ صاحبہ شیخ فصیح الدین صاحب رئیس صدر بازار میرٹھ	ما ر	۱۳	مولوی سلطان علی صاحب مدرس مدرسہ گنگوہ	صہ ر
۵	مولوی سید مرتضیٰ حسن صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ ر	۱۴	مولوی محمد حنیف صاحب دیوبندی مدرس مدرسہ سرکاری	صہ ر
۶	مولوی محمد محسن صاحب پیشکار مظفر نگر ساکن دیوبند	صہ ر	۱۵	مولوی سید اصغر حسین صاحب دیوبندی	صہ ر
۷	مولانا مولوی حبیب الرحمن صاحب مددگار مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ ر	۱۶	حافظ لیاقت علی صاحب دیوبندی	صہ ر
۸	مولوی شبیر احمد صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ ر	۱۷	قاری عبدالوحید خانصاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ ر
۹	مولانا محمد حسن صاحب مرادآبادی رکن مجلس العلماء بھوپال وممبر مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ ر	۱۸	مولوی خواجہ عبدالحی صاحب طالبعلم مدرسہ عالیہ "	صہ ر
			۱۹	مولوی فاہم علی صاحب " " "	صہ ر
			۲۰	مولوی محمد علی صاحب کمرلای " " "	صہ ر
			۲۱	مولوی محمد مبین صاحب مدرس چھاؤنی انبالہ	صہ ر

نمبر	نام	رقم
۲۲	مولانا مولوی محمد ابراہیم صاحب دہلوی دام فضلہم	صہ/
۲۳	مولوی عبد القادر صاحب نواکھالی	صہ/
۲۴	مولوی محمد عثمان صاحب ساکن گیا طالبعلم مدرسہ عالیہ دیوبند	عہ/
۲۵	مولوی محمد الدین صاحب طالب علم 〃	عہ/
۲۶	مولوی عبد الرحیم صاحب و مولوی عبد الصمد صاحب	ے/
۲۷	مولوی مرید خواجہ صاحب سند یافتہ مدرسہ عالیہ دیوبند	عہ/
۲۸	منشی منظور احمد صاحب مدرس پانی 〃	عہ
۲۹	مولوی عبد الرؤف صاحب	للعہ/
۳۰	مولوی گل محمد خان صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	عہ/
۳۱	معرفتہ دیوانجی صاحب	عہ
۳۲	مولوی رشید احمد صاحب میرٹھی طالبعلم مدرسہ عالیہ دیوبند	عہ
۳۳	منشی امداد الحق صاحب محرر مدرسہ 〃	عہ
۳۴	مولوی محمد یسین صاحب مدرس فارسی مدرسہ 〃	عما
۳۵	مولوی علی اظہر صاحب طالبعلم مدرسہ عالیہ دیوبند	عہ
۳۶	مولوی محمد صاحب سورتی 〃 〃	عہ
۳۷	مولوی احمد اللہ صاحب پانی پتی 〃 〃	عما
۳۸	حاجی محمد صاحب کرانچوی 〃 〃	عہ
۳۹	مولوی احمد اللہ صاحب کیرانوی 〃 〃	عہ
۴۰	محمد حاتم بنگالی 〃 〃	عما
۴۱	مولوی عبد الرحمن صاحب در بھنگوی 〃 〃	عہ
۴۲	مولوی عبد العزیز صاحب نواکھالی 〃 〃	عما

نمبر	نام	رقم
۴۳	حضرت مولانا محمود حسن صاحب منجانب حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ	ے/
۴۴	حضرت مولانا محمود حسن صاحب منجانب حضرت مولانا رشید احمد صاحب قدس سرہ	ے/
۴۵	حضرت مولانا محمود حسن صاحب منجانب حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ	ے/
۴۶	حضرت مولانا اشرف علی صاحب منجانب حضرت 〃	اے/
۴۷	حضرت مولانا اشرف علی صاحب منجانب حضرت حاجی امداد اللہ صاحب علیہ الرحمۃ	ے/
۴۸	حضرت مفتی صاحب منجانب حضرت مولانا رفیع الدین صاحب علیہ الرحمۃ	ے/
۴۹	مولانا مرتضی حسن صاحب منجانب حضرت 〃	ے/
۵۰	مولوی فضل الرحمن بنگالی طالب علم 〃	۴عہ
۵۱	مولوی محمد علی پنجابی 〃 〃	۳/
۵۲	محمد شفیع پنجابی 〃	۴/
۵۳	رشید احمد طالب علم	۲/
۵۴	حافظ محمد صالح صاحب رائے پوری	ے
۵۵	مولانا انور شاہ صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	عما
۵۶	حاجی محمد صاحب کراچوی از جانب اساتذہ۔	
۵۷	خود حضرت مولانا شاہ محمد فتح الدین صاحب	عہ
۵۸	از جانب حضرت مولانا محمد ابراہیم صاحب کراچوی	۴عہ
۵۹	از جانب مولوی عبد اللہ صاحب کراچوی	عہ
۶۰	از جانب مولوی عبید اللہ صاحب کراچوی	۸/
۶۱	از جانب مولوی محمد صادق صاحب 〃	۸/
۶۲	دیوان محمد یسین صاحب محرر مدرسہ عالیہ دیوبند	عہ/
۶۳	منشی محبوب علی و منشی عبد الرحمن خوشنویس مطبع قاسمی دیوبند	عما/

فہرست چندہ درسگاہ خورد مدرسہ اسلامیہ دیوبند جو وقت جلسہ سنگ بنیاد لکھا گیا یا وصول ہوا

نمبر	نام	رقم
۱	جناب مولانا حاجی محمد اشرف علی صاحب ممبر مدرسہ عالیہ دیوبند (متاع صہ نقد صہ)	یکصد ما/
۲	حاجی وجیہ الدین صاحب رئیس میرٹھ	ما/
۳	حافظ فصیح الدین صاحب رئیس میرٹھ	ما/
۴	منشی منظہر حسن صاحب مہتمم مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ
۵	حاجی نور محمد صاحب سوداگر مظفر نگر	وصہ
۶	حافظ محمد اسماعیل صاحب	سہ
۷	مولوی عماد الدین صاحب مدرس مدرسہ خورجہ	عہ
۸	حافظ لیاقت علی صاحب دیوبندی	صہ/
۹	مولوی قاسم علی صاحب طالب علم مدرسہ عالیہ دیوبند	۴عہ/
۱۰	قاری غلام احمد صاحب ساکن پچھرایوں	۴عہ/
۱۱	حاجی محمد محسن صاحب مہاجر مکی	صہ/
۱۲	حکیم خدا بخش صاحب مہتمم مدرسہ خازن العلوم	عہ
۱۳	حافظ فصیح الدین صاحب منجانب حاجی رفیع الدین صاحب مرحوم	ما/
۱۴	قاری محمد طیب و طاہر سلمہما اللہ تعالی	صہ/

نمبر	نام	رقم
۱۵	حضرت مولانا محمود حسن صاحب مدفیوضہم	صہ/
۱۶	مولوی محمد سہول صاحب مدرس مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ/
۱۷	قاری عبد الوحید خان صاحب 〃 〃	۱۰عہ/
۱۸	مولوی رشید احمد صاحب طالبعلم 〃	۴/
۱۹	مولوی عبد الرؤف صاحب 〃	ے
۲۰	حاجی محمد قاسم صاحب دیوبندی	صہ/
۲۱	مولوی فضل عظیم صاحب دیوبندی	عہ/
۲۲	نواب مولانا محی الدین صاحب قاضی ریاست بھوپال ممبر مدرسہ عالیہ دیوبند	صہ/
۲۳	مولانا محمد حسن صاحب رکن مجلس العلماء 〃 〃	عہ
۲۴	حضرت مولنا عزیز الرحمن صاحب مفتی مدرسہ عالیہ دیوبند	عما/
۲۵	مولوی شبیر احمد صاحب مدرس مدرسہ 〃	عما/
۲۶	مولنا مولوی سید مرتضی حسن صاحب 〃	وصہ
۲۷	مولوی محمد حنیف صاحب دیوبندی	عما/
۲۸	مولوی سلطان علی صاحب بریلوی مدرس مدرسہ گنگوہ	عما/
۲۹	مولانا حبیب الرحمن صاحب مدظلہم	صہ/